زہریلا
ایم اے راحت

سروجنی دیوی تینوں بیٹوں کو ایک ساتھ دیکھتیں تو نگاہیں جھکا لیتی تھیں اور ان کا دل ہلنے لگتا تھا کہ کہیں انہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے...... پورے جیون کی کمائی یہی تینوں تھے، ایک سے ایک سندر...... ایک سے ایک شیر نر، گووند راج کا قد چھ فٹ تین انچ تھا...... راگھو راج چھ فٹ دو انچ اور رتن راج چھ فٹ ساڑھے چار انچ...... علاقے میں رتن راج سے زیادہ چوڑی چھاتی کسی کی نہ تھی...... باریک ململ کا کرتہ اور دھوتی پہن کر نکلتا تو چلتے لوگ رک جاتے تھے اور اس وقت تک دیکھتے رہتے جب تک وہ نظر آتا...... اس کا گلابی رنگ ململ کے نیچے کندن کی طرح دمکتا تھا۔

راجہ موہن راؤ کی موت کے وقت تینوں بیٹے بتدریج پانچ سات اور نو سال کے تھے...... گھر میں بھگوان کا دیا سب کچھ تھا...... ریاست تو راجہ صاحب کے دور میں ہی ختم ہو گئی تھی، لیکن ہاتھی لاکھ سے سوا لاکھ کا...... رانی سروجنی دیوی کو روپے پیسے کی کمی کبھی نہ ہوئی...... ہاں دوسرے مسائل ضرور تھے جو کبھی کبھی ان کے بس سے باہر ہو جاتے تھے، اسی میں ایک مسئلہ تینوں بیٹوں کی پرورش کا تھا...... راجہ کے بیٹے تھے، مزاج راجاؤں جیسے تھے اور رنگ ڈھنگ بھی وہی...... سروجنی دیوی ان کا بچپن سنبھالنے میں ہی کامیاب نہ ہو سکی تھیں، جوانی کیا سنبھالتیں...... ایک سے ایک آگے تھا...... ماں کی عزت سبھی کرتے تھے لیکن مزاج کی رنگینیوں کی نگرانی سروجنی دیوی کہاں کرتیں......

چنانچہ تینوں کی داستانیں دبی زبانوں کے ذریعہ ان تک پہنچتی رہتی تھیں اور وہ دل مسوس کر رہ جاتی تھیں...... بھلا ہو دھرپت رائے کا کہ انہوں نے ان کی مشکل کا حل پیش کر دیا...... پہلا شکار راگھو راج جی ہوئے...... دھرپت رائے کے دوست کی بیٹی کرن وتی کچھ اس طرح راگھو راج کے سامنے آئی کہ وہ دل پکڑ کر بیٹھ گئے...... اسے پورے پلان کے ساتھ صرف راگھو راج کے سامنے پیش کیا گیا تھا...... ورنہ اگر تینوں ہی دل پکڑ کر بیٹھ جاتے تو سروجنی دیوی کو سر پکڑ کر بیٹھنا پڑتا...... پھر اس وقت تک کرن وتی کو کسی دوسرے کے سامنے نہ لایا گیا جب تک راگھو راج سے ان کے پھیرے نہ ہو گئے......

بڑی بھابی ماں سمان تھی دیوروں نے پاؤں چھوئے تو اتنے چھوئے کہ دوسروں نے انہیں ہٹایا...... تب کہیں پاؤں سے ہاتھ ہٹے...... کرن وتی البتہ سمجھدار تھی، پہلے ہی دن دیوروں کے رنگ ڈھنگ بھانپ گئی...... دوسروں کو تو اندازہ نہیں ہو سکا کہ پاؤں کے ساتھ پنڈلیاں بھی چھوئی گئی ہیں، لیکن اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا، چنانچہ زبان کھلتے ہی اس نے دیوروں کو سمجھانا شروع کر دیا کہ بڑی بھابی اور ماں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

"تم کچھ بھی کہو بھابی جی اس سمے تک خطرے میں رہو گی جب تک ہمارے لئے بھی اپنی جیسی ہی نہ لے آؤ...... گووند راج نے صاف کہہ دیا۔

"یہ میری ذمہ داری ہے...... دیپ نہ جلا دوں اس گھر میں تو کرن وتی نام نہیں اور کرن وتی نے سچ مچ گھر میں منورما کا چراغ روشن کر دیا...... منورما بہت خوبصورت تھی، لیکن وہ مزاج میں کرن وتی جیسی نہ نکلی...... اس نے سب کے رشتے رشتوں کی طرح نبھائے...... ساس کو ساس سمجھا...... آخر وہ ساس تھی ماں کیسے بن جاتی...... جٹھانی بھی جٹھانی تھیں برابر کے حق والی بڑی تھیں تو کیا ہوا...... بس اتنی ہی عزت کی جا سکتی تھی جتنی جائز ہو اور اس جائز کا تعین منورما نے خود کیا تھا...... چالاک تھی کھونٹ دبا لیا اور کچھ دن کے بعد ہی گووند راج منورما کی زبان بولنے لگے...... گھر میں تھوڑا سا کھچاؤ پیدا ہو گیا

تھا...... رتن راج البتہ ابھی تک کھلا بیل تھا اور گھر میں دو دو سندر بھابیوں کے آ جانے سے کچھ زیادہ ہی سینگ مارنے لگا تھا...... سروجنی دیوی اس بیل کی گردن میں بھی رسہ باندھ دینا چاہتی تھیں...... کرن وتی کے لئے منورما کا تجربہ کچھ بہتر نہ رہا تھا، اس لئے اب وہ بڑھ چڑھ کر بات نہیں کرتی تھی ہاں گھر کو اپنا گھر سمجھتی تھی اور اس کی عزت بنائے رکھنا چاہتی تھی، لیکن یہ سب کچھ اسی کی ذمہ داری ہی تو نہیں تھی...... منورما کی بے نیازی دیکھ کر وہ بھی منہ سکوڑ لیتی تھی...... یوں منورما کے آ جانے سے حالات کچھ بگڑ گئے تھے۔

سروجنی دیوی جہاندیدہ تھیں، اچھے برے کی پہچان رکھتی تھیں اور صورت حال کا گہری نگاہ سے جائزہ لینا جانتی تھیں...... چنانچہ انہوں نے دونوں بہوؤں کا موازنہ بخوبی کر لیا تھا...... بہوؤں کا مزاج اپنی جگہ لیکن بیٹوں میں تفریق نہیں کر سکتی تھیں...... سب کو ایک نگاہ سے دیکھنا ہوتا تھا...... اس سلسلے میں کچھ اُلجھن ضرور ہو گئی تھی لیکن تجربہ برا نہیں تھا...... کرن وتی آئی تو ذمہ داریاں کم ہو گئیں، کافی کام کرن وتی نے سنبھال لئے، یہاں تک کہ گووند راج کی شادی میں بھی کرن وتی کا کردار قابل تحسین رہا...... گو اس گھر میں پرانی نہیں تھی لیکن کیا مجال جو کسی کو احساس ہوا ہو...... پھر راگھو راج بھی ہوش میں آ گیا تھا...... مونچھوں کا اسٹائل بدل گیا، آنکھوں سے کاجل نکل گیا...... ہونٹوں پر پان کی دھڑی لٹ گئی، منہ سے الائچی کی خوشبو اڑ گئی، کرن وتی شوہر کو سنبھالنا جانتی تھی...... کرن وتی نے راگھو راج کو سنبھال لیا، اس کے بعد دونوں کا امتحان تھا، گوند جی بھی پورے تھے...... تھوڑے دن کے بعد آدھے رہ گئے، تانک جھانک ختم ہو گئی...... مصاحبوں کے وظیفے بند ہو گئے۔ منورما کی وجہ سے بہت سے بیروزگار ہو گئے تھے...... حویلی کا پچھلا دروازہ بند ہو گیا جہاں سے مصاحبیں کرائے کی بہنوں کے بھائی بن کر آتے تھے اور منہ مانگا پاتے تھے...... البتہ رتن راج ان مدافعتوں سے چراغ پا ہوئے تھے۔

"یہ سب تو ٹھیک نہیں ہے بھیا جی"۔

"کیا ہوا رتن؟" راگھو راج نے پوچھا۔

"بھابی جی نے پچھلے دروازے میں کیلیں ٹھکوادی ہیں"۔

"یار وہ...... اسے پتہ چل گیا ہے...... راگھو راج نے آہستہ سے کہا۔

"پتہ تو ماتا جی کو بھی چل گیا تھا" رتن بولا۔

"ان کی بات اور تھی...... کرن بہت چالاک ہے، وہ بہروپیا بس مجھ سے ملنے آگیا تھا...... مالنی بھی ساتھ تھی میرا سر پھوٹتے پھوٹتے رہا ہے...... راگھو راج نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"اپنا سر ضرور سنبھالئے بھیاجی مگر میرے راستے بند کئے تو اچھا نہ ہوگا۔

"اور اگر پچھلا دروازہ کھلا تو بھی اچھا نہ ہوگا...... کرن وتی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا"۔

"وہ بھابی جی بس...... ذرا دوستوں کی سبھا جم جاتی ہے...... رتن نے نظریں جھکائے ہوئے کہا"۔

"دیکھو دیور جی...... اسے بھگوان کی کرپا کہو یا کچھ اور...... تمہارے گھر میں کوئی بہن نہیں تھی اس لئے پچھلے دروازے کی بدنامی سے بچے رہے...... لوگوں کی زبان کون روکتا، کوئی کچھ بھی کہہ سکتا ہے...... چھ چھ فٹ کے ہو، شیر جیسے گلے چھاتیاں رکھتے ہو برداشت کرلوگے؟"۔

"کسی کی مجال ہے؟ان کی غیرت جاگ اٹھی۔

"مجال کرنے والے مجال کرڈالتے ہیں بعد میں چاہے ان کی زبان نکال کر ہاتھ پر رکھ دو، اس لئے میری مانو تو پچھلا دروازہ بند ہی رہنے دو...... کرن وتی نے کہا اور رتن راج خاموش ہوگیا"۔

البتہ پچھلا دروازہ بند ہونے کے اثرات برے ہوئے...... "رتن راج نے

دوسرے بہت سے دروازے کھول لئے اب وہ حویلی میں کم نظر آتا تھا اور اس کے اخراجات پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئے تھے۔

سروجنی دیوی نے دبی زبان میں کرن وتی سے کہا۔

"بھوان کے بارے میں کچھ نہ سوچو گی"۔

اور کیا سوچوں ماتا جی؟

"اندھی میں بھی نہیں ہوں مگر بیٹی کسی کے دوش کی سزا کسی کو نہیں دی جاتی...... رتن بگڑتا جارہا ہے کچھ ہوگیا تو بات سب پر آئے گی"۔

کرن وتی کا دل پگھل گیا...... دیورانی سے بددل تھی...... واقعی ساس کا قصور نہیں تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ساس جی کو احساس تھا کہ جس چاہ سے منورما کو بیاہ کر لائی تھی اس کا احساس نہ منورما نے مانا تھا نہ گووند راج نے...... خود من مانی کرتی تھی اور اگر اس میں کوئی مدافعت کی جاتی تو گووند اس کا ساتھ دیتا۔

"کوئی سدھ کی ملے بھی تو ماتا جی...... اوپر سے کچھ ہوتی ہیں اندر سے کچھ"۔

"تلاش تو کرو بیٹی رتن راج کا گھر بھی سنبھل جائے تو میری چھٹی ہو جائے...... یاتراؤں کو جانا چاہتی ہوں پر من مار کر رہ جاتی ہوں۔

"کوشش کروں گی ماتا جی...... آپ زیادہ چنتا نہ کیا کریں...... صحت خراب ہوتی جارہی ہے"۔

"بڑی کٹھناؤں میں جیون بتایا ہے، تب کہیں جا کر تم لوگوں کی صورت دیکھی ہے، آخری کام اور ہو جائے تو سمجھوں گی"۔

"بھگوان نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا...... کرن وتی نے کہا اور فیصلہ کرلیا کہ اب ان کے لئے بھی کچھ کرنا ہی پڑے گا۔

”رتن راج ہر دوسرے تیسرے مہینے مر جاتا تھا...... اس ماہ وہ سندوری پر مر مٹا تھا اور اس نے سندوری کی تقدیر بدل دی تھی، وہ سب کچھ مل چکا تھا سندوری کو جو اس نے خوابوں میں بھی نہیں دیکھا تھا...... رتن راج کی دوستی ایسی ہی ہوتی تھی...... ہریش نے گورنام سے ملایا تھا اور گورنام نے اپنی بہن سندوری سے...... بھائی بہن کہیں باہر سے آئے تھے، پڑھے لکھے تھے اور دوست بنانے کا فن جانتے تھے...... رتن راج جیسے شخص کی دوستی کون نہ چاہتا...... دونوں نے اپنی کہانی رتن راج کو سنائی تھی اور سمجھے تھے کہ رتن راج اس کہانی سے متاثر ہو گیا ہے، لیکن رتن راج سندوری سے متاثر ہوا تھا...... ہریش رازدار تھا...... گورنام کو بہلا پھسلا کر نت نئے بہانوں سے کہیں اڑا لے جانا اس کی ذمہ داری تھی اور بھائی کی غیر موجودگی میں بہن کا خیال رکھنے کی ذمہ داری رتن راج نے سنبھال لی تھی...... سندوری نے جاہل لڑکیوں کی طرح نخرے نہ کئے اور کھل کر رتن راج کے مردانہ حسن کی تعریف کی تو رتن راج کی مشکل آسان ہو گئی...... بات سندوری کی دل لبھانے والی باتوں سے بڑھ کر اس کے چم چم جیسے ہونٹوں تک پہنچی اور پھر اس کے رسیلے پن تک آ گئی...... کنواری کلیوں کے امرت کا رسیا رتن راج اس امرت کے حصول کے لئے کیا کچھ نہ کر سکتا تھا اور جو کچھ اس سے بن پڑا اس نے کیا...... گورنام بے وقوف اسے صرف دوستی سمجھ رہا تھا لیکن...... ہریش نے

انکشاف کیا کہ بے وقوف گورنام نہیں ہے بلکہ ہم بے وقوف بن گئے...... سندوری گورنام کی بہن نہیں محبوبہ ہے اور وہ دونوں رتن راج کا دیا بٹور کر فرار ہو رہے ہیں...... رتن راج پاگل ہو گیا...... اسے اپنے دیئے کی فکر نہ تھی، ایسا ایسا تو نہ جانے وہ کس کس کو دے چکا تھا...... اسے بس سندوری کے نکل جانے کا غم تھا...... ابھی وہ سندوری سے سیراب نہیں ہوا تھا، چنانچہ دونوں کے پیچھے دوڑ پڑا...... ہریش نے بروقت اطلاع دی تھی لیکن رتن راج جب ریلوے اسٹیشن پہنچا ریل چھوٹ چکی تھی...... رتن راج کا غصہ مشہور تھا...... جس کے پیچھے پڑ جاتا اس کے لئے جان کی بازی لگا دیتا، چنانچہ موٹر ریل کے پیچھے دوڑ پڑی...... گوادر اسٹیشن بہت دور تھا لیکن رتن راج کو اس کی پرواہ نہیں تھی...... موٹر سفر کرتی رہی لیکن راستے اچھے نہ تھے اور پھر وہ غصے میں اندھا ہو رہا تھا، چنانچہ وہی ہوا جس کا خطرہ تھا...... ایک موڑ کاٹتے ہوئے موٹر کا ٹائر برسٹ ہوا اور وہ لڑھکنیاں کھاتی ہوئی گہرائی میں جا گری...... رتن راج کے کئی چوٹیں لگی تھیں لیکن وہ کسی نہ کسی طرح موٹر سے باہر نکل گیا...... جاندار آدمی تھا چھوٹی چھوٹی چوٹیں لگی تھیں، چنانچہ تھوڑی دیر تک وہ موٹر سے کچھ فاصلے پر بیٹھا رہا...... موٹر کافی حد تک تباہ ہو گئی تھی...... اسے سیدھا کرنا اور چلا کر لے جانا ناممکن تھا، چنانچہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا...... کوئی ایسی جگہ نظر آ جائے جہاں سے کوئی سہارا مل سکے، لیکن سہارا اس کے قریب ہی موجود تھا...... چھوٹی سی ندی تھی جس کے کنارے پر بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے...... ہنسی کی ایک مدھم سی آواز اس کے کانوں میں اُبھری تو وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا...... پتھر پر بیٹھی وہ کوئی جل پری ہی معلوم ہو رہی تھی...... گڑیا جیسا بدن، سفید سفید سڈول ہاتھ پاؤں، انتہائی حسین چہرہ اور ہنسی تو قیامت کی تھی...... یوں لگتا تھا جیسے ساری کائنات ہنس رہی ہو، وہ اپنی چوٹیں بھول کر اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے رہ گیا، وہ اسی کی طرف دیکھ کر ہنس رہی تھی...... چند لمحات وہ ساکت کھڑا اس

جل پری کو دیکھتا رہا، پھر کس قدر لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا اور وہ پتھر سے نیچے کود گئی...... رتن راج نے قریب سے اسے دیکھا تو وہ اور حسین محسوس ہوئی...... سترہ اٹھارہ سال کی عمر ہو گی لیکن بچوں جیسی معصومیت اس کے چہرے پر کھیل رہی تھی...... پھر اس نے شوخی سے کہا"۔

"موٹر میں بیٹھ کر کبڈی کھیل رہے تھے بابو جی...... اس کے ساتھ ہی وہ ہنس پڑی...... یونہی ایک قیامت تھی، ذہن کو نجانے کہاں کہاں لے جاتی تھی...... سندوری کا تصور ہی دماغ سے نکل گیا...... اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی"۔

"ہاں...... مگر موٹر نے کبڈی میں میرا ساتھ نہیں دیا"۔

"ٹنگڑیاں ٹوٹ گئی ہوں گی"۔

"اور تم بیٹھی ہنس رہی ہو...... وہ شکایتی لہجے میں بولا"۔

"لو ہم کیا کریں...... کوئی ہم نے تمہاری موٹر گرائی اس نے معصومیت سے کہا"۔

"کم از کم ہماری چوٹیں تو دیکھ سکتی ہو...... دیکھو جگہ جگہ خون نکل آیا ہے...... رتن راج نے اپنے بدن کی چوٹیں اس کے سامنے کر دیں اور وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی"۔

"ہائے رام...... یہ تو واقعی خون نکل آیا...... اب ہم کیا کریں...... اس نے جیسے خود سے سوال کیا"۔

"ندی کے پانی سے میرے زخم صاف کر دو اور ان پر پٹی باندھ دو"۔

"ہاں یہ تو ہم کر سکتے ہیں اس نے چابی کی گڑیا کی طرح گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر سب کچھ بھول کر وہ رتن راج کی چوٹوں کی طرف متوجہ ہو گئی...... اپنی اوڑھنی کی پٹیاں پھاڑ پھاڑ کر اس نے پانی میں بھگوئیں اور رتن راج کی کہنی اور گھٹنوں پر کس دیں، اپنے اس کارنامے پر وہ جیسے فخر سے پھولی نہیں سما رہی تھی لیکن رتن راج کی نگاہیں اس کے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں...... کمال کا حسن تھا الہڑ، سادہ اور معصوم وہ اس حسن پر

فریفتہ ہو گیا یہ تو اس کی سرشت تھی، بھلا اس حسین پھول کو وہ کیسے نظرانداز کر سکتا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا"۔

"تمہارا نام کیا ہے سندری"۔

"ایں...... وہ جیسے چونک پڑی، جیسے اسے یاد ہی نہ رہا کہ اب تک وہ کیا کرتی رہی ہے، جیسے اسے احساس ہی نہ ہوا کہ کتنی قریب بیٹھی تھی...... وہ رتن راج کے سہمے ہوئے سے انداز میں وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی اور اپنی حسین آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی"۔

"کیا ہم بھوت لگتے ہیں تمہیں...... رتن راج نے پوچھا وہ اسے دیکھتی رہی پھر آنکھوں کی کیفیت بدلی، چہرے کے نقوش بدلے اور اس کے بعد وہی دلآویز ہنسی جو کائنات پر محیط ہو جاتی تھی، اب وہ رتن راج سے خوفزدہ نہیں تھی"۔

"بھوت تو نہیں لگو ہو...... پر ہو کون"۔

"رتن ہے ہمارا نام...... تم نے ابھی اپنا نام ہی نہیں بتایا"۔

"کنول ہیں ہم"۔

"سچ مچ اسی ندی میں کھلی ہو تم...... رتن راج نے ندی کی طرف اشارہ کر کے کہا"۔

"نہیں...... نہیں ہم تو...... ہم تو، اس نے کہا اور پھر شرما گئی"۔

"باپو کا نام ہردواری لال ہے، پٹواری ہیں پورے گاؤں کے اور ہماری بستی کا نام کپیا ہے سمجھے"۔

"سمجھ گیا، کہاں ہے تمہاری کپیا رتن راج نے مسکراتے ہوئے کہا"۔

"لو وہ کہاں رہی...... وہ سامنے دیکھو ذرا اتنی بڑی آنکھیں ہیں ہماری کپیا نہیں نظر آتی"۔

"نظر آ گئی...... نظر آ گئی...... رتن راج گردن اٹھا کر تھوڑی سی گہرائی میں بسی

ہوئی اس بستی کو دیکھتا ہوا بولا جس پر ابھی تک اس کی نگاہ نہیں پڑی تھی پھر اس نے کہا"۔

"ہمیں اپنی بستی نہیں لے جاؤ گی، مہمان ہیں تمہارے، کچھ خاطر مدارت نہیں کرو گی"۔

"نا بابا نا سب ہم سے پوچھیں گے کہ تم کون ہو تو ہم کیا جواب دیں گے"۔

"ارے کیا تم مجھے انسان نہیں سمجھتیں"۔

"وہ تو ہو...... پر ہمارے تو کوئی نہیں ہو، اس نے سادگی اور معصومیت سے کہا اور رتن راج کے ذہن میں نجانے کیوں بجلی سی کوند گئی...... یہ جملے بڑے عجیب تھے، ہمارے تو کوئی نہیں ہو اور وہ سوچنے لگا کہ میں اس کا کون ہو سکتا ہوں اور پھر اس کے ذہن نے کچھ عجیب سی قلابازیاں کھائیں، وہ مسکرانے لگا...... بس دماغ ہی جو تھا نجانے کیوں اسے یہ احساس ہوا کہ کنول آج تک ملنے والی ان تمام لڑکیوں سے مختلف ہے جو اس کی زندگی میں آتی رہی ہیں...... کنول کا یہ پھول مسل کر پھینک دینے کے لئے نہیں ہے بلکہ اسے حفاظت سے رکھا جانا چاہئے...... اس نے اپنے بازوؤں کو دیکھا، اپنے سینے کی چوڑائی کو ناپا...... گڑیا جیسی کنول اس کے وجود میں چھپ سکتی تھی، تب اس نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا"۔

"اچھا ٹھیک ہے اب تمہارے کچھ بن کر ہی تمہاری بستی میں آئیں گے"۔

"ہم سمجھے نہیں"۔

"سمجھادیں تمہیں"۔

"پتہ نہیں...... وہ آہستہ سے بولی اور ہنس پڑی، اس کی یہ ہنسی اس کے حسن کی ضمانت دلاتی تھی اور یہ احساس دلاتی تھی کہ یہ حسن فنا نہیں ہو سکتا...... یہ پائیدار ہے اور اس کی اہمیت اپنا ایک الگ وجود رکھتی ہے...... تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد

اس نے کہا"۔

"کنول رانی تمہارا مل جانا واقعی میری زندگی میں ایک حادثے کی حیثیت رکھتا ہے"۔

"کنول رانی نہیں ہوں میں، صرف کنول ہوں"۔

"مگر ہم تمہیں رانی ہی کہیں گے"۔

"لو اچھی رہی، اگر کہو تو راجکماری کہو ابھی رانی کیوں کہتے ہو"۔

"اس لئے کہ میں اس راجکماری کو رانی بناؤں گا"۔

"تم...... وہ بولی اور پھر ہنس پڑی"۔

"ہاں میں"۔

"کیسے بناؤ گے"۔

"بس بہت بڑا جوگی ہوں میں، بہت بڑا جوتشی بھی ہوں جو کہہ دیتا ہوں وہ ہو جاتا ہے"۔

"لو اب تم جوگی بن گئے...... چمٹا نہ کمنڈل، نہ داڑھی، نہ جٹائیں پھر بھی جوگی ہو تم"۔

"ہاں...... بڑے مہمان سادھو ہیں ہم اور جب ہم تم سے یہ کہہ دیں کہ تم رانی بن جاؤ گی تو سمجھ لو تمہیں رانی بننے سے کوئی نہیں روک سکتا، وہ پھر بچوں کی طرح ہنس پڑی اور رتن راج اسے دیکھنے لگا...... پھر آہستہ سے بولا"۔

"ہم واپس جارہے ہیں...... زیادہ دیر نہیں رُک سکتے تمہارے پاس جی تو چاہتا ہے کہ بہت سے تمہارے پاس رہیں پر یہ اس وقت ٹھیک رہے گا جب تم رانی بن جاؤ...... وہ ایک لمحے کے لئے خاموش سی ہو گئی پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا"۔

"کچھ کھلا پلا بھی نہیں سکے ہم تمہیں، کیا کھلائیں ہماری بستی تو دور ہے اور یہاں کچھ بھی نہیں ہے"۔

"تم نے محبت سے میرے زخموں پر پٹیاں باندھی ہیں...... یہ پٹیاں میں اپنے پاس محفوظ رکھوں گا......رتن راج نے کہا اور پھر پلٹ کر اپنی موٹر کے پاس پہنچ گیا، وہ اس کے ساتھ ساتھ ہی موٹر تک آئی تھی...... رتن راج نے مایوسی سے ہونٹ سکوڑے اس موٹر کو سنبھال کر لے جانا، اب ناممکنات میں سے تھا...... بس یہی کہا جا سکتا تھا کہ پہلے سڑک اور پھر ریلوے لائن پر پہنچ جائے اور اس کے بعد اپنے علاقے کا سفر کرے یا ہو سکتا ہے سڑک پر ہی کوئی سواری مل جائے جو اسے اس کی بستی میں چھوڑ دے...... اس نے کنول کی طرف دیکھا اور بولا"۔

"ہم نے اپنی تاریخ بدل دی ہے کنول رانی سمجھیں، لیکن وہ کچھ نہ سمجھ پائی، البتہ رتن کو جاتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں اُداس لکیریں اُبھر آئی تھیں"۔

منور ما کو بھی گھر میں وہی حیثیت حاصل تھی جو کرن وتی کو بس تھوڑا سا فرق تھا...... منور ما اپنے آپ کو لئے دیئے رہتی تھی جبکہ کرن وتی کے طور طریقے اب بھی پہلے ہی جیسے تھے، یہی وجہ تھی کہ گھر کے لوگ اس سے کچھ زیادہ بے تکلف تھے، چنانچہ رتن راج سیدھا کرن وتی کے پاس ہی پہنچا تھا...... کرن وتی کچھ کام کر رہی تھی...... رتن راج کو آتے نہ دیکھ سکی اور اس وقت چونکی جب رتن راج نے جھک کر اس کے چرن چھوئے...... رتن کو دیکھ کر وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی تھی، پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا"۔

"اے......اے ہوش میں آؤ پاگل ہی ہو گئے ہو"۔

"جئے بھابی جی کی...... آپ کے چرنوں کے نیچے سورگ ہے......اس سورگ کو کیسے چھوڑ دو"۔

"چرنوں کے نیچے ہے پنڈلیوں کے نیچے نہیں...... تمہارے ہاتھ ہمیشہ چرنوں کے بجائے پنڈلیوں تک ہی پہنچتے ہیں...... کرن وتی نے مسکرا کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا"۔

"اوہ...... کیا کروں بھابی جی انسان کو ایک بار بری عادتیں پڑ جائیں تو چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے"۔

"اچھا......اچھا بکو نہیں بری عادتیں جب من چاہے چھوڑی جا سکتی ہیں"۔

"تو چھڑا دیجئے نا یہ تو آپ کے ہاتھ کی بات ہے"۔

"بھگوان کی سوگند میں تو تمہیں ایسا بنا دینا چاہتی ہوں کہ لوگ تمہاری طرف دیکھیں اور انگلیاں اٹھا کر کہیں کہ دیکھو وہ رتن راج جا رہے ہیں"۔

"تو بتا دیں نا بھابی جی منع کس نے کیا ہے"۔

"مانتے ہو کبھی کسی کی"۔

"کوئی ہماری مانتا ہو تو ہم بھی اس کی مانیں"۔

"یہ تو کوشش کرنے سے ملتا ہے دیور جی"۔

"ہم تو کوشش کر رہے ہیں...... دینا نہ دینا آپ کا کام ہے"۔

"کیا چاہئے تمہیں...... کرن وتی نے مسکراتے ہوئے کہا"۔

"کنول...... کنول رانی"۔

"لو اب اگر وہ کسی تالاب میں اُگی ہے تو میں کیسے لا کر دے سکتی ہوں...... کرن وتی نے کہا"۔

"نہیں بھابی جی وہ تالاب میں نہیں بستی کپیا میں اُگی ہے"۔

"سچ کہہ رہے ہو؟"۔

"تمہارے پاس آنے کا مطلب ہی یہ ہے"۔

"کیا چاہتے ہو؟"۔

"بس بھابی جی چاہتا ہوں کہ میں بھی دونوں بھائیوں کی طرح گھر والا بن کر رہوں"۔

"بھگوان کی سوگند اگر تمہارے من میں ایسی کوئی بات ہے تو مجھ سے زیادہ خوشی کسی اور کو نہیں ہو سکتی...... بتاؤ جلدی بتاؤ کون ہے وہ کہاں رہتی ہے اور تم سچ سچ کہہ رہے ہو یا مذاق کر رہے ہو مجھ سے"۔

"جیون میں پہلی بار ہی تو تم سے مذاق نہیں کر رہے بھابی جی...... اسے بھی مذاق سمجھ لیا تو ایسا جیون کالا ہو کر رہ جائے گا"۔

"تو کچھ منہ سے تو بولو بھیا جی...... کون ہے وہ"۔

"کہا نا کنول رانی...... کپیا گاؤں میں رہتی ہے ہردواری لال پٹواری کی بیٹی ہے...... چھوٹا موٹا پٹواری ہوگا کیونکہ چھوٹی موٹی بستی میں رہتا ہے مگر کنول جھیل میں اُگی ہوئی ہے اور اس میں کوئی چیز چھوٹی نہیں ہے"۔

"اوہو...... اچھا ذرا سی دقت ہو جائے گی مگر بھابی جی کے پاس آئے ہو تو نراش نہیں ہو گے"۔

"جئے ہو بھابی جی کی رتن راج نے نعرہ لگایا اور پھر آہستہ سے بولا"۔

"جلدی جواب دینا"۔

"ہاں ہاں...... بس اب بھاگ جاؤ یہاں سے کام کر رہی ہوں...... رتن راج مسکراتا ہوا چلا گیا...... کرن وتی کو صبر کہاں تھا فوراً ہی سروجنی دیوی کے پاس جا پہنچی اور ساری کتھا سنا دی...... سروجنی دیوی پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی تھیں، پھر وہ بولیں"۔

"گھر اچھا ہے لڑکی اچھی ہے تو آگے قدم بڑھا دو کرن وتی میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ یہ بھی سیدھا ہو جائے اور میں یاتراؤں کو چلی جاؤں...... دیکھ لو ہمیں دھن دولت کی پرواہ نہیں ہے...... بس ہم اپنے گھر میں اچھے انسانوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں...... سروجنی دیوی مزید کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئیں...... پروگرام طے کیا گیا اور اس کے بعد دو آدمی بھیج کر کپیا کے ہردواری لال کو طلب کر لیا گیا...... ہردواری لال کے لئے یہ گھرانہ اجنبی نہیں تھا...... مہاراج موہن راؤ کو سب ہی جانتے تھے...... کپیا ان کی ملکیت نہیں تھی، لیکن ان کے احسانات سبھی پر تھے...... ہردواری لال ہاتھ

جوڑے ہوئے سروجنی دیوی کے سامنے پہنچ گیا اور سروجنی دیوی نے مسکرا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا..... کرن وتی بھی موجود تھی"۔

"ہردواری لال جی یہ میری بڑی بہو کرن وتی ہے..... چھوٹی بہو منورما کو میں ابھی بلاتی ہوں، ان سب سے تمہیں ملا کر یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اس حویلی کی ریت رواج انسانوں جیسے ہیں اور ہمارے من میں بھگوان کی دیا ہے، ابھی انسانیت موجود ہے، ہم اس گھر کو پھولوں سے سجا دینا چاہتے ہیں..... تین بیٹے ہیں میرے..... دو کی شادیاں کر چکی ہوں میں..... تیسرا رتن راج ہے جس کی شادی کے لئے میری آنکھیں بہو کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں..... یہ نہ پوچھنا کہ میں نے تمہاری بیٹی کو کب اور کہاں دیکھا، لیکن کنول کو میں اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں..... تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا، ہردواری لال جی..... پٹواری کی آنکھیں حیرت سے پھیلی کی پھیلی رہ گئیں..... کہاں یہ حویلی اور کہاں وہ..... کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی..... سروجنی دیوی کی صورت دیکھتا ہوا بولا"۔

"مہارانی جی کیا کہہ رہی ہیں آپ، میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا..... "کہاں راجا بھوج..... اور کہاں گنگو تیلی..... یہی کہیں گے نا آپ ہردواری لال جی یہ بات اب بہت پرانی ہو گئی ہے..... اس دور میں نا راجہ بھوج ہے اور نہ گنگو تیلی..... سارے انسان بستے ہیں اس سنسار میں اور تھوڑے دن کی بات جا رہی ہے کہ سب ہی ایک جیسے ہو جائیں گے..... پھر کوئی گنگو تیلی راجہ بھوج کے سامنے ہاتھ جوڑ کر نہ کھڑا ہوگا..... ہم برابری کی بنیاد پر آپ کی بیٹی کا رشتہ مانگ رہے ہیں..... سویکار کر لیں گے تو احسان مانیں گے آپ کا"۔

"احسان تو آپ کا ہے بہو رانی جی آپ نے اس غریب کی کٹیا سے اپنی حویلی کے لئے چراغ چنا ہے..... غریب کی تو خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں ہوگا"۔

"اگر تمہیں منظور ہے ہردواری لال جی تو پھر ہم باقاعدہ کارروائی کریں"۔

"ہردواری لال تو یہ سمجھتا ہے کہ اس کی کسی نیکی کا پھل اسے سنسار ہی میں مل گیا..... میں دل سے تیار ہوں اور اس کے بعد بھلا رتن راج کو جھیل کنول اپنی حویلی میں سجانے میں کیا دقت ہو سکتی تھی..... کنول رانی، راجکماری سے رانی بن گئی..... رانیوں ہی کی طرح گھر میں لائی گئی..... ہردواری کی حیثیت بھلا دی گئی تھی..... سروجنی دیوی بھی اس معصوم چہرے کو دیکھ کر خوش تھیں..... کرن وتی بھی خوش تھی..... منورما کبھی اپنی خوشی کا اظہار کسی پر نہیں کرتی تھی..... سارے کاموں میں وہ بھی شریک رہی لیکن اوپری دل سے..... رتن راج نے کنول کا گھونگھٹ الٹا تو کنول کے منہ سے آہستہ سے نکل گیا"۔

"ہائے رام"۔

"کہو کنول رانی اب تو تم ہمیں رشی منی مانو گی کتنے بڑے گیانی ہیں ہم جو کہا تھا وہ پورا ہو گیا..... رانی بنا دیا تمہیں"۔

"ہائے رام..... کنول کے منہ سے آہستہ سے نکلا"۔

"جواب نہیں دو گی ہماری بات کا"۔

"ہائے رام..... ہائے رام کنول نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھک لیا"۔

"دھت تیرے کی..... رام رام کئے جا رہی ہو..... ہماری طرف بھی تو دیکھو..... رتن راج نے اسے گدگدایا اور کنول ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی..... رتن راج اسی ہنسی پر مر مٹا تھا اور یہی ہنسی اس وقت چاہتا تھا۔

✡

منورما کے یہاں بیٹا پیدا ہو گیا اور دونوں پتی پتنی کی خوشی کی انتہا نہ رہی......
سروجنی دیوی بھی پوتے کو پا کر خوشی سے پاگل ہو گئی تھیں...... ہردوار جانے کی تیاریاں
کر رہی تھیں...... پوتے کے آنے کی خوشی میں کچھ دن رُک گئیں...... منورما اب بہت
زیادہ اترانے لگی تھی اور گووند راج اپنے آپ کو سب سے برتر سمجھنے لگا تھا...... ویسے
بھی بیویوں کے آجانے کے بعد بھائیوں میں وہ یگانگت نہیں رہی تھی جو کبھی تھی......
رتن راج تو سدا کا سرکش تھا...... اپنی پسند کی چیزیں حاصل کرنا اور حاصل کرنے کے
بعد انہیں بھول جانا اس کا مشغلہ تھا...... ابتداء میں تو کنول میں کھویا رہا اور جب کنول کی
منہ بند کلی پھول بن کر مہکنے لگی تو رتن راج کو کسی اور کلی کی تلاشی ہو گئی اور دوست
سلامت تھے، بھلا اس تلاش میں دقت کیسے ہو سکتی تھی...... اگر کنول بھی اسے کسی
آسان راستے سے حاصل ہو سکتی تو شاید وہ شادی بیاہ جیسے جھگڑے میں کبھی نہیں پھنستا،
لیکن کنول آسانی سے حاصل ہو جانے والی نہ تھی، چنانچہ اس کے لئے اس نے دوسرا
راستہ اختیار کر لیا، البتہ یہ دوسرا راستہ اس کے اور راستے نہیں روک سکا تھا نہ ہی بیچاری
معصوم سی کنول میں وہ صلاحیتیں تھیں جن صلاحیتوں کی بنا پر کرن وتی اور منورما نے
اپنے اپنے شوہروں کی ناک میں نکیل ڈال دی تھی اور اب آسانی سے ان کی مہار
پکڑے پکڑے چلتی تھیں...... کنول کو بس گھر کے کاموں سے دلچسپی تھی...... ہر ایک

کے کام آنے والوں میں سے تھی، لیکن دونوں ہی بہوئیں یہ نہیں بھول سکی تھیں کہ وہ
ان کے پلے کی نہیں ہے اور ایک معمولی سے پٹواری کی بیٹی ہے...... تہواروں پر بھی
اس کا احساس ہوتا تھا...... کرن وتی اور منورما کے گھر سے سوغاتیں آتی تھیں، لیکن
ہردواری لال بے چارہ اپنی بساط بھر چیزیں لے کر آتا اور اس کی کوئی پذیرائی نہ
ہوتی...... سروجنی دیوی چونکہ چلی گئی تھیں اس لئے حالات میں کچھ اور تبدیلیاں پیدا
ہو گئی تھیں...... کرن وتی کو چونکہ منورما نے کافی بددل کر دیا تھا اس لئے اب وہ بھی گھر
کے معاملات میں زیادہ نہیں گھستی تھی...... سب سے زیادہ بری حالت کا شکار کنول تھی،
نہ اسے شوہر کی توجہ حاصل تھی نہ میکے کی طرف سے مضبوط تھی اور نہ گھر کی طرف
سے اسے کوئی حیثیت حاصل تھی...... دونوں بھابیوں کے رحم و کرم پر تھی...... کرن
وتی تو خیر اپنی ذات سے اتنی بری نہیں تھی لیکن چالاک منورما طرح طرح سے کرن
وتی کو کنول سے بددل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی اور اس کوشش میں کسی حد تک
کامیاب ہو گئی تھی...... کرن وتی کو یہ بھی احساس تھا کہ منورما ماں بن گئی ہے اور وہ ابھی
تک؟ لیکن کچھ عرصے کے بعد اس کا یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا...... اس سلسلے میں تورا گھو
راج نے بھی کرن وتی سے بات کی تھی اور کہا تھا کہ وہ ابھی تک باپ نہیں بن سکا، اسے
شرم سی آتی ہے...... پھر کرن وتی کے یہاں دو جڑواں بیٹے پیدا ہوئے تورا گھو راج کے
قہقہے آسمان سے باتیں کر رہے تھے، اس نے ہنستے ہوئے گووند راج سے کہا"۔

"بھیا جی تم نے تو ہمیں نکما ہی سمجھ لیا تھا...... اب ہم ٹھہرے ذرا ٹھنڈا کر کے
کھانے والے، کمی نہیں ہے ہمارے اندر دیکھ لو...... دو سالوں کی کسر پوری کر دی ہم
نے...... ارے ہاں کون بار بار بازار جاتا رہے...... ایک ہی بار ضرورت کی چیزیں خرید
لینا اچھا ہوتا ہے...... گووند راج ہنس کر خاموش ہو گیا تھا...... بہر طور یوں گاڑی چل
رہی تھی اور حویلی میں طرح طرح کی دلچسپیاں ہوتی رہتی تھیں...... رتن راج اب

ہفتوں گھر سے غائب رہتا تھا...... آج کل بہت سی دوستیاں چل رہی تھیں اس کی...... گھر واپس آتا تو کنول اسے شکایتی نگاہوں سے دیکھنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکتی تھی...... وہ چالاکی سے کنول کو رجھالیتا اور سادہ لڑکی شوہر کی محبت میں گم ہو کر پرانی باتیں بھول جاتی تھی، لیکن کبھی کبھی جب دونوں بھابیاں اس پر طعنے کستیں تو اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آتے تھے اور اسے احساس ہوتا تھا کہ اس بڑی حویلی میں اس کی جگہ ذرا تنگ ہے...... وقت آہستہ آہستہ سمجھ بھی دیتا جا رہا تھا، اس کمی کی وجہ وہ اچھی طرح جانتی تھی...... دونوں بھابیوں کے مقابلے میں وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی اور پھر شوہر کی پوری توجہ سے بھی محروم تھی...... سروجنی دیوی اگر یہاں ہوتی تو شاید اسے کچھ سہارا رہتا لیکن وہ نجانے کتنی لمبی مدت کے لئے سدھار گئی تھیں...... حالات یونہی چلتے رہے اور پھر ایک دن جب رتن راج حویلی ہی میں تھا اور کسی تہوار کی تیاریاں ہو رہی تھیں...... منورما رتن راج کی طرف جا نکلی اور اسے دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی''۔

''کہو بھیا جی کن سوچوں میں ڈوبے ہوئے ہو کیا ہو رہا ہے آج کل''۔

''بس بھابی جی دیا ہے آپ کی سوچ رہا ہوں کہ اگر آپ گووند بھیا کے بجائے میرے ہاتھ لگی ہوتیں تو کیا ہی اچھا ہوتا''۔

''تمہاری سوچیں تو بس ایسی ہی ہوتی ہیں...... خود کیا مصیبت پڑی تھی تم پر کہ کپیا بستی میں جا گھسے، کیا ملا تمہیں وہاں سے''۔

''کنول بھابی جی کنول اور میری کنول کسی سے کم نہیں ہے...... رتن راج نے پیچھے سے کنول کو آتے دیکھ کر کہا''۔

''بس کنول ہی کھلا رہے گا تمہارے جیون میں یا کچھ آگے بھی بڑھو گے...... زمانہ تو بڑی ترقی کر رہا ہے...... تم ایک بیٹے کے باپ بھی نہیں بن سکے، پیچھے رہ جاؤ گے دیور جی

حویلی میں''۔

''ایں...... رتن راج چونک پڑا نجانے ذہن کے کون سے حصے پر ضرب پڑی تھی...... بات مذاق کی تھی لیکن سنجیدہ ہو گیا...... اسے واقعی اس کمی کا احساس ہوا تھا...... کنول جس کام سے آئی تھی اسے کر کے واپس چلی گئی، بھابی اور دیور کے بیچ کھڑے ہونا اس نے پسند نہیں کیا تھا، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد رتن راج اس کے سامنے پہنچ گیا اور کنول کو دیکھنے لگا''۔

''کیا بات ہے...... کنول نے پوچھا''۔

''ایک بات بتاؤ کنول تم ابھی تک ماں کیوں نہیں بنیں''۔

''پتہ نہیں...... مجھے کیا معلوم...... کنول نے جواب دیا''۔

''بیٹا کہاں ہے میرا...... تم نے دیکھ لیا...... کرن بھابی کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے ہیں''۔

''منورما بھابی کا بیٹا تو اب پیروں بھاگنے لگا ہے...... ہمارا بیٹا کہاں ہے کنول''۔

''پتہ نہیں''۔

''پتہ لگا کر بتاؤ ورنہ اچھا نہیں ہو گا سمجھیں...... مجھے بیٹا چاہئے، میں بھابیوں کی آنکھوں میں طنز کے آثار نہیں دیکھ سکتا'' رتن راج نے کہا اور باہر نکل گیا...... کنول حیران آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بچہ کہاں سے پیدا کرے...... پتہ نہیں اس کی کیا ترکیب ہوتی ہے...... بہت دیر تک وہ پریشانی سے سوچتی رہی اور پھر اسے کرن وتی کا خیال آیا...... منورما تو کبھی اس سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی، لیکن کرن وتی میں ابھی اتنی انسانیت باقی تھی کہ کبھی کبھی وہ اپنی رنجشوں کو بھول جایا کرتی تھی اور کنول کو منہ لگا لیا کرتی تھی، چنانچہ وہ کرن وتی کے پاس پہنچ گئی۔

"بھابی جی تم سے ایک کام ہے میرا؟" اس نے سادگی سے کہا۔

"کہو کیا بات ہے؟"۔

"میرے ہاں بچہ پیدا کرادو بھابی جی...... کنول نے معصومیت سے کہا اور کرن وتی چونک کر اسے دیکھنے لگی"۔

"کیا بک رہی ہو کنول"۔

"تمہیں بھگوان کا واسطہ ہے بھابی جی میرے ہاں ایک بچہ پیدا کرادو...... لڑکا ہونا چاہئے...... کنول نے کہا اور کرن وتی اپنی ہنسی نہ روک سکی"۔

"تو وقت سے بہت پہلے پیدا ہو گئی ہے کنول...... کیسی پاگل ہے تو...... یہ کام میں کیسے کر سکتی ہوں"۔

"لو بھابی جی تمہارے لئے کیا مشکل ہے...... تم نے خود بھی تو دو دو بیٹے پیدا کئے ہیں"۔

"ارے ارے بک بک کئے جا رہی ہے" میں نے خود پیدا کئے ہیں...... کرن وتی آنکھیں نکال کر بولی؟۔

"تو پھر؟"۔

"کنول...... پگلے پن کی باتیں مت کر ہوا کیا؟"۔

"کچھ نہیں بھابی جی...... بس تم میرا یہ کام کردو...... جیون بھر احسان مانوں گی"۔

"بے وقوف یہ کام تو خود ہی کر سکتی ہے...... کیسے پاگلوں جیسی باتیں کرنے آگئی میرے پاس...... کوئی سنے گا تو کیا کہے گا"۔

"میں...... مم میں...... کیا کروں بھابی جی...... اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے کہا اور کرن وتی ہنستی رہی...... پھر اس نے آہستہ آہستہ کنول کو کچھ بتانا شروع کر دیا اور کنول بڑے غور سے بچہ پیدا کرنے کے گر سیکھتی رہی...... اس کے بعد

پر مسرت انداز میں کھڑی ہو گئی"۔

"دھن داد بھابی جی دھن داد...... آپ نے بڑا احسان کیا ہے میرے اوپر...... ورنہ وہ تو کہہ کر گئے تھے کہ اچھا نہ ہوگا"۔

"پاگل ہے تو تو نری پاگل...... کرن وتی نے ہنستے ہوئے کہا...... لیکن کنول خوشی سے اُچھلتی ہوئی باہر نکل گئی"۔

دن یونہی بیت رہے تھے کہ ایک حادثہ ہو گیا...... سروجنی دیوی بنارس میں تھیں کہ ان کی طبیعت خراب ہو گئی...... گھر واپس لایا جا رہا تھا کہ راستے میں دیہانت ہو گیا اور ان کی لاش ہی حویلی پہنچ سکی...... رتن راج لاپتہ تھا...... نجانے کہاں سے کہاں نکل جاتا تھا...... ہفتے دس دس دن پندرہ پندرہ دن میں واپس آتا تھا...... اسے بہت تلاش کیا گیا لیکن اس کا پتہ نہ چل سکا اور سروجنی دیوی کی ارتھی جلادی گئی...... تمام کام پورے ہوئے تو منورمانے پر پرزے نکالنا شروع کر دیئے اور گھر کے حساب کتاب کا جائزہ لینے لگی...... کرن وتی پہلے سے یہ ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھی...... منورمانے جب ان ذمہ داریوں میں سے آدھا حصہ مانگا تو کرن وتی بگڑ گئی، لیکن جب گووند راج نے بھی اپنی پتنی کا ساتھ دیا تو راگھو راج سنجیدہ ہو گیا اور اس نے گووند راج سے کہا کہ رتن راج آجائے تو سارے حساب کتاب پورے کر دیئے جائیں گے، اس وقت تک انتظار ضروری ہے۔

کنول بے چاری کو ان تمام معاملات میں حصہ لینے کی جرات ہی نہیں ہو سکتی تھی...... وہ بھلا اس سمے میں کیا بول سکتی تھی...... ٹکر ٹکر ایک ایک کی مورت دیکھتی رہتی تھی...... ویسے کرن وتی نے اسے یہ خوشخبری سنائی تھی کہ جس کام کے لئے وہ اتنی پریشان تھی، وہ اب پورا ہو رہا ہے اور اس کی علامات کرن وتی نے کنول کو بتادی تھیں...... بس اس کے علاوہ کنول کو اور کیا چاہیئے تھا...... اس کی خواہش تھی کہ اب

جس دن بھی رتن راج گھر واپس آئے وہ اس کا بیٹا اس کی گود میں دے دے...... اس نے سرگوشی کے انداز میں کرن وتی سے یہ پوچھا بھی تھا کہ بچہ جلدی پیدا کرنے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے اور کرن وتی نے اسے دھت تیرے کی کہہ کر بھگا دیا تھا...... لیکن کنول اسی کوشش میں مصروف تھی کہ اس بار رتن راج گھر واپس آئے تو اس کی یہ خوشی پوری کر ہی دے...... اب یہ دوسری بات ہے کہ وہ خود اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکی...... ایک طرح سے وہ بے سہارا ہی ہو گئی تھی نہ تو اسے رتن راج کا سہارا حاصل تھا اور نہ ہی کسی اور کا...... ساس کے مرنے کے بعد تو وہ اور زیادہ تنہا ہو گئی تھی...... بس کرن وتی تھی جو اس سے بات کر لیتی تھی اور اس لئے وہ گردن جھکا کر جی رہی تھی اور اس طرح جیے جانا چاہتی تھی۔

رتن راج واپس آیا تو اسے ماں کی موت کی اطلاع دی گئی...... یہ اطلاع اس کے دل پر بری طرح اثر انداز ہوئی تھی...... کئی دن تک خاموش پڑا رہا...... اسے دُکھ تھا کہ ماں کی صورت بھی نہ دیکھ سکا، لیکن اس جیسے لوگ کسی بھی سلسلے میں بہت زیادہ سنجیدہ نہیں ہوتے، چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد وہ یہ دُکھ بھول گیا...... اتفاق کی بات تھی کہ اسے ایک بار پھر سندوری کا پتہ چل گیا تھا اور ان دنوں سندوری اس کے قبضے میں تھی۔

چند روز ماں کی موت کے سوگ میں گزرے...... تمام کارروائیوں میں حصہ لیتا رہا...... گووند راج اور راگھو راج نے حصے بانٹ کی باتیں کیں تو وہ گردن جھٹک کر بولا کہ یہ مسئلہ وہ دونوں آپس میں ہی طے کر لیں...... اگر حصے کرنے ہی ہیں تو جو کچھ اس کے حصے میں آئے اسے اس کے حوالے کر دیں...... وہ ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا...... دونوں بھائی اس کی اس لاأبالی فطرت سے اچھی طرح واقف تھے، لیکن بھابھیوں نے مشورہ دیا کہ موقع اچھا ہے، اپنی پسند سے حصہ بانٹ کر لیا جائے...... جو کچھ ہاتھ آ سکے خوشی ہی کی بات ہے۔

ایک زمانہ وہ تھا جب تینوں بھائی ایک ہی سیدھ میں کھڑے ہوتے تھے اور ان کے بیچ کوئی رخنہ نہ تھا، لیکن وقت خود بخود بدل جاتا ہے...... محبتوں کے انداز تبدیل ہو جاتے ہیں، بیویاں شیر تھیں...... گووند راج اور راگھو راج نے رتن راج کی اس فطرت سے فائدہ اٹھایا...... بے چاری کنول تو کسی گنتی میں ہی نہیں تھی...... اپنی اپنی پسند کا بندر بانٹ ہو گیا تھا، لیکن رتن راج ان تمام باتوں سے بیگانہ تھا...... وہ اپنی جوانی کا پورا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا...... کنول اس کے راستوں کی رکاوٹ نہیں تھی...... اس میں صلاحیت ہی نہیں تھی...... رتن راج کی ذرا سی توجہ سے خوش ہو جاتی تھی اور اس کے علاوہ اسے اور کیا چاہئے تھا۔

پھر وہ وقت بھی آ گیا جب اس نے رتن راج کی بچے کی خواہش پوری کر دی......
کرن وتی نے از راہِ انسانیت اس کی خبر گیری کی تھی...... منورما کو اس سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی...... بچہ پیدا ہو گیا...... بیٹا ہی تھا، لیکن بہت لاغر، بہت کمزور، قد نو ساڑھے نو انچ سے زیادہ نہیں تھا...... ہاتھ پاؤں سوکھے سوکھے اور چہرہ جھریوں زدہ۔

ابتداء میں تو اس کے بچنے کے امکانات ہی بہت کم تھے...... لیکن چند ہی روز کے بعد یہ احساس ہو گیا کہ وہ کمزور ضرور ہے لیکن جسمانی طور پر مکمل ہے اور تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کر رہا ہے...... رتن راج کو بچے کی پیدائش کی اطلاع بھی کافی دن کے بعد ملی تھی...... وہ بھی اس وقت جب اسے حویلی کی یاد آ گئی تھی...... منورما تو بچے کو دیکھ دیکھ کر دن رات ہنستی رہتی تھی اور مذاق اڑاتے ہوئے کہتی تھی کہ رتن راج کی چھاتی جتنی چوڑی تھی، بچہ اتنا ہی مضحکہ خیز ہے...... رتن راج کو بیٹے کی مبارک باد بھی اس نے دی تھی، لیکن طنزیہ انداز میں کہنے لگی۔

"بھیا جی بیٹا ہوا ہے تمہارے ہاں...... پر نقل کرنے کے لئے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے...... تم نے ہمارا پیچھا کیا تھا، مگر دیکھ تو لو ذرا جا کر اپنے سپوت کو"۔

رتن راج نے گہری نگاہوں سے منورما کو دیکھا...... پہلی بار اسے بھابی کی بات میں طنز محسوس ہوا تھا...... بیٹے کی پیدائش کی تھوڑی خوشی بھی تھی، چنانچہ خاموشی سے اندر چلا گیا، لیکن کنول کے پاس ایک عجیب و غریب شے کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

"یہ کیا ہے"۔

"بیٹا ہے...... بیٹا ہے...... وہی جو تم نے کہا تھا"۔

"دماغ خراب ہے تیرا...... میں نے کہا تھا...... رتن راج غصیلے لہجے میں بولا۔

"بیٹا ہی ہے...... بھگوان کی سوگند...... کرن بھابی جی سے پوچھ لو"۔

"ہے تو بیٹا ہی ہے...... مگر یہ کتنا بڑا بیٹا ہے...... کیا وقت سے پہلے اس دنیا میں آ گیا ہے"۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم، مگر اس میں خرابی کیا ہے...... کنول سر پکڑ کر بولی"۔

"خرابی کی بچی...... یہ میرا مذاق ہے...... یہ میرے ماتھے کا کلنک ہے...... آج بھی پوری آبادی میں میرے جیسا نظر نہیں آتا...... جلتے ہیں لوگ مجھ سے...... جدھر جاتا ہوں آنکھیں اٹھ جاتی ہیں اور کوئی اس بچے کو دیکھے گا تو میری کتنی ہنسی اُڑائے گا...... میں کہتا ہوں...... یہ اتنا سا کیوں ہے؟"۔

"پتہ نہیں...... تم کہو تو میں کرن بھابی سے پوچھ کر آؤں...... کنول اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولی"۔

"تو تو پاگل ہے...... بالکل جاہل نری...... کیا مصیبت مول لے لی میں نے...... میں کہتا ہوں اتنا سا بچہ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی"۔

"خود بخود ہو گیا...... میں کیا کرتی...... میں کوئی دیکھ تھوڑی رہی تھی کہ کتنا بڑا ہے یہ"۔

رتن راج نے سر پیٹ لیا اور پھر کرن وتی کے پاس پہنچ گیا۔

"بھابی جی"۔

"دھن واد رتن بھیا...... تم بھی باپ بن گئے"۔

"آپ بھی میرا مذاق اُڑا رہی ہیں بھابی جی...... یہ بچہ اتنا کمزور کیوں ہے...... کیا یہ جی جائے گا"۔

"میں تو یہی سمجھتی ہوں...... بھگوان نے چاہا تو جی جائے گا مگر تم اتنے فکر مند کیوں ہو"۔

"بھابی مجھے دیکھو اور اس بچے کو دیکھو...... میرا من تو اسے قبول نہیں کرتا، مجھے بتاؤ میں کیا کروں"۔

"بیٹے تم پاگل ہو...... ویسی ہی تمہاری پتنی بھی پاگل ہے...... دو پاگل مل گئے ہیں ایک جگہ...... ارے اب جتنا بھی بڑا ہے اس سے کیا فرق پڑتا ہے...... ہے تو بیٹا ہی تمہارا"۔

"بھابی جی میں خوش نہیں ہوں...... یہ بچہ اتنا سا نہیں ہونا چاہئے تھا"۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے...... رتن راج کہ یہ تم سے بھی لمبا نکلے، بس کمزور ہے بے چارہ، ہو جاتا ہے ایسا...... اب یہ بتاؤ نام کیا رکھو گے اس کا"۔

"چھوڑیئے بھابی جی...... مجھے نام وام رکھنے کی کوئی دلچسپی نہیں ہے...... میرے جیسا نظر آتا تو کچھ خوش بھی ہوتا میں...... رتن راج بولا"۔

"تمہارے جیسا ہی ہو جائے گا چنتا مت کرو...... ویسے میں نے اپنے من میں اس کا نام وشال سوچا ہے وشال راج"۔

"جو بھی سوچا ہے آپ نے رکھ لیں...... میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا"۔

"ہو جاؤ گے ہو جاؤ گے...... گھر کی باتوں میں دخل مت دیا کرو اب گھر میں بھی

بیٹھو گے یا نہیں...... باپ بن گئے ہو کچھ کرو دھرو گے یا یونہی آوار گیاں کرتے رہو گے...... راگھو راج جی سنبھل گئے...... گووند راج جی تو بہت ہی زیادہ سنبھل گئے...... پرنت تمہارا کچھ نہ بگڑا"۔

"بھابی میرا کوئی کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتا، اس بات کو آپ خیال میں رکھ لیں...... جوانی تو ابھی آئی ہے ابھی تو سوچ میں ہی ہوں کہ جوانی کیسے بتاؤں"۔

"ہاں ہاں چھوٹی پڑ رہی ہے جوانی...... ذرا دیکھو تو کنپٹیوں کے بال سفیدی جھلکنے لگی ہے"۔

"اس سے کیا ہوتا ہے بھابی جی...... یہ سفیدی تو پختگی کی نشانی ہے اور اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ بچپن دور ہو گیا اور جب جوانی آجائے بھابی جی...... تو پھر...... تو پھر...... کیا میں آپ کے چرن چھولوں"۔

"بس...... بھاگ جاؤ یہاں سے...... اور میری سنو آدمی بن جاؤ...... گھر بار سنبھالو...... ماتا جی بھی اس سنسار میں نہیں رہیں...... اب...... اب تمہاری یہ آوار گیاں کچھ اچھی نہیں لگتیں...... وہ تو بھگوان کا شکر ہے کہ آج تک بچے ہوئے ہیں، کبھی کسی چکر میں پھنس گئے تو اب تم پر ہی نہیں تمہاری پتنی پر بھی برا وقت آجائے گا اور تمہارے بیٹے پر بھی"۔

"بیٹے کا نام لے کر میرے منہ کا مزا خراب نہ کرو بھابی جی...... بھگوان کی سوگند اگر جیون میں کچھ میرے کام کئے ہیں تو ان کا یہ پھل ہی مجھے ملا ہے...... ایک تو وہ پاگل ہی کیا کم تھی...... دوسرا یہ بندر کا بچہ...... رتن راج نے برا سا منہ بنا کر کہا اور باہر نکل گیا...... اس سے زیادہ اسے اس گھر سے اور کوئی دلچسپی نہیں تھی"۔

وقت نے کچھ اور نقاب الٹے...... رتن راج کی کیفیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی، اب تو وہ کبھی کبھی مہینوں کے لئے غائب ہو جاتا تھا...... اڑتی اڑتی خبریں ملی

تھیں کہ کہیں شادی بھی کر لی ہے اور کسی دوسرے شہر میں مستقل ڈیرہ ڈال لیا ہے۔

ایک بار آیا تو بھابیوں نے اس بارے میں پوچھا...... ہنس کر ٹال گیا، لیکن اقرار نہ کیا...... پر لچھن بتاتے تھے کہ جو سنا ہے وہ غلط نہیں ہے...... کنول بے چاری اب بالکل ہی مرجھا کر رہ گئی تھی، اس کا کوئی سہارا اس حویلی میں نہ تھا...... بھابیاں اور جیٹھ جانتے تھے کہ رتن راج جنگلی آدمی ہے...... کسی مرحلے پر بگڑ گیا تو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا...... چنانچہ اس کی ضرورتیں پوری کرتے رہتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی کنول اور اس کے بیٹے وشال کی بھی...... ان دونوں بے چاروں کی ضرورتیں ہی کیا تھیں...... روٹی اور کپڑا...... رہائش کے لئے ایک کمرہ...... بس یہی ان کی زندگی تھی...... وشال یتیموں کی طرح پرورش پا رہا تھا...... سات سال کی عمر میں اس کا قد صرف دو فٹ دس انچ تھا...... بدن دبلا پتلا تھا...... جب کہ راگھو راج اور گووند راج کے بیٹے، گوپال و کرم اور راج شیکھر اپنے باپوں کی طرح قد نکال رہے تھے، بلکہ ان کے بڑھتے ہوئے قد دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ جیسے ان سے اونچے ہی جائیں گے...... کچھ اور بچے بھی ہوئے تھے، جن میں دو بیٹیاں بھی شامل تھیں، لیکن یہ سب وشال کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے...... تینوں بچے اور دو چھوٹی بہنیں آپس میں مل کر کھیلتے تھے اور وشال دور سے ان کا کھیل دیکھتا رہتا تھا، لیکن کسی کا جی چاہا تو دور سے اسے آواز دے لی...... لیکن ایسے لمحات میں بھی وشال ان سے الگ ہی رہتا تھا...... وہ سب اسے بونا کہہ کر چھیڑتے تھے لیکن ایک بات سب ہی محسوس کرتے تھے کہ وشال کے اندر جو بے پناہ خود اعتمادی ہے وہ اس گھر کے کسی بچے میں نہیں تھی...... وہ عمدہ سے عمدہ لباس پہنتا تھا اور لباس میں بڑا اہتمام کرتا تھا...... کبھی اس کا لباس داغدار نہ دیکھا گیا...... جوں جوں عمر اسے سمجھ دے رہی تھی وہ اس عمر کے ساتھ ساتھ ہی سفر کر رہا تھا...... جب کہ دوسرے بچوں میں خود اعتمادی کا فقدان تھا، وہ آپس میں لڑ بھی پڑتے تھے جس کی وجہ سے کئی بار راگھو راج

اور گووند راج میں تلخ کلامی ہو چکی تھی...... لیکن وشال کی وجہ سے آج تک کوئی مسئلہ نہیں کھڑا ہوا تھا.....اور یہ بے چاری کنول کی خوش قسمتی ہی تھی کہ بیٹے نے اپنی ذات سے اسے قطعاً پریشان نہیں کیا تھا...... گوپال اور وکرم خاص طور سے وشال کو نشانہ بنائے رہتے...... دوسرے دوست آتے تو انہیں خاص طور سے وشال سے ملایا جاتا اور اس کے بعد ہنسی اور قہقہوں کا طوفان امنڈ پڑتا، لیکن وشال کے باریک باریک ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ انہیں یہ احساس دلاتی کہ وشال جس انداز میں ان کا مذاق اُڑا رہا ہے، وہ اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

بچپن کے واقعات بچپن ہی کی حیثیت رکھتے تھے...... ایک دن گوپال وکرم اور شیکھر ایک درخت کے نزدیک سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے وشال کو دیکھا جو درخت کے سوراخ میں سے طوطوں کے دو بچے پکڑ کر لا رہا تھا...... وہ بڑی پھرتی سے نیچے اتر آیا...... طوطوں کے بچے دیکھ کر تینوں کے منہ میں پانی بھر آیا...... ان میں سے ایک نے وشال کو پیچھے سے پکڑ لیا اور باقی دو نے اس کے ہاتھوں سے طوطے کے بچے چھین لئے...... وشال خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا...... اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی...... پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"شیر کا مارا ہوا گیدڑ ہی کھاتے ہیں...... تم لے جاؤ ان بچوں کو...... مگر ہمت ہے تو خود اوپر چڑھ کر طوطے کے بچے نکال لو...... ابھی درخت پر اور بھی کئی طوطوں کے بچے موجود ہیں۔

"نکال لیں گے...... نکال لیں گے...... تم کیا سمجھتے ہو...... کیا صرف تم ہی درخت پر چڑھنا جانتے ہو...... کل صبح کو آجانا...... دیکھنا ہم ان بچوں کو بھی نکال لیں گے...... پہلے انہیں تو ذرا اپنے پنجروں میں لے جا کر رکھ دیں...... شیکھر نے کہا اور تینوں ہنستے مسکراتے واپس چل پڑے...... وشال خاموشی سے پلٹ پڑا تھا۔

دوسرے دن تینوں بھائی درخت کے نیچے پہنچ گئے...... گوپال نے درخت پر چڑھنے کا فیصلہ کیا...... وکرم اور شیکھر اسے سہارا دینے کے لئے نیچے موجود تھے...... بمشکل تمام گوپال درخت کے اس حصے تک پہنچ سکا جہاں سوراخ میں طوطوں کے بچے موجود تھے......اس نے مسکراتی نگاہوں سے بھائیوں کی طرف دیکھا اور پھر سوراخ میں ہاتھ ڈال دیا، لیکن اس کی چیخ بڑی دلدوز تھی...... درخت سے گرتے گرتے بچا تھا...... درخت کے سوراخ میں طوطوں کے بچوں کی بجائے کھٹکے والا چوہے دان رکھا ہوا تھا اور گوپال کی تین انگلیاں اس چوہے دان میں پھنس کر شدید زخمی ہو چکی تھیں...... وہ بمشکل تمام درخت سے نیچے اترا اور اس کے بعد روتا چیختا حویلی واپس پہنچ گیا۔

کرن وتی کو پتہ چلا...... آکر بیٹے کی انگلیاں دیکھیں جو آدھی کے قریب کٹ گئی تھیں تو غصے سے پاگل ہو گئی...... مرہم پٹی کرنے کے بعد آگ بگولہ بنی ہوئی اندر پہنچی اور کنول کو برا بھلا کہنے لگی۔

"وشال نے درخت کے سوراخ میں چوہے دان رکھ کر اچھا نہیں کیا کنول...... اسے سمجھالو...... ورنہ نقصان اٹھاؤ گی"۔

"کیسا چوہے دان تائی جی...... میں تو آج تک کبھی کسی درخت پر نہیں چڑھا۔

"جھوٹ بول رہے ہو وشال...... طوطوں کے بچے کل کس نے نکالے تھے"۔

"گوپال...... وکرم اور شیکھر نے...... وہ بچے ان کے پاس محفوظ ہیں آپ دیکھ لیجئے مجھے تو طوطوں کا شوق ہی نہیں ہے...... وہی درختوں پر چڑھتے ہیں اور ایسی حرکتیں کرتے ہیں"۔

"چوہے دان سوراخ میں کس نے رکھا تھا؟"۔

"مجھے معلوم ہوتا تو ضرور بتا دیتا"۔

"بھابی جی آپ نے شاید وشال کو یتیم سمجھ لیا ہے......ایسا نہ سوچا کریں بھابی جی......

باپ تو ہے اس کا...... کنول نے آہستہ سے کہا اور کرن وتی کا غصے سے برا حال ہو گیا“۔

”ارے اچھی طرح جانتی ہوں اسے...... فتنہ ہے یہ بالکل فتنہ...... ارے آنے دو راگھو جی مہاراج کو...... بتاؤں گی سارے کرتوت اس کے...... ارے واہ ہم تو ہر طرح سے خیال کرتے ہیں اور تم لوگ ہو کہ سر پر ہی چڑھے جا رہے ہو...... اور پھر کیسی سادگی سے جھوٹ بول رہا ہے یہ“۔

”جھوٹ نہیں بول رہا تائی جی...... آپ دیکھ لیجئے کہ مجھے طوطوں کے بچوں کا کوئی شوق نہیں ہے...... یہی لوگ یہ ساری حرکتیں کرتے پھرتے ہیں...... اس کے باوجود اگر آپ یقین نہیں کرتیں تو نہ کریں...... مجھ پر اور میری ماں پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ایک بات اور سنئے میں آپ سے زیادہ بولنا جانتا ہوں اس لئے آپ ہر وقت میری ماں کے پیچھے نہ دوڑ پڑا کریں“۔

”دیکھا...... منورما...... اے منورما...... سن لو بھئی...... آج کنول کے بیٹے کی بھی زبان کھل گئی...... سچ ہے کسی کا کیا دھرا کام نہیں آتا...... ساری باتیں بے کار ہیں...... ساری باتیں بے کار ہیں...... اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا تھا...... راگھو راج اور گووند راج بھی آگئے تھے لیکن کوئی یہ ثابت نہ کر سکا کہ چوہے دان وشال نے درخت میں رکھا تھا...... وشال ان کی عدالت میں پیش ہوا اور پھر باعزت بری ہو کر پراسرار انداز میں مسکراتا ہوا کنول کے پاس واپس آگیا...... اس نے اس عدالت میں ثابت کر دیا تھا کہ طوطوں کے بچوں سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہے...... یہی لوگ درختوں پر چڑھ کر پرندوں کو ستاتے رہتے ہیں اور اس کا ثبوت پہلے دن کے حاصل کئے ہوئے طوطوں کے وہ دونوں بچے تھے۔

کنول اس عدالت میں نہیں گئی تھی...... جانتی تھی کہ بے سہارا ہے اور بھابیوں کے سامنے اس کی کچھ نہ چل سکے گی...... وہ وشال کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی...... وہ

پہنچا تو مسکرا رہا تھا...... کنول کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا۔

”کیا کہا تا تاجی نے...... کچھ بری بات تو نہیں ہوئی؟“۔

”کچھ نہیں ماں...... میرا دوش ہی نہیں تھا...... وہ بے چارے مجھ سے کیا کہتے الٹے گوپال وغیرہ کو ہی ڈانٹ پڑی“۔

”میں جانتی تھی کہ تو ایسا نہیں کر سکتا، مگر کیا کہتی کس سے کہتی...... میری مانتا کون ہے...... چوہے دان تو نے تو نہیں لگایا تھا؟“۔

”لگایا تھا ماں...... لگایا تھا نا...... وشال نے آہستہ سے کہا“۔

”ایں...... کنول چونک پڑی“۔

”ہاں لگایا تھا ماں...... وہ ہر جگہ میرا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر بے وقوف یہ نہیں جانتے کہ وہ میرے تلوے کی خاک بھی نہیں ہیں...... انہیں بتا دیا جائے تو اچھا ہے ماں کہ میرا مقابلہ کرنے کی کوششیں نہ کیا کریں، جہاں بھی وہ میرے سامنے آئیں گے نقصان اٹھائیں گے...... وشال کا چہرہ اعتماد کا پہاڑ تھا، کنول حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”تو ان کا مقابلہ کیسے کرے گا رے...... تو تو بہت کمزور ہے...... ان کے سامنے...... وہ بولی“۔

”ماں...... ماں ہے نا تو میری...... مجھے کمزور سمجھتی ہے...... ابھی میری طاقت کسی نے دیکھی نہیں ہے ماں...... سمے آنے دے، میں بتاؤں گا ان سب کو کہ میں کیا ہوں...... بس بہتر یہ ہے کہ یہ سمے ان پر نہ آئے“۔

کنول نے وشال کے لہجے میں بادلوں کی سی گرج سنی تھی اور نجانے کیوں اس کے سینے میں دیپ ہی دیپ جل اُٹھے تھے...... وشال بہت چھوٹا سا ہے...... بہت کمزور ہے، لیکن شاید ایسا نہیں ہے...... اور یہ احساس اس کے لئے بڑا پرمسرت تھا۔

راگھوراج اور گووندراج اپنا پریوار بڑھا رہے تھے...... ہر سال ہی حویلی میں کوئی ننھا سا وجود کھیلتا نظر آ جاتا تھا...... کرن وتی منوررما سے ہار ماننے کے لئے تیار نہ تھی اور منوررما فیصلہ کر چکی تھی کہ بھابی جی پر برتری ثابت کر کے رہے گی، اس طرح حویلی چائلڈ ہاؤس بنتی جا رہی تھی، البتہ کنول کی تقدیر اس ننھے سے وجود میں قید ہو گئی تھی...... رتن راج اب اسی وقت آتا تھا جب اسے پیسوں کی ضرورت ہوتی تھی...... پیسے لیتا اور چلا جاتا...... کنول سے اب اسے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی...... اور بیٹے کو تو وہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا...... یہ تو ابتداء ہی سے اس کی دُکھتی رگ بن گیا تھا...... کنول حسرتوں میں گھر گئی تھی...... جینے کا کوئی سہارا تھا تو بس وشال...... باقی اس گھر میں اس کے لئے کچھ نہیں تھا...... کنول کا نام بس رتن راج کی وجہ سے تھا اور رتن راج جو اس کا نام بھول گیا تھا...... پھر کون یاد رکھتا، ہاں ابھی ایسی نوبت نہیں آئی تھی کہ اسے حویلی سے نکلنا پڑتا...... حویلی میں تو بہت سے نوکر بھی تھے...... اس کے علاوہ خود کنول نے اپنی حیثیت محسوس کر کے خود کو محدود رکھا تھا، اس لئے وہ کسی کی آنکھوں میں خار نہ بنی تھی جو مل جاتا کھا لیتی، جو مل جاتا پہن لیتی، نہ اسے جھوٹا کھانے میں عار تھا نہ اترا پہننے میں...... نگاہ جاتی تو بس وشال پر جس کا کوئی مستقبل نہیں تھا...... اس کا کیا ہو گا...... بیٹے کے چہرے پر مایوسیوں کے سائے تلاش کرتی لیکن اسے تقویت ملتی تھی کیونکہ وشال اسے کبھی مایوس نہ نظر آتا...... اس کے اندر حد سے زیادہ خود اعتمادی تھی...... یوں لگتا جیسے اس کی کمزوری میں نظر نہ آنے والی قوتیں پوشیدہ ہیں...... اس کی روشن چمکدار آنکھیں اور باریک ہونٹوں پر پھیلی مسکراہٹ ان قوتوں کا پتہ دیتی تھی...... نہ جانے وہ اندر سے کیا تھا۔

✡

زندگی تیز قدم بڑھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی...... حویلی میں ہر طرح کی رونقیں تھیں...... ہالینڈ سے ٹھاکر اودھے چرن جی اپنے خاندان کے ساتھ آ گئے...... جو موہن راؤ کے بچپن کے دوستوں میں تھے، بہت پہلے ہالینڈ میں کاروبار کر لیا تھا اور وہیں منتقل ہو گئے تھے...... عرصہ دراز کے بعد واپس ہندوستان آئے تھے اور سیدھے یہاں چلے آئے تھے...... ان کے ساتھ ان کی دھرم پتنی، تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے...... دونوں بیٹوں کی بیویاں تھیں...... بہت بڑا پریوار تھا ان کا، حویلی بھر گئی تھی...... حویلی میں کوئی کمی نہیں تھی...... مہمانوں کی آمد سے خوشیاں بکھر گئیں...... ٹھاکر نے ایک ایک کو پوچھا تھا...... کرن وتی اور منوررما نے ان کے پاؤں چھوئے تو ٹھاکر صاحب نے پوچھ لیا۔

”تیسری بہو کہاں ہے“۔

”ارے ہاں...... کنول کو بلاؤ...... راگھوراؤ نے کہا“۔

”رتن راج بھی نہیں نظر آیا“۔

”شہر میں نہیں ہے...... گووندراج نے بتایا۔

”کب تک آ جائے گا...... بہو تو یہیں رہتی ہے...... سروجنی بھابی کے دیہانت کے بعد تم لوگ مل جل کر تو رہتے ہو؟“۔

’’ہاں تاؤ جی بھگوان کی دیا ہے...... راگھو راؤ نے کہا...... کنول کو لایا گیا اور اس نے ٹھاکر صاحب کے چرن چھوئے‘‘۔

’’سکھی رہو بیٹا...... کتنی خوشی ہوئی ہے تم سب کو دیکھ کر...... ان کے کتنے بچے ہیں؟ ٹھاکر صاحب نے پوچھا...... راگھو راؤ اور گووند راؤ اپنے اپنے بچوں کی نمائش پہلے ہی کر چکے تھے‘‘۔

’’ایک بیٹا ہے...... کرن وتی نے کہا۔

’’بیٹا...... منورما ہنس پڑی...... اور ٹھاکر صاحب نے چونک کر اسے دیکھا...... انہیں یہ ہنسی عجیب لگی تھی...... تاہم انہوں نے سنجیدگی سے کہا‘‘۔

’’کہاں ہے وہ...... اسے بھی بلاؤ کیا وہ بھی پتا کے ساتھ گیا ہے...... دیکھوں کہاں ہے وہ...... ارے جاؤ بیٹے اسے بلا کر لاؤ کیا نام ہے اس کا‘‘۔

’’وشال...... کنول نے جواب دیا...... اسی وقت وشال اندر داخل ہو گیا...... بہت خوبصورت لباس میں ملبوس تھا...... بدن سے خوشبوؤں کی لپیٹیں اٹھ رہی تھیں...... ہونٹوں پر وہی پراعتماد مسکراہٹ کھیل رہی تھی...... وہ اندر داخل ہو گیا

’’میرا نام وشال ہے...... اس نے کہا اور منورما پھر ہنس پڑی...... گوپال اور شیکھر بھی ہنسنے لگے تھے‘‘۔

’’اوہ تم وشال ہو...... آؤ بیٹے...... آؤ...... ٹھاکر صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا...... آپ کو پتہ چل گیا ہوگا تاؤ جی کہ رتن چاچا شہر میں کیوں نہیں رہتے...... وکرم راج نے تمسخرانہ انداز میں کہا‘‘۔

’’مجھے نہیں پتہ چلا تم بتادو بیٹے...... ٹھاکر اودھے چرن نے کسی قدر ناخوشگوار انداز میں کہا‘‘۔

’’وکرم کیا بدتمیزی ہے؟ راگھو راج راؤ نے بیٹے کو گھورتے ہوئے کہا‘‘۔

’’آپ کیسے ہیں دادو جی...... کہاں رہتے ہیں آپ؟ وشال نے سب کو نظر انداز کر کے پوچھا‘‘۔

’’ایمسٹرڈیم میں بیٹے...... ہالینڈ کا سب سے بڑا شہر ہے...... ٹھاکر صاحب نے محبت بھرے انداز میں کہا...... صورت حال بہت حد تک ان کی سمجھ میں آگئی تھی‘‘۔

’’نہ صرف سب سے بڑا بلکہ تاریخی حیثیت کا حامل...... دریائے ایمٹل پر ڈیم بنایا گیا تو نواحی آبادی ایمسٹرڈیم کے نام سے مشہور ہوئی، اسی طرح دریائے روٹر پر ڈیم بنایا گیا تھا تو شہر روٹرڈیم وجود میں آیا تھا...... ہالینڈ کے رہنے والے بڑی محبت کرتے ہیں...... ان شہروں سے ان کے نزدیک روٹرڈیم زندگی سے بھرپور ہے اور ایمسٹرڈیم ایک خاموش صبح کی مانند...... کیوں دادو جی میں نے غلط تو نہیں کہا۔

’’ایں...... نہیں بیٹے...... بالکل نہیں...... یہی خیال ہے ہالینڈ کے رہنے والوں کا، مگر تم......؟ ٹھاکر صاحب حیرت سے بولے‘‘۔

’’ننھا بونا کتابوں میں رہتا ہے دادو جی...... یہ بتادینا کون سی خاص بات ہے...... گوپال کو یہ برتری پسند نہیں آئی...... اس نے محسوس کیا تھا کہ وشال نے تمام آنے والوں کی توجہ اپنی طرف سمیٹ لی ہے۔

’’کتابوں میں رہنے والے بڑے لوگ ہوتے ہیں بیٹے...... تم بھی ہالینڈ کے بارے میں کچھ بتاؤ...... ٹھاکر صاحب گوپال سے بولے‘‘۔

’’ہالینڈ میں حکومت کے دفاتر ہیگ میں ہیں...... گوپال بولا۔

’’اس کی وجہ جانتے ہو‘‘۔

’’وجہ وہاں کے لوگ جانتے ہوں گے...... گوپال نے ناک سکوڑتے ہوئے کہا‘‘۔

’’اور تم وشال؟‘‘۔

’’کوئی خاص بات نہیں دادا جی...... صدیوں پہلے اس کشمکش کا آغاز ہوا تھا......

1806ء میں جب نپولین بوناپارٹ نے یورپ کی تقسیم کی تو ہالینڈ لوئی بوناپارٹ کے حصے میں آیا تھا...... لوئی نے ایمسٹرڈیم کو صدر مقام قرار دیا اور ہیگ شاہی عہدیداروں کی قیام گاہ بنادی...... ترتیب اب تک چل رہی ہے" وشال نے جواب دیا اور ٹھاکر صاحب نے اس کی پیشانی چوم لی، وہ بولے۔

"وشال کے اندر ایک تاریخ نے جنم لیا ہے...... تم لوگ ایک بوڑھے کا تجربہ سمجھ لو، اگر اس پر توجہ دی گئی تو راؤ خاندان کی پیشانی سدا کے لئے روشن ہو جائے گی اور اگر اسے بے توجہی کا نشانہ بنایا گیا تو موہن راؤ کا پریوار بھگوان نہ کرے...... بھگوان نہ کرے...... ٹھاکر صاحب نے جملہ پورا نہیں کیا تھا۔

رات کو انہوں نے اپنی دھرم پتنی سے کہا...... "تم نے اس چھوٹے سے وجود کو دیکھا تھا"۔

"وشال کے بارے میں کہہ رہے ہو؟"۔

"ہاں! کیا خیال ہے اس کے بارے میں"۔

"تعجب ہوتا ہے...... راؤ خاندان کی عورتوں کے قد بھی لمبے ہیں مرد تو خیر بہت ہی شاندار ہیں...... پتہ نہیں یہ بونا اس خاندان میں کہاں سے آگیا"۔

"مجھے اس لڑکے کی آنکھوں میں آسمانی بجلی کوندتی نظر آتی ہے...... اس کا بدن چھوٹا ہے، لیکن دماغ بہت بڑا لگتا ہے"۔

"رتن راج کی پوری کہانی معلوم ہوگئی مجھے...... سرلا دیوی نے کہا۔

"کیسی کہانی؟"۔

"اس کے لچھن اچھے نہیں ہیں سنا ہے...... یہاں رہتا بھی نہیں...... کوئی اور رکھ چھوڑی ہے، اسی کے پاس رہتا ہے...... بیٹے پر بھی توجہ نہیں دیتا، اسے نے شادی اپنی پسند کی کی تھی...... کنول کسی معمولی پٹواری کی بیٹی ہے"۔

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"۔

"عورتیں ایسی باتیں بتانے کے لئے بے چین رہتی ہیں...... منورما نے مجھے یہ کہانی سنائی ہے"۔

"ماں بیٹے کے ساتھ ان لوگوں کا سلوک کیسا ہے"۔

"اچھا نہیں لگتا...... اور پھر اچھا ہوگا بھی کیسے، خود رتن راج نے انہیں ان کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھا ہے"۔

برا کر رہے ہیں وہ لوگ۔

"ہاں ہے تو برا...... سرلا دیوی نے کہا اور ٹھاکر صاحب کسی سوچ میں ڈوب گئے...... ٹھاکر صاحب کو آئے کئی دن گزر گئے تھے...... انہوں نے کئی بار رتن راج کے بارے میں پوچھا اور فرمائش کی کہ اسے بلایا جائے تاکہ وہ اس سے بھی مل لیں...... راگھو راؤ اور گووند راؤ نے اس سلسلے میں کوشش بھی کی لیکن رتن راج کے بارے میں پتہ ہی نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے۔

ہالینڈ سے آنے والے ایک دوسرے سے گھل مل گئے تھے...... سب نے اپنے ہم عمروں سے دوستی کرلی تھی، صرف وشال ایسا تھا جو ان سے دور رہتا تھا...... کبھی وہ ان میں شامل ہو بھی جاتا تو سوائے مذاق کا نشانہ بننے کے اسے اور کچھ نہ ملتا۔

ٹھاکر صاحب کی پوتی رکنی نے کہا...... "وشال بڑا ہو کر کیا کرے گا"۔

"بڑا ہوگا تو کچھ کرے گا...... بڑا ہوگا کہاں سے" شیکھر بولا۔

"ہم سب سے اچھا رہے گا وہ" گوپال نے کہا۔

"وہ کیسے؟"۔

"وہ اگر آج چاہے تو اسے نوکری مل سکتی ہے"۔

"نوکری"۔

"ہاں کسی سرکس میں...... سرکس والوں کو تو ایسے بونوں کی تلاش رہتی ہے" گوپال نے کہا اور سب ہنس پڑے...... وشال ان کے درمیان موجود تھا...... وہ یہ تمام باتیں سن سن کر ہنسا کرتا تھا، لیکن اس وقت اچانک ہی اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہوگئی...... رکمنی شرمندہ سی ہوگئی تھی اس نے یہ جملے وشال کا مذاق اُڑانے کے لئے نہیں کہے تھے۔

"ایک بہت عقل مند آدمی سے کسی نے پوچھا...... تم نے اتنی عقل کہاں سے سیکھی...... مانتی ہو رکمنی اس نے کیا جواب دیا...... وشال اچانک بول اٹھا۔

"کیا جواب دیا اس نے...... رکمنی نے ہی پوچھا"۔

"اس نے کہا بے وقوفوں سے" وشال نے جواب دیا۔

"یہ کوئی لطیفہ ہے...... وکرم راج نے سب کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں...... گوپال نے سنجیدگی سے کہا اور سب ہنس پڑے...... وشال مسکراتا ہوا بولا"۔

"یہی سمجھ میں آجاتا تو عقلمند نہ کہلاتے اور پھر وہ ان کے درمیان سے اٹھ کر چلا گیا...... وہ ہمیں بے وقوف کہہ گیا ہے...... شیکھر بولا"۔

"کوئی بات نہیں...... اسے اس کی اس گستاخی کی سزا دے دی جائے گی" گوپال بولا اور سب خاموش ہوگئے...... وشال کی یہ بات واقعی کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

پھر ایک اور واقعہ پیش آیا...... ٹھاکر صاحب جانے کی تیاریاں کر رہے تھے...... انہیں رتن راج سے ملاقات نہ کرنے کا افسوس تھا جس کا انہوں نے ایک بار پھر اظہار کیا تھا...... اس شام سبھی وہاں جمع تھے...... گوپال شیکھر وکرم راج اور دوسرے لان پر طرح طرح کے کھیل رچائے ہوئے تھے اور بہت دور وشال خاموش کھڑا انہیں دلچسپ نظروں سے دیکھ رہا تھا...... ٹھاکر صاحب بھی بچوں کے کھیل سے لطف اندوز

ہو رہے تھے...... گوپال اور وکرم راج قوت آزمائی کے مظاہرے کر رہے تھے اور بلا شبہ ہی اپنی عمر سے کہیں زیادہ طاقتور تھے۔

راگھو راؤ نے کہا...... "چاچا جی...... ہم تو تین بھائی تھے اور ہماری دھاک بیٹھی ہوئی تھی، جب لاٹھی لے کر نکل جاتے تو لوگوں کے دم رک جاتے تھے...... یہ ہماری نسل تو بہت زیادہ ہے...... اور بھگوان کی دیا سے سب ہم جیسے ہیں سب ہم جیسے پوری فوج ہوگی یہ جدھر نکل جائے گی گاؤں کے گاؤں خالی کرالے گی۔

"ہاں بھگوان اس فوج کی رکھشا کرے...... ٹھاکر صاحب نے محبت سے بچوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"دُکھ ہوتا ہے تو رتن راج پر...... ہم سب میں تگڑا ہے مگر......؟ گووند راؤ بولا۔

"جیسی کرنی ویسی بھرنی، رتن بھیا گرے ہی کھائی میں تھے...... نسل کی بات بھی کچھ ہوتی ہے...... انہوں نے خود نسل بگاڑی ہے...... منورما نے کہا...... کنول کا چہرہ اتر گیا تھا...... ٹھاکر صاحب نے دُکھ بھرے انداز میں کنول کو دیکھا پھر بولے"۔

"اوہو میرے خیال میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے...... کنول رانی مجھے تو تم دونوں سے کہیں کم نہیں نظر آتی...... اب اگر تم لوگ خود اپنے اور اپنے خاندانوں کے گن گاتی ہو تو انہیں سنتا کون ہے۔

"ہونہہ...... منورما ناک سکیڑ کر خاموش ہوگئی...... اتنی دیر میں وشال وہاں آگیا، اس نے چمڑے کی جیکٹ اور پینٹ پہنی ہوئی تھی...... دونوں ہاتھوں میں نائلون کی دو مختلف رنگ کی موٹی رسیوں کے لچھے تھامے ہوئے تھا...... چھوٹا سا تھا...... بہت پیارا نظر آرہا تھا وہ"۔

"ہیلو وشال؟ ٹھاکر صاحب بولے"۔

"ہیلو دادو جی...... وشال نے کہا۔

"یہ کیا ہے تمہارے ہاتھوں میں؟"۔

"رسیوں کے دو توڑے ہیں...... وشال نے رسیاں کھول دیں ان کے سرے وشال کی مٹھیوں میں دبے ہوئے تھے۔

"کیا کرو گے ان کا"۔

"میرا کھیل ہے دادا جی "لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے نکلا ہوں...... وشال نے اسی پر اعتماد مسکراہٹ سے کہا۔

"کس کی غلط فہمی"۔

"جو بھی خود کو مجھ سے زیادہ طاقتور سمجھتا ہو...... دادا جی یہاں جتنے لوگ موجود ہیں میں انہیں چیلنج کرتا ہوں...... چاہیں تو سب مل کر آ جائیں...... میں بیچ میں ایک دائرہ بنا دیتا ہوں اور خود اس میں کھڑا ہو جاتا ہوں...... میرے دونوں طرف دوسرے لوگ کھڑے ہو جائیں اور ان رسیوں کو کھینچ کر مجھے اس دائرے سے باہر نکال دیں...... میں انہیں مان لوں گا، ورنہ وہ مجھے مان لیں"۔

"بھئی ہم نے تو تمہیں مانا ہے، کوئی مانے یا نہ مانے...... ٹھاکر صاحب جلدی سے بولے"۔

"اس نے آپ کو چیلنج نہیں کیا دادا جی"...... شیکھر غصے سے بولا۔

"میں اکیلا ہی وشال کو سر سے اونچا کر کے پٹخ دوں گا...... وکرم راج بولا۔

"دادا جی...... یہ گیدڑ دور سے ہی بھبھکیاں دینا جانتے ہیں...... میں تو آج ان کی حقیقت آپ کے سامنے لانا چاہتا تھا"۔

"چلو دائرہ بناؤ...... گوپال نے کہا"۔

"صرف تم نہیں...... یہ میری شان کے خلاف ہے...... وشال نے کہا۔

"دونوں ہاتھ ٹوٹ کر کندھوں سے اکھڑ جائیں گے" گوپال بولا۔

"یہ صرف تمہاری بزدلی ہے"۔

دوسرے بچے بھی اس کھیل کے لئے تیار ہو گئے تھے...... وشال نے ایک دائرہ بنایا اور بولا۔

برابر کی طاقت والے بھی آ جائیں۔

ایک طرف گوپال، وکرم اور ان کے ساتھ دو بچے اور تھے، دوسری طرف شیکھر اور خود ٹھاکر صاحب کے چند بچے کھڑے ہو گئے...... وشال دائرے میں آ کھڑا ہوا تھا...... اس نے رسیاں پھیلا دیں...... ان کے دونوں سرے خود اپنی مٹھیوں میں دبا لئے تھے۔

منورما نے نخوت سے کہا...... کنول رانی بعد میں ہمیں کوئی دوش نہ دینا لگتا ہے تم خود بھی اس سے چھٹکارا چاہتی ہو۔

"وشال...... کنول سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی...... کہاں یہ دیو ہیکل اور کہاں یہ ننھا سا وجود"۔

"ماں...... اپنا وچن یاد رکھو...... ہمارے بیچ بات ہو چکی ہے...... وشال بولا"۔

"مگر وشال؟"

"چلو زور لگاؤ...... وشال نے کہا اور قدم جما دیئے...... دونوں طرف سے رسیاں کھینچی جانے لگیں...... ایک طرف گوپال کی ٹیم طاقت لگا رہی تھی تو دوسری طرف شیکھر کی...... دونوں اسے اپنی طرف کھینچنا چاہتے تھے، دوسری طرف وشال کی گردن کی رگیں پھول گئی تھیں اور ایک لمحے میں سب ساکت رہ گئے...... وشال سنگی ستون کی طرح اپنی جگہ جما ہوا تھا...... دونوں طرف کے بچے طاقت لگا لگا کر ہلکان ہوئے جا رہے تھے...... وشال دو چار انچ ادھر سرک جاتا یا دو چار انچ ادھر...... لیکن ابھی دائرے کے کنارے بہت دور تھے...... وہ لوگ کھینچ کھینچ کر زور لگا رہے تھے اور ان کے بدن پسینہ

پسینہ ہوئے جا رہے تھے...... اب سب کی حالت دیکھنے کے قابل تھی...... خود راگھور راؤ اور گووندراج بھی کھڑے ہو گئے تھے...... یہ انوکھی طاقت بن کے سامنے آئی تھی...... بچے بری طرح تھک گئے اور ٹھاکر صاحب نے ہاتھ اٹھالیا۔

"بس...... کھیل ختم...... اور دونوں طرف سے رسیاں چھوڑ دی گئیں...... وشال نے اطمینان سے رسیاں لپیٹ لی تھیں...... بچوں کے چہرے اتر گئے تھے...... ٹھاکر صاحب نے وشال کو گود میں اٹھالیا...... منورما نے آگے بڑھ کر شیکھر کو پیٹ ڈالا۔

"پوری بھینس کا دودھ چڑھا جاتا ہے نامراد...... ایک بونا نہیں کھینچا گیا تجھ سے...... کل سے مانگنا ماں مجھے دودھ دو...... ماں مجھے ٹھنڈائی دو...... چل اندر کپڑے بدل کیا کمینوں کے کھیل کھیلتا ہے...... وہ شیکھر کو پیٹتی اندر لے گئی۔

"مجھ سے کشتی لڑے وشال...... سر سے اونچا کر کے نہ پھینک دوں تو گوپال نام نہیں"۔

"اپنی ماں سے پوچھ لو کہ یہ شریفوں کا کھیل ہوگا" وشال نے کہا۔

"اے وشال زبان سنبھال کر بول...... ٹنگ برابر ہو کر گز بھر لمبی زبان...... لو دیکھو میرا نام لے رہا ہے کہہ منورما گئی اور الٹ مجھ پر پڑا...... اچھی بات ہے...... کلیجے پر رکھ کر پال رہے ہیں اور نتیجہ یہ دیا ہے۔

"یہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بولنے لگا ہے کنول اسے سنبھالو ورنہ اچھا نہ ہوگا...... گووندراج نے کہا۔

"بہو...... تم وشال کو لے کر اندر جاؤ...... ٹھاکر صاحب نے کہا اور کنول جلدی سے اٹھ گئی"۔

"آؤ وشال...... اس نے وشال کا بازو پکڑتے ہوئے کہا...... اور وشال ہنستا ہوا ماں کے ساتھ چل پڑا...... اس نے چلتے ہوئے کہا"۔

"دادو جی...... اب آپ کو میرے بارے میں فکر نہیں کرنی چاہئے...... آپ نے اس حویلی کے سورما دیکھ لئے ہیں"۔

"چل اندر چل...... کنول اسے دھکیلتی ہوئی بولی...... اور وشال اندر آ گیا...... یہ سب کچھ تو کیا کر رہا ہے وشال...... حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں...... ہمیں ان کے بیچ رہنا ہے بیٹا، اگر بھگوان نے تیرے شریر میں یہ طاقت دے دی ہے تو اسے سنبھال کر رکھ...... ابھی اس کا مظاہرہ نہ کر"۔

"بھگوان نے مجھے طاقت ضرور دی ہے ماں" مگر شریر میں نہیں اس میں؟ وشال نے کنپٹی پر انگلی مارتے ہوئے کہا اور ہنس پڑا...... میرا شریر چھوٹا رہ گیا ہے مگر اس کی کسر یہاں پوری ہو گئی ہے اور ماں میں ان سب کو یہیں سے ٹھیک کروں گا...... یہ دیکھ اس سے ان سب کو کیسا کھیل دکھایا میں نے...... وشال نے جیکٹ اتار دی...... دونوں رنگین رسیوں کے سرے درمیان سے آپس میں مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے اور یہ رسیاں وشال کی آستینوں سے گزر کر باہر نکل گئی تھیں۔

"میں نے دو رنگوں کی رسیاں اس لئے لی تھیں...... ماں کہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے...... یہ رسیاں آپس میں بندھی ہوئی تھیں اور وہ سرے سے آپس میں ہی ایک دوسرے کو کھینچ رہے تھے، میں صرف اس رسی کو بیچ سے پکڑے کھڑا تھا اور بلاوجہ ایسا اظہار کر رہا تھا جیسے میں نے ان کے دونوں سرے پکڑ کر انہیں روک رکھا ہو...... وہ خود ہی ایک دوسرے سے ہار گئے اور ہاں...... یہ ان کا مستقبل ہے...... وشال نے قہقہہ لگایا اور کنول کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں"۔

"بڑا چالاک ہے رے تو"۔

"کیا کروں ماں، بھگوان نے شریر چھوٹا بنا دیا ہے، مگر تیری حفاظت تو کرنی ہے مجھے ان راکھشسوں سے اور ہے کون ہمارا...... وشال نے کہا اور کنول کی آنکھیں بھیگ گئیں"۔

منورما آگ ہو رہی تھی...... کہئے دیتی ہوں گووند جی...... یہ چاچا جی مہمان بن کر آئے ہیں مہمان رہیں...... لگتا ہے یہ پھوٹ ڈلوانے آئے ہیں ہمارے گھرے میں...... یہ کیوں آگے بڑھ کر بولے...... میں کچھ کہہ دوں گی تو لوگ کہیں گے۔

ایک دو دن کی بات اور ہے جا رہے ہیں وہ مگر یہ وشال...... اس کے بارے میں سوچنا پڑے گا...... اس میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی۔

"باپ عیاشیوں میں جیون گزار رہا ہے اور بیٹا یہاں عیش کر رہا ہے...... خوب کھلاتی پلاتی ہے کنول اسے دیکھنے کا ہی چھوٹا ہے ورنہ تم نے دیکھ بھی لیا...... میں کہتی ہوں گووند جی کیا ابھی تک دیور جی کا حصہ پورا نہیں ہوا...... جب بھی آتے ہیں نوٹوں کے گڈے کے گڈے لے جاتے ہیں...... کب تک دیتے رہیں گے انہیں، ہمارے بھی بچے ہیں...... اب ان کا رہا کیا ہے...... جائیداد میں اپنے حصے سے زیادہ ہی وصول کر چکے ہیں...... اب کے آئیں تو بتاؤ صاف کہ ان کا حصہ انہیں مل چکا ہے...... ہم اپنے پاس سے اب کچھ نہیں دے سکتے...... ہمیں بھی بچے پالنے ہیں...... لے جائیں اپنی سوغات یہ کنول اور وشال رکھیں اپنے پاس یا کہیں چھوڑ دیں...... ارے ہاں۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم...... جب رتن انہیں نہیں رکھتا تو ہم یہ جرمانہ کیوں بھریں...... ذرا ٹھاکر صاحب کو چلا جانے دو پھر میں بھیا جی سے بات کروں گا...... گووند راج نے کہا۔

راؤ خاندان کا شیرازہ منتشر ہونے کو تھا اور رتن راج کی پتنی اور بیٹے کے لئے ان لوگوں کے من میں زہر اُبل رہا تھا، مگر وہ بھول گئے تھے اس انوکھے زہریلے کو جس کا کاٹا پانی نہیں مانگ سکتا تھا...... اتنا زہریلا تھا وہ۔

ٹھاکر اودھے چرن کافی عرصہ قیام کر کے بالآخر واپس چلے گئے...... وہ دل پر بوجھ لے کر گئے تھے...... اس خاندان سے دلی انسیت رکھتے تھے لیکن جو کچھ دیکھا تھا اس نے انہیں مایوس کر دیا تھا...... پرانے لوگ اقدار رکھتے تھے، مروت رکھتے تھے...... گھروں کے رسم و رواج تھے...... بزرگوں کا احترام تھا لیکن نئی نسل نے اچھی باتیں صرف اس لئے چھوڑ دی تھیں کہ وہ پرانوں کی فرسودہ روایات تھیں...... راؤ خاندان کی بہوؤں کے تیور بتا رہے تھے کہ بالآخر وہ اس خاندان پر برا وقت لائیں گی...... بہرحال باہر کے لوگ اس سلسلے میں کیا کر سکتے تھے...... پھر بھی وہ بہت سی نصیحتیں کر کے گئے تھے...... منورما اور کرن وتی نے ناک بھوں چڑھانے کے علاوہ کچھ نہیں کیا تھا...... آخر میں ٹھاکر صاحب وشال اور کنول سے ملے تھے۔

"میں جا رہا ہوں وشال بیٹے...... تم بہت ذہین، بہت سمجھدار ہو لیکن چھوٹے ہو...... زمانے کو سمجھنے میں تمہیں ابھی وقت لگے گا...... ایک بات کہنا چاہتا ہوں بھگوان نے اس چھوٹی سی عمر میں ہی تمہارے اوپر تمہاری ماں کی ذمہ داری ڈال دی ہے۔

"جی دادا جی...... وشال نے کہا"۔

"یہ بات تم سمجھتے ہو"۔

"اچھی طرح"۔

"ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے تمہیں بہت محنت اور سمجھداری سے کام لینا ہوگا...... بھگوان نے تمہارے اس ننھے سے شریر میں انوکھی طاقت بھردی ہے مگر جسمانی طاقت کا استعمال زیادہ فائدہ نہیں دیتا۔

"جی داداجی......وشال نے مسکرا کر کہا تھا"۔

"دماغ کی طاقت اس سے بڑی ہوتی ہے"۔

"ایک وعدہ کریں داداجی......زندہ رہیں گے اور دوسری بار بھی ہندوستان آئیں گے......وشال نے کہا"۔

"میں سمجھا نہیں بیٹے؟"۔

"جو کچھ دیکھ کر جا رہے ہیں میں آپ کو اس کا دوسرا دور دکھانا چاہتا ہوں"۔

"تمہاری بات میں سمجھ رہا ہوں بیٹے...... جیون تو جیون داتا کے ہاتھ ہے مگر بھگوان سے دعا ہی کروں گا کہ وہ دوسری بار بھی مجھے تمہارے بیچ لائے اور میں تمہیں پھولے پھلے دیکھوں...... ٹھاکر صاحب نے کہا...... پھر وہ چلے گئے۔

منورما اور کرن وتی نے ان کے جانے کے بعد سکون کا سانس لیا تھا...... "یہ زبردستی کے رشتے دار بھی خوب ہوتے ہیں......میں کہوں تمہاری دوستی جن سے تھی صاحب اس سنسار میں نہیں رہے...... دوسروں کا کیا دوش ہے کہ ان کے سینے پر مونگ دلو......اتنے بڑے پریوار کی سیوا کرتے کرتے کمر ٹوٹ گئی...... منورما نے کہا۔

"اب آ ہی گئے تھے تو کیا کرتے...... کرن وتی ہنس کر بولی"۔

"مجھے تو یہ نصیحتیں کرنے والے ایک آنکھ نہیں بھاتے"۔

"کیا کریں بے چارے کرنے کو کچھ اور نہیں ہوتا تو نصیحتیں ہی کرتے ہیں"۔

"ارے ہاں کان پک گئے تھے ان کی بیکار باتیں سنتے سنتے...... میں تو پریشان ہو کر رہ گئی تھی"۔

"چلو اب تو چلے گئے"۔

"ہاں بھابی جی وہ آپ سے ایک بات کرنی تھی...... منورما نے یہ فضا اسی لئے پیدا کی تھی کہ جو کچھ اس نے سوچا ہے اس میں کرن وتی کو بھی اپنا ہمدرد بنا لے...... بھائیوں کی بات اور تھی، خون کو جوش آ سکتا تھا اور بھائی دوسرے بھائی کی حمایت کر سکتا تھا، اگر تنہا ہوتی تو مات کھا سکتی تھی......ہاں اگر کرن وتی بھی اس کے مشن میں شامل ہو جائے تو پھر بات بن جائے گی۔

"کیا بات ہے منورما"۔

"بھابی حالات بگڑتے ہی جا رہے ہیں...... آپ وشال کو دیکھ رہی ہیں مجھے تو وہ شیطان کا دوسرا روپ لگتا ہے...... دیکھنے میں ذرا سا فتنہ ہے مگر تن کا پورا ہے، نہ جانے کیا کھاتا ہے...... بدن نہیں بڑھ رہا مگر پھر بھی باتیں دیکھو...... رہی کنول تو پٹواری کی بیٹی ہے، شکل ہی سے اناتھ لگتی ہے جو کوئی دیکھتا ہے رحم کھا جاتا ہے اور دونوں ماں بیٹے دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کر لیتے ہیں...... کبھی کچھ ہو جائے تو ہم ہی قصوار وار کہلائیں گے......میں چاہتی ہوں بھابی جی اس کے لئے کچھ کریں۔

"کیا کریں منورما...... کرن وتی نے پوچھا۔

"رتن بھیا کے لچھن الگ خراب ہیں...... کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں بھگوان جانے آتے ہیں اور نوٹوں کے بنڈل لے جاتے ہیں...... بھائی تو کبھی ہاتھ نہ روکیں گے، ہم خالی ہاتھ ہو جائیں گے......دولت کے آنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے......کل اپنے بچے بڑے ہوں گے تو کیا ہوگا......رتن نے بہت بڑا دل کیا ہے، کوئی حساب نہیں کیا مگر یہ ان کی چالاکی ہے...... آپ دیکھ لیں ایک دن کہیں گے کہ انہوں نے کچھ لیا ہی کہاں ہے"۔

"یہ ساری باتیں تو ٹھیک ہیں مگر کریں کیا؟ کرن وتی نے کہا۔

"دوٹوک بات کریں...... بڑے بھیا سے بھی کہیں حساب کتاب کرلیں...... رتن جی اتنا لے چکے ہیں کہ اب ان کا کچھ نہیں ہے...... ہمارے آگے بھی سنتان ہے...... حساب کتاب کریں اور اپنی پتنی اور بیٹے کو یہاں سے لے جائیں...... ہم کیوں انہیں پالیں، ہمارا کیا دوش ہے، رحم کھا سکتے تھے مگر وشال۔

"میں سمجھ رہی ہوں...... اس نے تو وکرم اور گوپال سے بیر ہی باندھ لیا ہے...... آخر شیکھر بھی تو ہے دوسرے سارے بچے مل جل کر رہتے ہیں اس کے سوائے۔

"اس کا کارن کنول رانی جی ہیں، خود معصوم ہی رہتی ہیں اور ہمارے لئے وشال کو تیار کر رہی ہیں"۔

"تم نے گووند سے بات کی"۔

"ہاں وہ تیار ہیں"۔

"ٹھیک ہے...... میں راگھو سے بات کروں گی...... کرن وتی نے کہا۔

گھر میں عورت راج تھا اور جن گھروں میں عورت راج ہوتا ہے وہاں کے فیصلے عقل سے نہیں ہوتے، ان میں وحشت اور درندگی ہوتی ہے اور خاص طور سے اگر یہ فیصلے کسی عورت کے لئے ہوں...... عورت کی دشمن عورت سے زیادہ کوئی نہیں ہوتی۔

✡

حویلی کا سب سے خراب اور کسی حد تک ناکارہ حصہ دونوں ماں بیٹوں کو دیا گیا تھا لیکن کنول کی پیشانی پر شکن بھی نہ پڑی تھی...... اس نے خوشی سے یہ تبدیلی قبول کر لی تھی...... رتن راج کی بے رخی دیکھ چکی تھی اور خود کو غیر محفوظ سمجھتی تھی...... اگر ان لوگوں سے بھی بنا کر نہ رکھتی تو کہاں جاتی...... وشال نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا...... وہ ماں سے زیادہ ٹھنڈے مزاج کا تھا اور کسی بات پر توجہ ہی نہیں دیتا تھا بلکہ

اس حصے میں آکر وہ بہت خوش تھا۔

"کتنے اچھے لوگ ہیں ماں جی ہمارا کتنا خیال رکھتے ہیں...... مجھے کسی ایسی ہی جگہ کی ضرورت تھی، سوانہوں نے پوری کر دی۔

"تو خیال مت کرنا وشال یہ جگہ کیا بری ہے...... اچھا ہے ان سے الگ تھلگ رہیں گے...... اپنے من کی کریں گے"۔

"ارے نہیں ماتا جی اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ یہاں آکر میں اداس ہو جاؤں گا تو یہ تمہاری بھول ہے...... یہاں تو تہہ خانہ بھی ہے...... اس میں اپنی لیبارٹری بناؤں گا میں"۔

"لیبارٹری"۔

"ہوتی ہے ہوتی ہے...... بن جائے گی تو دکھاؤں گا...... وشال نے کہا"۔

"کیا ہوتا ہے اس میں"۔

"اس میں ایٹم بم بنتے ہیں...... ہائیڈروجن بم بنتے ہیں...... زہریلی گیسیں بنتی ہیں...... اتنی زہریلی کہ راؤ خاندان کے سارے سورما ایک منٹ میں موت کی نیند سو جائیں...... ان کے سارے حمایتی ایک بار سوئیں تو دوبارہ کبھی نہ اُٹھیں"۔

"کیا بک رہا ہے وشال...... کنول نے غصے سے کہا"۔

"کیوں ماں"۔

"کیا راؤ خاندان تیرا نہیں ہے"۔

"میرا......؟ وہ طنز سے بولا"۔

"رتن راج کا بیٹا نہیں ہے تو...... اسی خاندان کا بیٹا کہلاتا ہے...... اسے نقصان پہنچائے گا تو یہ خاندان ہی تو تیری پہچان ہوگا آگے چل کر"۔

"اپنی پہچان تو میں خود ہوں ماتا جی، یہ خاندان آگے چلے گا تو کیا ہمیں اپنے ساتھ

لے جائے گا...... ہمیں جن کا کوئی سرپرست یا کوئی رکھوالا نہیں ہے...... رتن راج بھی نہیں، جن کے نام پر ہم اس حویلی میں پڑے ہوئے ہیں"۔

"سمے بدل جاتا ہے وشال، سمے خود بخود بدل جاتا ہے میرے بچے...... برا وقت اچھے وقت میں بدل جاتا ہے...... بھگوان سے آس نہیں توڑنی چاہئے...... تو راؤ خاندان کے خلاف کچھ نہیں کرے گا...... سمجھا یہ تیرا خاندان ہے...... یہ ہمارا خاندان ہے...... چند لوگ برے ہیں سارے تو نہیں...... ان کے خلاف تو نے کچھ کیا تو سمجھ لے اچھا نہیں ہوگا"۔

وشال ہنس پڑا...... "تو تو ایسے کہہ رہی ہے ماں جیسے میں نے ایٹم بم بنا کر راؤ خاندان پر دے مارا ہو...... ارے یہ تو لیبارٹری کی بات تھی، تو نے پوچھا تھا کہ لیبارٹری کیا ہوتی ہے...... میں نے تجھے بتادیا کہ لیبارٹری میں کیا بنتا ہے...... بڑے بڑے تجربے ہوتے ہیں اس میں ماں...... جیون کے بڑے بڑے سخت تجربے...... اور پھر ماں...... میں تیری سوچ سے متفق نہیں ہوں...... انسان اپنی شناخت خود کراتا ہے...... دوسرے اسے کچلنے میں کسر نہیں چھوڑتے...... بس ان کے پیروں کے نیچے سے نکلنے کا فن آجائے...... میں یہ فن حاصل کر کے رہوں گا ماں...... اور ایک بات تو اور سن لے...... میں ان میں سے نہیں ہوں جو رحم طلب نگاہوں سے دوسروں کی سمت دیکھتے ہیں...... میں وہ ہوں جو دوسروں پر رحم کھاتے ہیں...... میری پہچان تو یہ خود بنیں گے ماتا جی...... میں ان باتوں کو نہیں مانتا جو دیوی اور دیوتاؤں کی ہیں...... آکاش پر رہنے والے دھرتی کے باسیوں پر رحم کرتے ہیں...... دھرتی کے باسی بے چارے تو کمزور ہوتے ہیں...... وہ لڑتے ہیں، بھونکتے ہیں، ایک دوسرے پر...... جھگڑتے ہیں...... اور اگر ایسا نہ ہو ماتا جی تو پھر انہیں آکاش پر رہنے کو جگہ کیوں نہ مل جائے...... منش کو دھرتی کا باسی ہونا چاہئے...... آکاش باسی بننے کی کوشش بے وقوفی کی علامت ہے......

وشال بولا۔

"تیری باتیں سمجھنے کے لئے تو بس تربوز جیسا دماغ چاہئے"۔

"تربوز جیسا نہیں ماتا جی...... تربوز تو بہت چھوٹا ہوتا ہے...... وشال نے مسکراتے ہوئے کہا"۔

"میرا دماغ مت چاٹ تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں"۔

"صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں ماتا جی"۔

"کہہ جلدی کہہ اور اپنا کام کر...... کنول جھلا کر بولی"۔

"انسان کو کسی پر رحم نہیں کھانا چاہئے...... اگر وہ دوسروں پر رحم کھائے گا تو خود قابل رحم بن جائے گا...... جہاں جو کچھ کر سکتے ہو کرو اور اس کے نتیجے میں لوگ گڑگڑاتے ہوئے تمہارے سامنے آئیں تو سوچو ان کے بارے میں کہ ان پر رحم کیا جا سکتا ہے یا نہیں...... اگر نہیں تو فنا کردوا نہیں اور اگر من چاہے تو کبھی کبھی رحم بھی کھالو"۔

"میں تو تجھ سے بس ایک بات کہتی ہوں"۔

"بول ماں"۔

"بیٹا اپنے پتا جی کے پریوار کو کوئی نقصان مت پہنچانا"۔

"تیری باتیں ماں...... میں کیا اور میری اوقات کیا...... ذرا دیکھ میرے ہاتھ پاؤں...... کیا میں اس قابل ہوں کہ کسی کو نقصان پہنچا سکوں...... بس تجھ سے ہنسی کرنے کو دل چاہتا ہے تو کر لیتا ہوں، جو لیبارٹری میں بناؤں گا نا ماں اس میں کھلونے ہوں گے...... ایسے کھلونے جو میرا دل بہلائیں گے...... اب تو دیکھ یہ سارے کے سارے تو میرا انداق ہی اڑاتے ہیں بس...... کون مجھ پر توجہ دیتا ہے...... میرے اپنے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہئے ماتا جی"۔

"ہاں ہاں بس...... میں یہ تہہ خانہ ہمیشہ کے لئے بند کر دوں گی اس میں تالا

ڈال دوں گی“۔

”نہیں ماں اس میں تالا نہیں ڈالنا، بلکہ اس کے دروازے میں اینٹیں چنوا دینا تاکہ یہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے...... وشال نے کہا۔

”ہاں ہاں میں ایسا ہی کروں گی...... تیرے وچار بڑے خراب ہیں...... کنول نے کہا اور وشال مسکراتا رہا“۔

کنول نے در حقیقت یہی کیا تھا...... تہہ خانہ کا وہ دروازہ جو ایک ٹوٹے ہوئے بے کواڑ دروازے کی شکل میں تھا...... اینٹوں سے بند کرا دیا گیا اور وشال نے اس پر بڑے اطمینان کا اظہار کیا، لیکن اس نے اپنے لئے دوسری راہیں تلاش کر لی تھیں۔

ایک ٹوٹی دیوار کے نیچے ایک چھوٹا سوراخ نمودار ہو گیا، جو وشال کی کوششوں کا نتیجہ تھا...... یہ سوراخ اتنا تھا کہ وشال جیسا کوئی ننھا سا بدن ہی اس میں داخل ہو سکتا تھا...... اور پھر اسی سوراخ کے ذریعے اس تہہ خانے میں وشال کا آنا جانا ہو گیا...... اندر کی صفائی کی گئی، روشنی کا انتظام کیا گیا...... وشال نے بڑی مہارت سے تہہ خانے میں اپنی پسند کی چیزیں پہنچا دی تھیں اور یہ سوراخ اس کے لئے بڑا معاون تھا...... کوئی دیکھ کر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس سوراخ کے ذریعے کوئی کارروائی کی جاتی ہو گی۔

تہہ خانے کی لیبارٹری تیار ہونے لگی...... نجانے کیا کیا الم غلم چیزیں وشال کے ذریعے وہاں تک پہنچ رہی تھیں...... لوہے کی راڈیں، گاڑیوں کے ٹوٹے ہوئے پرزے، بڑی بڑی اسپرنگیں اور ایسا ہی بہت کچھ...... وشال وہاں کئی کئی گھنٹے مصروف رہتا تھا۔

اس کی تعلیمی سرگرمیاں بھی جاری تھیں...... بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ ساتھ وہ اپنے امتحانات بھی پاس کرتا جا رہا تھا...... دوسرے بچے بھی پڑھ رہے تھے...... راؤ خاندان اپنے راستے پر گامزن تھا...... پھر اس شام ایک اور واقعہ ہو گیا۔

اس دن بھی اتفاق سے راگھو راؤ کے کچھ دوست آئے ہوئے تھے...... یہ سب

اس گھر کے شناسا تھے...... لڑکے لڑکیاں بھی تھے ان میں...... اب یہ نجانے کس کی بد قسمتی تھی کہ وشال بھی اتفاق سے ان لوگوں کو نظر آ گیا...... وشال اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے سب ہی کے لئے باعث دلچسپی ہوتا تھا...... اسے زبردستی بلا لیا گیا اور وہ لوگ اس پر پھبتیاں کسنے لگے...... ہنسنے اور مذاق اُڑانے لگے...... پدمنی نے کہا۔

”ارے ایک واقعہ سنا تھا میں نے...... ابھی تھوڑے دن پہلے کی بات ہے...... میں نے سنا تھا وشال جی بڑے طاقتور ہیں اور انہوں نے کئی لوگوں کو رسے کھینچنے میں مات دے دی...... پتہ نہیں یہ بات کس نے بتائی تھی مجھے...... سب خاموش ہو گئے، کیونکہ حقیقت تھی...... وشال مسکرانے لگا تھا...... ”ہاں پدمنی جی طاقت بھگوان کی دین ہوتی ہے اور بھگوان کسی کو بدن دیتا ہے اور کسی کو دماغ...... خیر چھوڑیں ان باتوں کو...... گوپال بھیا نے ایک دن مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے سر سے اونچا اٹھا کر پٹخ دیں گے...... میں نے سوچا تھا کہ چلو گوپال بھیا کا مان رکھ لیا جائے...... خواہ مخواہ انہیں ایسی ہی شرمندگی ہو گی، جیسی اس دن ہوئی تھی۔

”کیا بکواس کرتا ہے...... تو نے مجھ سے کشتی لڑی کب تھی......؟“۔

”اس لئے ہی نہیں لڑی بھیا کہ تم مجھے سر سے اونچا اٹھا کر نہیں پھینک سکو گے اور سب لوگ تم پر ہنسیں گے“۔

”جب دل چاہے تجربہ کر کے دیکھ لینا...... ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں تو شکایت مت کرنا“۔

”ہم دونوں ماں بیٹے، شکایت تو کبھی کسی سے نہیں کرتے گوپال بھیا...... یہ بات تو تمہاری ماتا جی بھی بتا سکتی ہیں“۔

”کیا بکواس کر رہا ہے وشال...... میرا ذکر بیچ میں کہاں سے آ گیا؟“ کرن وتی نے چمک کر کہا“۔

"نہیں تائی جی...... میں تو گوپال بھیا سے بات کر رہا تھا...... وشال مسکراتے ہوئے بولا"۔

"ماتا جی تم ہمیشہ مجھ روک دیتی ہو...... یہ حد سے آگے بڑھتا جا رہا ہے...... دوسروں کے سامنے ہم سب کی توہین کر دیتا ہے...... گوپال نے کہا"۔

"اوہنہ...... اپنے پتا جی سے کہو، مجھ سے کیا کہہ رہے ہو...... کرن وتی نے کہا"۔

"وشال جاؤ تم اپنے کمرے میں جاؤ"۔

"جی تایا جی...... وشال نے کہا...... لیکن گوپال نے لپک کر اسے پیچھے سے پکڑ لیا تھا"۔

"تو ان سب کے سامنے میرا مذاق اُڑا کر جا رہا ہے...... لڑے گا کشتی مجھ سے"۔

"رہنے دو گوپال بھیا...... کپڑے خراب ہو جائیں گے میرے...... کیا فائدہ"۔

"تو کپڑے بدل کر آ جا...... دیکھوں ذرا تیرے بدن میں کتنی جان ہے...... گوپال بری طرح چڑ گیا تھا"۔

"تایا جی سے تو پوچھ لو...... بعد میں مجھے ڈانٹا جائے گا"۔

"جا جا میں کہہ رہا ہوں...... تایا جی تجھے نہیں روکیں گے...... ہاں اپنی ماتا جی سے پوچھ کر آنا...... اگر کوئی نقصان پہنچ گیا تو میں ذمہ دار نہیں ہوں...... گوپال نے کہا اور وشال خاموشی سے واپس چلا گیا...... زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ دوبارہ آتا ہوا نظر آیا...... سب ہی دلچسپی سے اسے دیکھ رہے تھے...... اس کا مطلب تھا کہ وشال نے گوپال کا چیلنج قبول کر لیا تھا...... اور اب تیار ہو کر آ رہا تھا۔

اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا لباس پہنا ہوا تھا اور اس لباس میں وہ اور زیادہ مضحکہ خیز لگ رہا تھا...... چند لمحات کے بعد وہ ان لوگوں کے درمیان پہنچ گیا۔

"گوپال بھیا...... میں آ گیا ہوں...... کشتی وغیرہ نہیں ہوگی میرے اور تمہارے

درمیان...... تم بس مجھے سر سے اونچا اٹھا کر نیچے پٹخ دو بات ختم ہو جائے گی...... گوپال غصیلے انداز میں کھڑا ہو گیا تھا۔

تمام لوگ دلچسپی سے انہیں دیکھنے لگے...... کرن وتی کی آنکھوں میں فخر کے آثار تھے اور منورما کسی قدر تشویش زدہ نظر آ رہی تھی...... وہ یہ دیکھ چکی تھی کہ اس دن وہ دونوں گروہ وشال کو کھینچنے میں ناکام رہے تھے...... اب اس وقت دیکھنا تھا کہ کیا ہوتا ہے۔

وشال گوپال کے سینے سے بدن ملا کر کھڑا ہو گیا...... اس کے ننھے ننھے ہاتھ ایک لمحے کے لئے گردش میں آئے تھے اور اس کے بعد اس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

گوپال نے طاقت کے زعم میں اسے کمر سے پکڑا اور بجرنگ بلی کا نعرہ لگا کر اسے اوپر اٹھایا...... وشال کسی پھول کی مانند تقریباً تین فٹ اونچا اٹھ گیا...... لیکن اس کے بعد گوپال نے اپنے بدن کی پوری قوت صرف کر دی...... پتہ نہیں کون سا منوں وزن آ پڑا تھا جس کی وجہ سے گوپال اسے اس سے زیادہ اونچا اٹھا نہیں پا رہا تھا...... وہ پسینہ پسینہ ہو گیا اور بری طرح ہانپنے لگا...... تب اس نے وشال کو چھوڑ دیا۔

وشال نے مسکراتے ہوئے گوپال کا پیٹ تھپتھپایا اور بولا۔

"گوپال بھیا...... میرے سلسلے میں تم اپنی کسی کوشش میں جیون بھر کامیاب نہیں ہو سکو گے...... بہتر یہی ہے کہ تم میرے بارے میں ایسی باتیں سوچنا چھوڑ دو"۔

گوپال نے سخت شرمندگی اور بے بسی سے وہاں موجود لوگوں کو دیکھا اور پھر گردن جھٹک کر پیچھے ہٹ گیا...... وشال آہستہ آہستہ وہاں سے واپس چلا گیا تھا...... یہ شرمندگی اور شکست گوپال کے لئے ناقابل برداشت تھی، لیکن کیا کیا جا سکتا تھا...... سب ہی نے یہ منظر دیکھا تھا...... کہ قوی ہیکل گوپال اس ننھے بونے کو تین فٹ سے زیادہ اونچا نہیں اٹھا سکا تھا اور ننھا بونا وہاں سے اب کافی دُور چلا گیا تھا...... اس ننھے بونے

نے اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس میں سے ہاتھ ڈال کر اسٹیل کا ایک سپرنگ نکالا...... سپرنگ میں اوپر اور نیچے مضبوط ہک بنے ہوئے تھے اور صورت حال صرف اتنی تھی کے اس نے سپرنگ کا ایک سرا گوپال کی اس بیلٹ میں پھنسا دیا تھا جو گوپال نے اپنی کمر پر باندھی ہوئی تھی اور دوسرا سرا ایک اور بیلٹ میں...... جو وشال نے اپنے سینے پر باندھی ہوئی تھی...... سپرنگ بہت ہارڈ تھا اور ایک مخصوص بلندی تک اُٹھانے کے بعد اگر وشال کو مزید اوپر اٹھانے کی کوشش کی جاتی تو سپرنگ کے دونوں سرے کھنچنے لگتے تھے...... سپرنگ اتنا سخت تھا کہ گوپال اسے کھینچ نہیں پایا تھا...... بس اتنی سی بات تھی لیکن کام اتنی صفائی سے کیا گیا تھا کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

وشال اپنے اس سوراخ کے ذریعے اس لیبارٹری میں داخل ہو گیا جس میں اب الم علم چیزوں کی بھرمار تھی...... وہ کمر پر دونوں ہاتھ رکھے لیبارٹری کا جائزہ لیتا رہا...... سپرنگ احتیاط سے ایک جگہ رکھا اور اس کے بعد اسی سوراخ سے واپس نکل آیا۔

٭

وشال کی ہر کامیابی ان لوگوں کے دلوں میں آگ بھڑکا دیتی تھی...... اس وقت بھی سب ہی کو شرمندہ ہونا پڑا تھا...... کرن وتی اور منورما تو حیران تھیں کہ اس ننھے سے وجود میں اتنی طاقتیں کہاں سے آگئیں، لیکن جو کچھ بھی تھا...... اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں تھا، جو کچھ تھا ان کی نگاہوں کے سامنے تھا...... حویلی کے تقریباً تمام معاملات میں کنول اور وشال کو نظرانداز کر دیا جاتا تھا، نہ ان کے لباس پر کوئی توجہ دی جاتی تھی اور نہ کھانے پینے پر...... جبکہ باقی سب لوگ مل جل کر رہتے تھے...... بس یہی دونوں راندۂ درگاہ تھے...... پھر ایک دن رتن راج حویلی واپس آگیا...... منورما اور کرن وتی اپنے پتی کو سمجھا چکی تھیں اور راگھو راج اور گووند راج جی اس بات کے لئے بالآخر تیار ہو گئے تھے کہ اس بار رتن راج آئے تو اس سے جائیداد کا حساب کر لیا

جائے...... کھاتے تلاش کئے گئے تھے اور ان میں ان رقومات کا اندراج کر لیا گیا تھا جو رتن راج نے وقتاً فوقتاً ان سے لی تھیں...... ان سے پہلے تو کبھی نہیں سوچا گیا تھا، لیکن عورتوں کی نشاندہی پر واقعی انہیں یہ خیال آیا تھا کہ رتن راج کرتا کراتا تو کچھ نہیں ہے، بس دولت اُڑا رہا ہے...... اور وہ بھی بے تحاشہ...... جبکہ دولت میں اضافہ ان دونوں کی محنت سے ہو رہا ہے اور کم از کم اس اضافی دولت میں رتن راج کا کوئی حصہ نہیں ہے، کیونکہ وہ راجہ موہن راؤ کی چھوڑی ہوئی نہیں تھی۔

رتن راج ہمیشہ کی طرح ہنستا مسکراتا حویلی میں داخل ہو رہا تھا...... بھابیوں سے مذاق، بھائیوں سے دلچسپ گفتگو اس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں تھی، لیکن اس نے ان لوگوں کا بدلا بدلا پن محسوس کر لیا تھا۔

پھر جب ابتدائی معاملات سے فراغت حاصل ہوئی تو رتن راج کو راگھو راؤ نے اپنے کمرے میں طلب کر لیا...... رات کا وقت تھا اور رتن راؤ جس وقت سے یہاں آیا تھا اس وقت سے لے کر اب تک اس نے ایک بار بھی اپنے بیٹے یا پتنی کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا اور نا ہی وہ ان کی طرف گیا تھا...... کمرے میں داخل ہو کر رتن راج نے کہا۔

”بھیا جی...... کچھ پیسے چاہئے تھے؟“۔

”رتن راج تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں...... میں نے اسی لئے تمہیں اپنے کمرے میں بلایا ہے...... ابھی گووند بھی آتا ہو گا“۔

”بولیں بھیا جی کیا باتیں کرنی ہیں...... رتن راج جلدی سے بولا...... اس وقت گووند، منورما اور کرن وتی ساتھ ساتھ ہی کمرے میں داخل ہو گئے...... رتن راج انہیں دیکھ کر مسکرانے لگا...... پھر بولا“۔

”یوں لگتا ہے جیسے کوئی بہت ہی خاص بات ہے“۔

"ہاں رتن راج ایک طرح سے تم اسے خاص بات ہی کہہ سکتے ہو...... راگھو راؤ بولا"۔

"کہئے بھیاجی...... میں تو سمجھتا ہوں ساری خاص باتیں آپ ہی لوگوں تک رہنی چاہئیں...... آپ کے راج میں راج کر رہے ہیں...... رتن راج...... لیکن اگر ایسی ہی کوئی ضرورت ہے تو جلدی سے بتادیجئے"۔

"رتن راج دراصل میرا...... گووند کا اور تمہاری بھابیوں کا خیال ہے کہ جائیداد اور دوسرے ترکے کا حساب کتاب کر لیا جائے"۔

"اس کی وجہ بھیاجی...... رتن راج نے تعجب سے پوچھا"۔

"وجہ صرف یہ ہے کہ اس سے پہلے حویلی میں، میں تھا، تم تھے، گووند تھا اور ہمارے ماتا پتا...... پتا جی کے بعد ماتا جی رہ گئی تھیں، لیکن ان کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا...... لیکن اب صورت حال مختلف ہے...... ہماری اولادیں کافی ہیں اور ہمیں یہ فیصلے کرنے ہیں کہ مستقبل میں ہم انہیں کیا دیں گے...... ہم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں رتن راج وہ اتنا نہیں ہے کہ اس سے بے تحاشہ آمدنی ہوتی ہو...... پتا جی کی چھوڑی ہوئی دولت اور جائیداد جس پوزیشن میں ہے اس سے اس دولت میں اضافے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... سارے کام یوں سمجھو چل ہی رہے ہیں...... منورما کا خیال ہے کہ ان تینوں حصوں کو الگ الگ کر لیا جائے تاکہ بعد میں گڑبڑ نہ ہو...... ہم لوگ بھی اس بات پر تیار ہو ہی گئے ہیں...... ہم یہ نہیں کہتے رتن راج کہ تم جائیدادوں کی دیکھ بھال میں یا کاروبار میں کوئی حصہ نہیں لیتے...... چلو ٹھیک ہے بھائی کی حیثیت سے یہ بات نظر انداز کی جاسکتی ہے...... لیکن اتنا خرچ کر چکے ہو تم کہ اب تمہیں دینے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔

"ارے بھیاجی کیسی باتیں کرتے ہیں...... کیا میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے آپ کی

اولادوں جیسا نہیں ہوں"۔

"ہو رتن راج...... ضرور ہو، مگر یہ تو سوچو کہ ہمیں اپنی اولادوں کو بھی زندہ رکھنا ہے...... تم چھوٹے ہو کر اگر سب کچھ خرچ کر بیٹھے تو کل کیا وہ دن نہیں آجائے گا کہ ہماری اولادیں بے بسی سے زندگی گزاریں...... اس بار منورما نے مداخلت کی۔

"نہیں بھابی جی بھگوان کا دیا اتنا ہے ہمارے پاس کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی"۔

"یہی تو غلط فہمی ہے تمہاری...... بھگوان کا دیا اتنا نہیں ہے ہمارے پاس...... جتنا تم سوچ رہے ہو...... ذرا غور تو کرو...... تم کیا خرچ کر چکے ہو اب تک...... اپنی عیاشیوں میں اور اپنی تفریحات میں"۔

"مجھے غور نہ کراؤ بھیا تو بہتر ہے...... سنو جو کچھ کہنا چاہتے ہو کھل کر کہہ دو...... میں تمہاری باتوں سے ایک عجیب سی اُلجھن محسوس کر رہا ہوں...... میں نہیں چاہتا کہ ان باتوں میں...... میں خود بھی شامل ہو جاؤں...... ساری باتیں اپنی جگہ، آج تک عزت کرتا رہا ہوں تم دونوں کی...... رتن راج کا لہجہ بدل گیا...... گووند راج اور راگھو راج نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا...... بلاشبہ وہ رتن راج سے اچھی طرح واقف تھے، بگڑ گیا تو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا...... پھر بھی راگھو راج نے کہا۔

"یہ تمام حساب کتاب تمہارے سامنے ہے اور پھر بھی تم اپنا وہ حصہ لے چکے ہو جو ان جائیدادوں اور بچی کھچی رقم میں سے بنتا ہے"۔

"پورا حصہ لے چکا ہوں...... رتن راج نے سوال کیا"۔

"ہاں...... بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ...... لاکھوں روپے کی رقم تم نے لے لی ہے...... آج ساری جائیدادیں بیچنے بیٹھو اور سارے ترکے جمع کر لو...... تب بھی تمہاری لی ہوئی رقم کے جیسے تین حصے نہیں بنتے"۔

"سنیں بھیا جی...... میں کوئی حساب کتاب نہیں کرنا چاہتا...... دس لاکھ روپے چاہئیں مجھے اور یہ دس لاکھ روپے آپ کو دینے ہی ہیں...... اب جب یہاں تک بات آگئی ہے تو پھر میں آپ کو بھی خوش کر دوں...... دراصل میں یورپ جا رہا ہوں...... بھیا جی میں نے دوسری شادی کر لی ہے...... سلکھشنا بہت اچھی عورت ہے...... بڑے اعلیٰ خاندان کی...... میں نے اس سے شادی کرنے کے بعد اسے الگ مکان میں رکھا ہوا ہے...... ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ہم یورپ میں رہیں گے...... یہ دس لاکھ روپے مجھے ہر قیمت پر درکار ہیں...... ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد میں آپ کو پیسے کے لئے کبھی تکلیف نہ دوں...... دو چار لاکھ کی بات اور ہے، اگر کبھی ضرورت پڑی تو لے لوں گا آپ سے...... لیکن یہ دس لاکھ روپے یورپ جانے کے لئے انتہائی ضروری ہیں اور اس کے بعد اگر آپ چاہیں تو میرا حصہ ختم کر سکتے ہیں...... کوئی بھی کاغذ بنا لیں...... میں ان پر دستخط کئے دیتا ہوں۔

راگھو راج اور گووند راج نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی...... رتن نے جس لہجے میں یہ بات کہی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دس لاکھ روپے اسے دینے ہی پڑیں گے...... پھر بات کیوں خراب کی جائے، دونوں نے آپس میں اشارے بازی کی پھر راگھو راج نے کہا۔

"ہر چند کہ دس لاکھ کیا دو لاکھ بھی نہیں بنتے تمہارے، لیکن ہم اپنے حصوں میں سے یہ رقم تمہیں دینے کے لئے تیار ہیں...... البتہ تم نے جو کہا کہ بعد میں تمہیں رقم کی ضرورت پڑ سکتی ہے، تو رتن اس سلسلے میں ہمیں بے بس تصور کرنا...... بعد میں اگر تم نے کچھ مانگا تو یہ صرف برائی پیدا کرنا ہوگا، کیونکہ ہم کچھ دیں گے نہیں"۔

"دس لاکھ روپے دے رہے ہیں آپ...... رتن راج نے سوال کیا؟"۔

"ہاں ٹھیک ہے تم دس لاکھ روپے لے جاؤ ہم برداشت کر لیں گے"۔

"دس لاکھ کہاں سے دیں گے آپ...... منورما نے مداخلت کرنی چاہی"۔

"تم چپ رہو منورما...... جہاں سے بھی ہو سکیں گے کر دیئے جائیں گے آخر رتن ہمارا بھائی ہے، مگر رتن قانونی کارروائیاں مکمل ہو جانی چاہئیں، کاغذات تیار کر لئے گئے ہیں تم دستخط کر دو اور اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ اب جائیداد یا دولت میں سے تمہارا کچھ نہیں رہا ہے...... پتا جی کا ترکہ تقسیم ہو چکا ہے"۔

"کاغذات کہاں ہیں...... رتن راج نے لاپروائی سے کہا...... اور گووند راج نے پہلے سے طے شدہ کارروائی کی تکمیل کر دی...... کاغذات رتن کو دیئے گئے اور رتن راج نے ان پر دستخط کر دیئے...... گووند راج کہنے لگا"۔

"کل تمہیں اوم پرکاش جی کے دفتر میں جا کر اپنے حصے کی وصولیابی کی تصدیق کر دینی ہے"۔

"ٹھیک ہے...... کل دس بجے صبح میں اوم پرکاش جی کے پاس چلا جاؤں گا آپ اطمینان رکھیں"۔

"کب جا رہے ہو یورپ"۔

"بس ایک آدھ ہفتے کے اندر اندر...... بس یوں سمجھ لیں کہ آپ سے رخصت ہونے ہی آیا تھا۔

"یورپ میں کتنے عرصے قیام کرو گے"۔

"ارادہ تو یہی ہے کہ مستقل وہاں رہ پڑوں، لیکن جب بھی آپ کی محبت دل میں آئی اور آپ کی یاد نے زور مارا...... ملنے آجاؤں گا آپ سے...... سلکھشنا بھی یہی چاہتی ہے"۔

"اب ایک بات اور طے کر لو رتن راج...... یہ بھی ضروری ہے...... راگھو راج بولا۔

"طے کرنے کے لئے اور کوئی بات رہ گئی ہے بھیا جی"۔

"ہاں...... ان دونوں کا کیا ہوگا، میرا مطلب ہے وشال اور کنول...... تم نے اپنا حصہ وصول کر لیا ہے، انہیں ہمارے حصے میں کیوں چھوڑے دے رہے ہو...... اگر تم نے دوسری شادی کر لی ہے تو یہ تمہارا کام ہے...... ہمیں اس میں کوئی اعتراض نہیں...... اور نہ ہم نے تم سے اس سلسلے میں کوئی باز پرس کی...... لیکن کنول تمہاری پتنی ہے اور وشال تمہارا بیٹا...... تمہارے یورپ جانے کے بعد ان کی دیکھ بھال کون کرے گا اور ان کے اخراجات کون اٹھائے گا"۔

"اوہ...... وشال اور کنول یہیں ہیں...... رتن راج نے سوال کیا؟"۔

"لو...... تو اور کہاں جاتے وہ......" منورما تنک کر بولی۔

"ہوں پڑا رہنے دو انہیں بھابی جی یا پھر کپسیہ بھجوا دو...... ایسا ہی کرو"۔

"یہ فیصلہ تم ہی کرو...... ہم کچھ کہیں گے تو سوچا جائے گا...... بھابیوں نے ظلم کیا...... میں ابھی کنول اور وشال کو بلاتی ہوں...... بڑا تیکھا ہے تمہارا سپوت...... ننھا سا قد و قامت ہے مگر جتنا اوپر ہے اس سے بیس گنا اندر ہے...... ایسی ایسی باتیں کرتا ہے کہ جی جل کر رہ جائے...... منورما نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد کنول اور وشال کو بھی اس کمرے میں طلب کر لیا گیا۔

رتن راج نے اجنبی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"کنول تم کپسیہ چلی جاؤ...... اپنے پتا جی کے پاس اور وشال کو بھی لے جاؤ...... دونوں وہیں رہو...... میں یورپ جا رہا ہوں اور ایک بات اور سن لو تم...... میں نے دوسری شادی کر لی ہے اور سلکھشنا کو لے کر یورپ جا رہا ہوں...... پھر واپس نہیں آؤں گا...... تم جس طرح بھی چاہو جیون بتاؤ، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن میں تمہیں اب اپنے جیون میں کوئی جگہ نہیں دے سکتا"۔

کنول پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی اور وشال خاموشی سے ایک دیوار سے ٹکا کھڑا رتن راج کو دیکھ رہا تھا۔

"میں کہاں جاؤں گی، اب مجھے...... مجھے یہیں پڑا رہنے دیجئے...... میں نے...... میں نے کیا بگاڑا تھا آپ کا...... دوسری شادی ہی کرنی تھی تو مجھ سے شادی کیوں کی...... میں خود تو نہیں آئی تھی آپ کے پاس...... آپ ضد کر کے مجھے اپنے گھر لائے تھے...... رتن جی...... بھگوان کے لئے مجھ پر نہ سہی اپنے بیٹا پر دیا کیجئے...... ہم...... ہم بے سہارا کہاں جائیں گے...... میں، میں اس گھر کی سیوا کروں گی" مجھے اور میرے بچے کو یہیں پڑا رہنے دیں...... آپ نے جو کچھ کر لیا وہ بھگوان جانے اور آپ...... میں نے پہلے بھی کبھی آپ کے کسی مسئلے میں دخل نہیں دیا اور اب...... اب بھی دخل نہیں دوں گی...... مگر اتنا تو کر دیجئے کہ ہم لوگ اپنی عزت سمیٹے یہاں پڑے رہیں...... بھگوان کے لئے دیا کریں ہم پر۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں ان ساری باتوں کا...... بھیا جی آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں...... اگر آپ اسے اپنے گھر میں رکھ سکتے ہیں تو رکھ لیں مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے...... رتن راج نے بے رحمی سے کہا اور اس کے بعد اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

کنول پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی...... کرن وتی بہر طور کچھ بھی تھی دل کی تھوڑی سی نرم تھی...... کنول کے اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے سے اس کا دل بھر آیا...... اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں کنول تم جہاں رہ رہی ہو وہیں رہو...... بس ذرا اس وشال کو سنبھالے رکھو...... یہ اپنی حرکتوں سے دوسروں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتا ہے"۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ بھابی جی...... کنول یہاں کس حساب میں رہے گی" منورما

نے تلخ لہجے میں کہا اور منورما او نہہ کر کے خاموش ہو گئی۔

"تم نے دیکھ لیا کنول کہ ہمارے دیور جی کس قسم کے آدمی ہیں، ہمیں اس حد تک حق تو نہیں پہنچتا کہ ہم ان کے کسی معاملے میں مداخلت کریں، لیکن جو کچھ ہوا ہے تمہارے سامنے ہی ہوا ہے...... ذرا خیال رکھنا...... میں نے تمہاری ذمہ داری لی ہے، اب کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جس کے لئے مجھے بھی مجبور ہو جانا پڑے...... کنول روتی رہی تھی۔

رتن راج کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ کنول اور وشال کا کیا ہو گا...... ابھی تک تو دوسروں کی زبانی سنا گیا تھا کہ رتن راج نے دوسری شادی کر لی ہے...... ایک آسرا تھا کہ بات جھوٹی بھی ہو سکتی ہے...... مرد کا کیا ہے یہ باتیں عمر کے ایک حصے تک ہوتی ہیں اور اس کے بعد کمر میں درد ہوا سارے کھیل ختم ہو گئے...... سارے چراغ بجھ گئے...... بالآخر گھر لوٹ آتا ہے، لیکن گھر ہو تو سہی اس نے آج سب کے سامنے تصدیق کر کے اس گھر کا وجود ہی ختم کر دیا تھا جہاں اس کے لوٹ آنے کی توقع کی جا سکتی تھی...... کنول کی تقدیر اس کے سامنے تھی، اب اس کا کوئی سہارا نہیں تھا...... وہ اور اس کا بیٹا بے سہارا تھے...... اگر بھگوان کرن وتی کے دل میں دیا نہ ڈال دیتا تو۔

اس دن وہ جی بھر کر روئی تھی...... اپنا کمرہ بند کر کے وہ نہ جانے کب تک روتی رہی تھی...... دل کچھ ہلکا ہوا تو نگاہ سامنے اُٹھ گئی...... وشال تھوڑے فاصلے پر خاموش بیٹھا ہوا تھا...... وہ اُچھل پڑی...... دروازہ بند کیا تھا تو وشال موجود نہیں تھا...... دروازہ اب بھی اندر سے بند تھا۔

"تو...... تو کہاں سے آگیا...... اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا"۔

وہیں سے...... سب ایک ہی جگہ سے آتے ہیں...... میں بھی بھگوان کے اصولوں کے مطابق آکاش سے ہی آیا ہوں...... اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بکے جاتا ہے جو منہ میں آئے...... ارے تو اندر کیسے آگیا"۔

"آپ کیا کر رہی تھیں ماتا جی؟ وشال نے طنز سے کہا"۔

"کچھ نہیں تھک گئی تھی...... بس ذرا یونہی لیٹ گئی تھی"۔

"تھک گئی تھیں"۔

"ہاں"۔

"ابھی سے ماتا جی...... ابھی آپ نے اس سنسار میں کیا ہی کیا ہے"۔

"مجھے کرنا بھی کیا ہے سنسار میں"۔

"میری ضرورت ہے سنسار میں آپ کو"۔

"کیا...... کنول کچھ نہ سمجھی"۔

"میرا خیال ہے مجھے آتم ہتھیا کر لینی چاہئے"۔

"کیا بک رہا ہے"۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں ماتا جی...... میں نے آپ کی پریشانیاں بڑھا دی ہیں، مجھے سنسار میں نہیں رہنا چاہئے اور پھر میں ایک تھکی ہوئی ماں کے بیٹے کی حیثیت سے جینا بھی نہیں چاہتا...... وشال نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا بک رہا ہے...... بھگوان...... بھگوان تجھے میری عمر بھی دے دے"۔

"یہی تھکی تھکی عمر...... یہی ناں ماں...... سنو ماتا جی تمہارا وشال کسی سے ہار نہیں مانتا...... اس کے راستے روکو گی تو...... ماں میں تو تمہارے سہارے آکاش تک جانے والی سڑک بنا رہا ہوں...... اور تم ابھی سے تھک جانے کی بات کر کے مجھے ہی تھکن کا احساس دلا رہی ہو...... لاکھ آنسو روکنے کی کوشش کرنے کے باوجود کنول کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے...... اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"وشال تیرے پتا جی...... تیرے پتا جی...... انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا...... انہوں

نے دوسری شادی کرلی وشال...... اب ہمارا...... اب ہمارا کوئی سہارا نہیں ہے......
وشال اب ہمارا...... اب ہمارا کچھ بھی نہیں ہے اس سنسار میں...... وشال کے ہونٹوں
پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا"۔

"کبھی بھگوان کے سامنے سر جھکایا ہے ماتا جی...... کبھی بھگوان سے باتیں کی ہیں
تم نے...... اگر نہیں کیں تو ایک بار ان کے سامنے جا کر دیکھو کیا کہتے ہیں وہ......؟ پتا جی
راستہ بھٹک گئے ہیں لیکن ان کے لئے بھگوان نے وشال پیدا کردیا ہے...... وشال انہیں
سیدھے راستے پر لے آئے گا ماتا جی...... اگر بھگوان پر اعتماد ہے تو اس سے پوچھنا کہ
وشال جو کچھ کہتا ہے وہ سچ ہے یا نہیں...... اور اگر بھگوان کہہ دے کہ یہ سچ ہے تو پھر
تمہاری آنکھوں میں ایک بھی آنسو نہیں آنا چاہئے...... جاؤ ماتا جی وشال اس قابل
نہیں ہے کہ تمہیں تمہارے مستقبل کا یقین دلائے...... بھگوان کو تو مانتی ہو نا تم......
اسی سے پوچھ لو جا کر اور سنو جب بھگوان تم سے یہ کہہ دے کہ اس نے تمہارے
سارے حقوق وشال کو سونپ دیئے ہیں تو پھر اس کی باتوں کو جھوٹ مت سمجھنا ورنہ
بھگوان بھی تم سے ناراض ہو جائے گا"۔

"وشال ہمارا اب کیا ہوگا...... ہم کرن وتی کی روٹیوں پر پڑے ہیں...... کنول
روتے ہوئے بولی"۔

"دیکھو ماں یہ سارے لوگ اپنے عمل سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ان میں کوئی
ہمارا دوست نہیں ہے، حالانکہ ہمیں بھی اس گھر پر اتنا ہی ادھیکار ہے جتنا ان سارے
لوگوں کو...... ماتا جی اگر پتا جی نے ایک غلطی کی ہے تو ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ پتا جی کو
سیدھے اور سچے راستے پر لائیں، مگر تو ان کے دلوں کی گہرائیاں نہیں جانتی، جو کچھ ان
لوگوں نے کیا ہے ماتا جی، وہ ہمارا سب کچھ ہتھیانے کے لئے کیا ہے اور انہوں نے اپنا
حق نہیں استعمال کیا...... انہوں نے پتا جی کو سیدھے راستے دکھانے کو کوشش نہیں کی،

کیونکہ اس میں ان سب کا فائدہ تھا...... ان دشمنوں سے دوستی کیسی...... ہم تائی جی کے
احسان مند تو نہیں ہیں...... لیکن بہر طور مصلحت یہی کہتی ہے کہ اس وقت ان کی اصل
شکل نہ دکھائی جائے اور ہم لوگ حالات سے نمٹنے کے لئے حالات سے سمجھوتہ
کریں...... کان دبا کر پڑی رہو ماتا جی...... میں بھی خیال رکھوں گا...... لیکن یہ بات کبھی
نہ بھولنا کہ ہم دشمنوں کے درمیان ہیں...... اور دشمن ہمیں پیس کر رکھ دینا چاہتے
ہیں، لیکن ہم انہیں اپنے دماغ سے پیسیں گے...... کیا سمجھیں...... لیکن یہ سب کچھ اسی
شکل میں ہو سکتا ہے جب تم میرا ساتھ دو...... ابھی تو مجھے تمہارے سہارے ہی جیون
کے راستوں پر آگے بڑھنا ہے...... ایک بات کا وعدہ کرو مجھ سے ماتا جی کہ آئندہ کبھی
نہیں روؤ گی اور اگر تم روئیں تو یوں سمجھو ماتا جی...... تمہارا دوسرا رونا وشال کے لئے
ہوگا۔

وہ تمہیں پھر کبھی نہیں ملے گا ماتا جی۔

"بھگوان نہ کرے...... ایسی باتیں کیوں کرتا ہے رے"۔

"جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ کل کے لئے کہہ رہا ہوں...... آج کے لئے نہیں...... آج
تم رولی ناں...... دل ہلکا ہو گیا ہوگا...... بس آج کے بعد مت رونا...... ہر بات خندہ
پیشانی سے برداشت کرنا کہ مستقبل تعمیر کرنے کے لئے ہمت سے کام لینا پڑتا ہے"۔

"یہ باتیں تجھے کس نے سکھا دیں وشال؟"۔

"بھگوان نے...... اسی اوپر والے نے جو ہر طرح سے انسانوں کو زمین پر جیتا رکھتا
ہے...... اگر وہ یہ بات نہ سکھائے تو انسان اپنے راستوں پر آگے کیسے بڑھے"۔

"تو سچ کہتا ہے وشال"۔

"اگر سچ مانتی ہو تو پھر عمل بھی کر کے دکھاؤ"۔

"میں اب نہیں روؤں گی...... کنول نے اپنے آنسو خشک کر لئے اور وشال

مسکرانے لگا...... پھر بولا"۔

"اور یہ رتن راج جی کتنی بھی سلکھشنائیں اپنے جیون میں لے آئیں...... بالآخر انہیں کنول رانی کے لئے سر جھکانا پڑے گا...... سمجھیں ماں وہ کہیں نہیں جائیں گے...... یہیں رہیں گے اور انہیں اپنے کیئے پر پچھتاوا ہوگا...... یہ راج دھنش کا قول ہے۔

کنول نے راج دھنش کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا...... وہ اپنے ہی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی۔

رتن راج سلکھشنا کے ساتھ یورپ جانے کا آخری فیصلہ کر چکا تھا، اسے نئے جہانوں سے دلچسپی تھی جن لوگوں کو وہ بھول چکا تھا اب ان کے لئے اس کے دل میں کوئی گنجائش نہیں تھی...... پیسوں کی ضرورت آج تک گھر سے پوری ہوتی رہی تھی...... زندگی میں کبھی کچھ نہیں کیا تھا اور نا ہی اس کے ذہن میں کبھی یہ بات آئی تھی کہ جیون بتانے کے لئے ہاتھ پاؤں چلانا بھی ضروری ہوتے ہیں...... اس کے ہاتھ پاؤں تو صرف اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے چلتے تھے...... کنول اب اس کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی اور جہاں تک وشال کا تعلق تھا تو وہ صرف اس کی شرمندگی تھا...... اس سے بھلا کیسے انسیت ہو سکتی...... بہر طور اس نے دس لاکھ روپے کے حصول کے لئے جو بات چیت کی تھی اس کے لئے کاربند تھا۔

راگھو راج اور گووند راج پوری طرح اپنی بیویوں کے قبضے میں تھے اور انہی کے انداز میں سوچتے تھے...... چنانچہ دوسرے ہی دن رتن راج کو خاندانی وکیل اوم پرکاش کے سامنے لے جایا گیا اور جب عمر رسیدہ اوم پرکاش جی کے سامنے پوری بات آئی تو وہ عجیب سی نگاہوں سے تینوں بھائیوں کو دیکھنے لگے...... انہوں نے کہا۔

"رتن راج جی آپ نے اپنے حصے کی ساری دولت ختم کر لی؟"۔

"ہاں اوم پرکاش جی...... دراصل میری سوچ کا انداز مختلف، بچپن ماتا پتا جی کے سائے تلے پروان چڑھتا ہے...... جوانی اپنی ہوتی ہے اور بڑھاپا لاوارث...... میں اس کا قائل ہوں کہ جو دور اپنا ہے اسے پوری طرح استعمال کیا جائے...... بعد میں جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا...... کل کی فکر نہیں آج کو برباد کر دینا میرے بس کی بات نہیں ہے، چنانچہ میں نے خوب عیش و عشرت سے زندگی گزاری ہے اور اب یورپ جا کر اپنی اس زندگی کی تکمیل کر لینا چاہتا ہوں...... آپ نے کاغذات تو تیار کر لئے ہوں گے" لایئے میں دستخط کر دوں۔

"مگر رتن راج تمہاری بیوی اور بیٹا بھی تو ہے...... یہ دس لاکھ روپے لے کر تم تو یورپ چلے جاؤ گے...... تمہاری بیوی اور بیٹے کا کیا ہوگا؟" راگھو راج نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوم پرکاش جی آپ وکیل ہیں، ہمارے باپ بننے کی کوشش نہ کریں...... آپ صرف اپنا کام کریں"۔

"ہاں بیٹے سچ ہی کہتے ہو...... مجھے صرف اپنا ہی کام کرنا چاہئے، لیکن شاید تم یہ بات بھول گئے کہ میں تمہارے خاندان میں اس وقت سے ہوں، جب تم گودوں میں کھیلتے تھے...... میں نے بھی انسان ہونے کے ناطے تم سب سے تھوڑی بہت محبت کی ہے اور آج بھی میرا خیال ہے کہ میں انسان ہی ہوں...... دو انسانوں کے بارے میں اگر اس انداز میں سوچ رہا ہوں تو یہ ناراض ہونے کی بات تو نہیں...... اور اگر تم ناراض ہو ہی رہے ہو تو ہو...... میرا کیا بگاڑ لو گے"۔

"وکیل صاحب جائیداد کا مسئلہ ہمارا اپنا ہے ناں...... جائیداد ہماری ہے ناں...... آپ کا کام جتنا ہے آپ اتنا کام انجام دیں...... باقی باتوں سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہئے...... رتن راج نے کہا اور وکیل صاحب گردن ہلانے لگے...... پھر بولے"۔

"ٹھیک ہے، لو دستخط کر دو...... اور رتن راج نے کاغذات پر دستخط کر دیئے...... گووند راج نے آگے بڑھ کر کہا"۔

"لائیے یہ کاغذات ہمیں دے دیجئے"۔

"تمہیں...... تم ان کا کیا کرو گے" اوم پرکاش نے چونک کر کہا۔

"آپ کے دل میں انسانیت ذرا زیادہ ہی جاگ اٹھی...... وکیل صاحب اس لئے ہمارا آپ پر وشواش نہیں رہا...... لائیے یہ کاغذات ہمیں دے دیجئے"۔

اوم پرکاش نے کاغذات گووند راج کے حوالے کر دیئے اور بولے۔

"میرے لائق کوئی اور خدمت ہے"۔

"جی نہیں شکریہ"۔

تینوں چلے گئے تو اوم پرکاش کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے...... گھر واپس پہنچنے کے بعد رتن راج کو دس لاکھ روپے کی نقد ادائیگی کر دی گئی اور رتن راج خوشی سے بھائیوں اور بھابیوں سے رخصت ہو کر چل پڑا...... اس کی آنکھوں میں یورپ کے مناظر گھوم رہے تھے...... لندن، پیرس، امریکہ، ہالینڈ، بیلجیم اور نجانے کیا کیا...... سلکھشنا کے ساتھ مل کر اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ پہلے دنیا کے ان حسین ترین مقامات کی سیر کی جائے گی اور پھر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ کون سی جگہ ہمارے رہنے کے قابل ہے اور پھر یہ جگہ منتخب کر کے وہیں فروکش ہو جایا جائے گا...... کیا فائدہ اس پسماندہ سرزمین میں زندگی گزارنے کا...... اس کے بعد کیا ہو گا...... یہ اس نے سوچا تھا نہ سلکھشنا نے"۔

اپنی پر مسرت زندگی کے تصور میں ڈوبا ہوا وہ بالآخر وہاں پہنچ گیا جہاں اس کا قیام تھا...... سلکھشنا بلاشبہ ایک خوبصورت عورت تھی، اس کی پتنی تھی اور مرد کو لبھانے کے گر جانتی تھی، اس نے مسکراتی نگاہوں سے رتن راج کو دیکھا اور بولی۔

"کیا ہوا؟"۔

"جو ہونا چاہئے تھا...... رتن راج نے جواب دیا"۔

"یعنی تمہیں دس لاکھ روپے مل گئے"۔

"کیوں نہ ملتے"۔

"تعجب ہے کمال ہے...... سلکھشنا نے اپنے سامنے پڑے نوٹوں کے بنڈل دیکھتے ہوئے کہا...... " تمہارے بھائی تو واقعی دیوتا سماں ہیں...... ورنہ اس دور میں کون کسی کے لئے اتنا کچھ کرتا ہے۔

"ہاں اب مجھے ان دیوتاؤں کو چھوڑ دینا پڑے گا"۔

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ہم جب بھی ضرورت محسوس کریں گے...... ان سے ملنے آ جائیں گے اور پھر یہاں تمہارا سب کچھ ہی تو ہے"۔

اسے تو ہم نہیں چھوڑ سکتے۔

رتن راج نے کوئی جواب نہیں دیا...... سلکھشنا کو یہ بتا کر وہ اپنی توہین نہیں کرنا چاہتا تھا کہ یہ سب کچھ اس سے چھوٹ گیا ہے...... بہر طور یورپ جانے کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے...... کاغذات، پاسپورٹ اور دیگر چیزیں و سامان خریدا جا رہا تھا اور اب اسے آخری شکل دے دینا چاہتے تھے...... یہ تمام چیزیں ایک محفوظ الماری میں بند کر دی گئیں اور اس کے بعد مستقبل کے پروگرام بنانے میں مصروف ہو گئے۔

رتن راج سلکھشنا کو لے کر بازار نکل گیا جہاں اسے مزید کچھ خریداری کرنی تھی...... رات کا کھانا انہوں نے باہر ہی کھایا اور اس کے بعد واپس آ گئے۔

یورپ کی سرزمین کے خوابوں میں وہ کھوئے ہوئے نیند کی آغوش میں پہنچ گئے...... دوسرے دن صبح دس بجے رتن راج کو پاسپورٹوں کے سلسلے میں آخری کام کرنے جانا تھا، چنانچہ تیاریوں کے بعد اس نے سلکھشنا سے کہا کہ اسے پاسپورٹ نکال کر

دے دے اور سلکھشنا الماری کی جانب بڑھ گئی۔

رتن راج ایک صوفے پر دراز اپنے پروگراموں کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ اسے سلکھشنا کی چیخ سنائی دی اور وہ اُٹھ کر اس کمرے کی جانب بھاگا جہاں سلکھشنا الماری کے سامنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے پھٹی پھٹی نگاہوں سے الماری کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' تم کیوں چیخی تھیں...... رتن راج نے پوچھا''۔

''رتن...... رتن...... دیکھو رتنا...... رتن الماری خالی پڑی ہے دیکھو رتن یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے...... پاسپورٹ بھی نہیں ہے...... دوسرے کاغذات بھی نہیں ہیں اور وہ دس...... ہائے رام...... سلکھشنا کے پیروں کی قوت جواب دے گئی اور وہ دھڑام سے نیچے گر پڑی...... لیکن اس کے الفاظ نے رتن راج کو بھی اتنا حواس باختہ کر دیا تھا کہ وہ گری ہوئی سلکھشنا کو اٹھانے کی بجائے الماری کی طرف بڑھ گیا تھا۔

دس لاکھ روپے نقد پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات اسی الماری میں رکھے ہوئے تھے لیکن اب ان میں سے کچھ بھی موجود نہیں تھا...... رتن راج کو چکر آ گیا تھا۔

رتن راج کا کانٹا نکل گیا تھا...... منورما خوش تھی لیکن کرن وتی کی یہ بات اسے ایک آنکھ نہیں بھائی تھی کہ کنول یہیں رہے گی...... کچھ نہ کچھ تو خرچ کرنا ہی پڑے گا ان پر...... کرن وتی سے تعاون اس لئے کیا تھا کہ رتن راج اور اس کے پریوار سے جان چھوٹ جائے...... لیکن کرن وتی جی بلاوجہ میاں بن گئی تھیں...... وشال تو منورما کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا...... اتنا چھوٹا اور اتنی بڑی باتیں۔

راگھو مہاراج سے بات کی...... سنتے ہو...... اس نے کہا۔

''ہمیشہ ہی سنتا ہوں سناؤ...... راگھو راج نے مسکراتے ہوئے کہا''۔

''تمہیں تو ہر وقت مذاق ہی سوجھتا ہے...... ساری مصیبتیں میرے سر پر رکھ دی ہیں...... میں کہتی ہوں کبھی اپنی بدھی بھی استعمال کیا کرو''۔

''اب کون سی مصیبت آ پڑی تمہارے سر پر...... راگھو راج نے کہا''۔

''یہ بھابی جی میرے ہر راستے میں آتی ہیں...... میں محسوس کرتی ہوں کہ وہ مجھ پر حکم چلانا چاہتی ہیں''۔

''میں تو نہیں محسوس کرتا''۔

''تم گھر میں آنکھ اٹھا کر دیکھتے کہاں ہو''۔

''اس کی وجہ ہے''۔

"کیا وجہ ہے"۔

"مجھے اپنی پتنی پر اعتبار ہے جہاں وہ خود ہر چیز دیکھ لیا کرتی ہے تو پھر مجھے کچھ دیکھنے کی کیا ضرورت ہے"۔

"دیکھو بھابی جی سے بات کر لو یہ وشال اور کنول ہمارے لئے ہمیشہ مصیبت بنے رہیں گے...... اچھی خاصی جان چھوٹ رہی تھی کہ بھابی جی نے دیوتا بن کر انہیں روک لیا......اب بھگتنا پڑے گا"۔

"تم پر کیا مار پڑھ رہی ہے...... تین وقت کی روٹی اور چند جوڑے کپڑے کیا بھاری پڑیں گے ہم پر"۔

"روٹی کپڑے بھاری نہیں مگر وشال کی باتیں ناقابل برداشت ہیں"۔

"تم نہ سنا کرو"۔

"گویا تم اس بارے میں کچھ نہیں کرنا چاہتے"۔

"بھائی میری جان پر مصیبت نہ بناؤ ایک بھائی چھوٹ گیا ہے...... ایک رہ گیا ہے......اب اس سے بھی بگاڑ کر کے اکیلا رہ جاؤں...... تمہیں اس سے کیا ملے گا"۔

"میں نے چھڑا دیا ایک بھائی......رتن بھیا کے کرتوت بتاتے تھے کہ ایک دن ایسا ہی ہو گا......شادی بھی تو کر لی ہے انہوں نے دوسری...... سنو میری بات مہاراج کہ تم سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گے ایک دن اور یہ رتن راج...... مجھے تو نہیں لگتا کہ ہماری جان چھوڑ دیں گے......یورپ جائیں گے دس لاکھ خرچ کریں گے اور ڈنڈے بجاتے واپس آ جائیں گے پھر کچھ مانگنے۔

"اب اس بے چارے کو کیا ملے گا...... ساری چیزوں سے دست بردار ہو چکا ہے وہ"۔

"بھائی کی محبت پھر زور مارے گی...... منورما نے کہا"۔

"کہاں محبت رہی ہم لوگوں میں...... کتنے دور ہو گئے ہیں ہم ایک دوسرے سے......وہ یورپ گیا ہم تو اسے چھوڑنے ایئر پورٹ تک نہ گئے......اب نہ جانے کب ملے گا، کتنے کٹھور ہو گئے ہیں ہم"۔

اور جیسے رتن بھیا نے کہا تھا کہ انہیں چھوڑنے چلیں...... جانے والے یہ درخواست تو نہیں کرتے۔

"میں نے منع کر دیا تھا کیا...... لو اور سنو بات کہاں کی ہو رہی تھی کہاں لے گئے...... حویلی کا وہ حصہ مجھے چاہئے جہاں وہ لوگ رہتے ہیں"۔

"کیوں...... سمادھی بنانی ہے کسی کی"۔

"مجھے ہی کو سو گے میری ایک نہ سنو گے...... ٹھیک ہے میرا بھی کچھ ادھیکار ہے...... میں خود ہی سب کچھ کر لوں گی"۔

"جو من چاہے کرو بس ایک کام نہ کرنا...... ہم دونوں بھائی اب الگ نہیں ہونا چاہتے اور اس سلسلے میں کوئی کوشش......ابھی راگھو راج نے اتنا ہی کہا تھا کہ حویلی کی ایک نوکرانی اندر داخل ہو گئی۔

"بڑے راؤ جی بلا رہے ہیں، منجھلے راؤ جی...... آپ کو اور بہو رانی کو"۔

"کہاں ہیں؟"۔

"برآمدے میں...... چھوٹے راؤ جی آئے ہیں"۔

"کون...... منورما اور راگھو راؤ اُچھل پڑے"۔

"رتن راج مہاراج......نوکرانی نے جواب دیا اور دونوں کے منہ تعجب سے کھل گئے......نوکرانی چلی گئی تو راگھو راؤ نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

"جیسے ہوا اب وہیں چل کر معلوم کرو...... منورما جلے کٹے لہجے میں بولی۔

"ضرور کوئی گڑبڑ ہے آؤ...... راگھو راؤ نے اٹھتے ہوئے کہا اور دونوں برآمدے کی طرف چل پڑے...... رتن راج گووند راج کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا...... سامنے کرن وتی بھی موجود تھی...... سب کے چہرے خراب نظر آ رہے تھے...... رتن راج نے ان دونوں کو دیکھا اور ہاتھ جوڑ دیئے"۔

"تم گئے نہیں رتن راج؟ راگھو راؤ نے پوچھا"۔

"کہاں بھیا...... بھاگ میں نہیں لکھا تھا...... رتن راج نے اداس لہجے میں کہا"۔

"ارے کیا ہوا؟"۔

"بیٹھو راگھو...... رتن راج ایک نئی کہانی لے کر آیا ہے"۔

"کیسی کہانی...... راگھو نے منورما کو بیٹھنے کا اشارہ کیا"۔

"اس کے گھر میں چوری ہو گئی...... دس لاکھ روپے اس کے کاغذات اور پاسپورٹ چوری ہو گئے"۔

"ارے رام رام...... یہ تو بہت برا ہوا...... راگھو راؤ نے بے اختیار کہا۔

"رتن راج اور پیسے مانگنے آیا ہے...... گووند راج نے ناخوشگوار لہجے میں کہا"۔

"اور پیسے؟"۔

"ہاں کم از کم دس لاکھ...... رتن راج نے سرد لہجے میں کہا"۔

"کیا کہہ رہے ہو رتن راج؟ راگھو راؤ بھی سنبھل گیا...... ایک لمحے کے لئے دل میں بھائی کی بپتا پر جو دکھ پیدا ہوا تھا ہوا ہو گیا"۔

"ہاں بھیا مجھے پیسہ چاہئے...... رتن راج بولا"۔

"اوہو اوہو...... حویلی بیچ دو، زمین بیچ دو بھائی کو پیسہ چاہئے آخر...... منورما نے جلے کٹے لہجے میں کہا"۔

"بھابی...... ہمارے ہاں عورتیں مردوں کے بیچ نہیں بولتیں...... رتن راج نے

منورما کو گھورتے ہوئے کہا"۔

"عورتیں نہ ہوئیں باندیاں ہو گئیں...... کیسے نہیں بولیں گی، ہمارے بھی بچے ہیں...... ہمارا بھی مستقبل ہے...... بھرے گھر سے آئے ہیں اپنا جیون بھی چاہتے ہیں...... بولیں گے تو کیا کریں گے...... منورما نے کہا۔

"میں آپ سے کچھ نہیں مانگ رہا"۔

"چوری ہوئی ہے بھیا تو پولیس میں رپٹ لکھاؤ چور پکڑواؤ...... ہمارے پاس کیوں آ گئے"۔

"منورما تم خاموش ہو جاؤ...... مجھے بات کرنے دو...... راگو راؤ نے کہا"۔

"وہ نہ بولے تو کیا کرے، بات ہی ایسی ہے...... گووند راج کے الفاظ نے راگھو راؤ کو پھر چونکا دیا...... صورت حال اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔

"بھیا جی کوئی کچھ بھی بولے...... میں دس لاکھ روپے چاہتا ہوں...... مجھے یورپ جانا ہے...... میں نے سلکھشنا سے وعدہ کر لیا ہے...... آپ جانتے ہیں کہ اس رقم کا بندوبست میں کہیں اور سے نہیں کر سکتا...... رتن راج بولا۔

"تم بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو رتن راج...... زیادہ سے زیادہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ تمہیں ان رقموں کا حساب دے دیں جو تم ہم سے لیتے رہے ہو...... تمہارے حصے کا جو کچھ بنتا ہے تم اس سے زیادہ ہی لے چکے ہو اور پھر اب ہمارے پاس بھی اتنا نہیں ہے کہ کچھ اور دے سکیں...... راگھو راؤ کیا تم ان کے لئے کچھ اور کر سکتے ہو۔

"نہیں بھیا معافی چاہتا ہوں...... میرے پاس جو کچھ ہے آپ کو بھی پتہ ہے...... آپ دس لاکھ کی بات کر رہے ہیں، میرے پاس دس ہزار نہیں ہیں...... راگھو راؤ نے جلدی سے کہا"۔

"میری بھی یہی کیفیت ہے" گووند راؤ نے کہا۔

"کوئی گنجائش نکال سکتے ہیں آپ لوگ"، رتن راج بولا۔

نہیں...... بالکل نہیں۔

"میں نے اتنا نہیں لیا بھیا کہ میرا حصہ پورا ہو جائے...... میں بھی بے وقوف نہیں ہوں بالکل، میرے سوچنے کا انداز ذرا دوسرا تھا...... میں نے خود کو آپ کا بھائی نہیں اولاد سمجھا ہے...... میں نے ہمیشہ لاڈ کئے ہیں آپ سے...... میں نے جو کچھ لیا کبھی اس کا حساب نہیں کیا، لیکن آج یہ احساس ہو رہا ہے کہ میں نے غلطی کی، غلط سمجھا آج تک...... آج اس گھر پر میرے بھائیوں کا نہیں بھابیوں کا راج ہے، مگر بھیا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں بالکل ہی اناتھ ہو جاؤں"۔

"مطلب"۔

"تم لوگ مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے پر مجبور کر رہے ہو...... اگر میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا بھیا تو کان کھول کر سن لو...... تم سب نقصان میں رہو گے"۔

"دھمکی دے رہے ہو رتن"۔

"ہاں بھیا...... دل سے تمہاری عزت جو نکل گئی ہے"۔

"ٹھیک ہے رتن راج...... راؤ خاندان آج تک امن سے رہتا آیا ہے، اگر اسی خاندان کا ایک فرد اس کی قوت کا امتحان لینا چاہتا ہے تو راؤ خاندان اس کے لئے تیار ہے"۔

"جا رہا ہوں بھیا، مگر بھائی بن کر نہیں دشمن بن کر...... مجھے یورپ جانا ہے اور اس کے لئے رقم مجھے یہیں سے ملے گی...... سمجھے آپ لوگ، اب یہ رقم کس طرح ملے گی یہ میں جانتا ہوں"۔

"آئندہ اس طرف کا رخ کیا رتن تو...... تو...... گووند راؤ نے غصے سے کہا اور رتن اپنی جگہ سے اُٹھ گیا"۔

"ایک بات کہہ دوں بھیا جی...... اگر اتنے ہی تیکھے ہو تو...... منورما نے کہنا چاہا لیکن رتن راج پاؤں پٹختا باہر نکل گیا تھا"۔

"سب سناٹے کے عالم میں بیٹھے رہے تھے...... پھر گووند راج نے یہ سناٹا توڑا"۔

ہمیں اس کی دھمکی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے"۔

"ارے چھوڑیں بھیا...... موم کے بنے نہیں ہیں ہم لوگ...... پاگل ہو گیا ہے، آپ لوگ چنتا نہ کریں...... راگھو راؤ نے کہا"۔

"میری تو کوئی سنتا ہی نہیں میں کیا کروں...... منورما نے کہا"۔

"کیا کہنا چاہتی ہو...... تمہیں معلوم ہے کہ رتن کو آخری جواب میں نے تمہارے آنے کے بعد دیا ہے...... یہ سوچ کر کہ تمہارا فیصلہ بھی اس میں شامل ہو جائے...... گووند راج نے منورما سے کہا"۔

میں تو رتن راج بھیا سے یہی کہہ رہی تھی کہ اگر ایسے ہی تیکھے ہیں تو اپنی پتنی اور بیٹے کو بھی یہاں سے لے جائیں...... آخر ہم انہیں کس حساب میں پالیں...... ہمارا ان سے کیا ناطہ ہے۔

"نہیں بہو...... انہیں رہنے دو ان کا کیا دوش ہے اس میں...... ایک کونے میں پڑے ہیں پڑے رہیں...... اس میں راؤ خاندان کی عزت بھی ہے...... لوگ ہم پر بھی انگلیاں اٹھائیں گے"۔

"سانپ کا بچہ سپولیا بھی ہوتا ہے بھیا جی"۔

"نہیں بہو...... ابھی کوئی نیا مسئلہ نہ چھیڑو...... اس مسئلے کو بعد میں دیکھیں گے راگھو میرا خیال ہے ہمیں اوم پرکاش سے مل لینا چاہئے"۔

"ان سے مل کر کیا کریں گے بھیا"۔

"وہ ہمارا خاندانی وکیل ہے...... یہ بات اس کے کانوں تک پہنچا دی جائے تو اچھا

ہے"۔

"جیسا آپ پسند کریں...... میں تو ایک بات اور سوچ رہا تھا...... راگھو راج نے کہا"۔

"کیا؟"۔

"کاغذات ہمارے پاس محفوظ ہیں...... انہیں کسی بنک میں رکھوا دو" رتن راج زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہے"۔

"ہاں تمہارا کہنا بھی ٹھیک ہے...... کاغذات محفوظ کروا دیں گے ہمیں ان کی حفاظت کرنی چاہیئے، مگر اوم پرکاش سے مل لینا بھی ضروری ہے"۔

"جیسا آپ پسند کریں"۔

آؤ پھر اس میں دیر نہیں کرنی چاہیئے...... گووند راج نے کہا اور دونوں بھائی اٹھ گئے...... وکیل اوم پرکاش نے معمول کے مطابق ان کا سواگت کیا تھا۔

"ایک مشکل آپڑی ہے وکیل صاحب"۔

"بھگوان دور کرے...... کیا بات ہے...... راگھو راؤ جی...... اوم پرکاش نے ہمدردی سے کہا"۔

"رتن راج آیا تھا"۔

"کب؟"۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے"۔

"وہ یورپ نہیں گئے"۔

"نہیں"۔

"کیا ارادہ بدل دیا"۔

"نہیں"۔

"پھر......؟ اوم پرکاش نے پوچھا۔

"اس کے گھر چوری ہو گئی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ دس لاکھ روپے کاغذات اور دوسری چیزیں سب چلی گئی ہیں"۔

"اوہ! برا ہوا"۔

"برا ہوا یا بھلا اس کا ذمہ دار وہ خود ہے...... وہ ہم سے مزید دس لاکھ روپے مانگنے آیا تھا...... تمہاری گواہی میں اس نے اپنا سارا حصہ وصول کر لیا ہے اور اب اس کا اس جائیداد پر کوئی حق نہیں ہے...... وہ ہمیں دھمکیاں دے کر گیا ہے"۔

"کیا......؟ اوم پرکاش نے پوچھا۔

"یہی کہ یہ رقم ہم سے وصول کر لے گا"۔

"یہ بہت برا ہوا گووند راؤ جی"۔

"کچھ برا نہیں ہوا...... راؤ خاندان کو اس نے بہت نقصان پہنچائے...... ٹکے ٹکے کی عورتوں میں گھرا رہا ہم نے برداشت کیا، مگر اب برداشت کی حد ہو گئی ہے...... راؤ خاندان نے اس کی دھمکی قبول کر لی ہے"۔

"کچھ اپنے من کی کہوں راؤ جی...... اوم پرکاش بولے"۔

"ہاں ضرور کہو"۔

"میری رائے تو یہ ہے کہ آپ دس لاکھ کا غم اور کھالیں"۔

"دماغ خراب ہوا ہے اوم پرکاش...... راگھو راج گرج کر بولا"۔

"نہیں خراب ہوا اس لئے کہہ رہا ہوں"۔

"پاگل ہو گئے ہو تم...... ہمارے پاس اب اسے دینے کے لئے کچھ نہیں ہے اور پھر اب تو بات اصول کی ہے...... اسے ہم سے کچھ نہیں ملے گا...... تمہیں ایک کام کرنا ہے"۔

"تمام کاغذات تیار کرو...... اس نے جو رقمیں لی ہیں ان کی تفصیل تمہیں دے دی جائے گی...... تمام قانونی نکتے ذہن میں رکھو ہو سکتا ہے ان کی ضرورت پیش

آ جائے"۔

"قانون کے تحت ہی تو میں نے یہ مشورہ دیا ہے" آپ کو راؤ جی۔

"کیا؟"۔

"کہ رتن جی کو دس لاکھ دے دیں"۔

"کیوں؟"۔

"جو کچھ آپ نے انہیں دیا ہے اس کی رسیدیں بھی لی ہیں ان سے"۔

"نہیں"۔

"مشکل پیش آئے گی مہاراج"۔

"کوئی مشکل نہیں پیش آئے گی اوم پرکاش جی...... حساب اس نے فائنل کیا ہے...... تم ان چکروں میں نہ پڑو اوم جی، جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں کرو...... ہم نے بھی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں"۔

"جو حکم...... اوم پرکاش نے جواب دیا"۔

❁ ❁ ❁

"کہاں تھا رے تو...... اب راتوں کو بھی غائب رہنے لگا ہے...... کنول نے وشال کو گھورتے ہوئے کہا"۔

"مجھے گیان مل رہا ہے ماں جی...... بھگوان میرے سپنوں میں آئے ہیں...... مجھے حکم ملا ہے کہ راتوں کو تپسیا کیا کروں...... میں مندروں کو نکل جاتا ہوں...... وشال نے آنکھیں بند کر کے کہا"۔

"مجھے اڑا رہا ہے ماتا ہوں تیری"۔

"بھگوان تمہیں ہمیشہ میری ماتا رکھے اور میری کیا مجال کہ تم سے جھوٹ بولوں...... بھگوان جب کسی کو اپنا گیان دیتا ہے تو اس سے یہ وچن بھی لیتا ہے کہ وہ کبھی جھوٹ نہ بولے...... اگر میری بات سچ نہیں مانتی تو آ جانا کسی سمے، کسی نہ کسی بھگوان کے مندر میں میں تمہیں تپسیا کرتا ہوا نظر آ جاؤں گا...... وشال نے جواب دیا اور پھر بولا"۔

"چھوڑ ان باتوں کو ماتا جی، تمہیں تو سنسار کی کوئی خبر ہی نہیں رہتی...... یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ کون آیا کون گیا...... اپنے ہی پھیر میں پڑی رہتی ہو ہر وقت...... تمہیں معلوم ہے پتا جی آئے تھے"۔

"پتا جی...... کنول نے تعجب سے پوچھا"۔

"اوہو...... تمہارے نہیں میرے...... میرے، مہاراج رتن راج جی"۔

"وہ تو...... وہ تو چلے گئے تھے"۔

"کیسے جاتے ماں...... بھگوان جب کسی کو کچھ دیتا ہے تو اس میں بڑی شکتی آجاتی ہے...... مجال تھی رتن راج مہاراج کی کہ میری ماتا جی کو اس طرح چھوڑ کر چلے جاتے...... یہ کیسے ممکن تھا ماتا جی...... میں نے اپنے گیان سے انہیں روک دیا"۔

"تو...... تو بس ایسی ہی بیکار باتیں کرتا رہتا ہے میرے سامنے"۔

"افسوس تو یہی ہے ماتا جی کہ وشال کی باتوں کو سارا سنسار ایک جیسا سمجھتا ہے کوئی اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں...... چلو ٹھیک ہے نا کرے کیا فرق پڑتا ہے، لیکن سمے خود بتادے گا کہ وشال مہاراج کیا چیز ہیں...... ایک دن ماتا جی میں تمہیں یہ خوشخبری پیش کروں گا کہ وہ عورت جس نے تمہاری مانگ کا سیندور مٹایا ہے یا اس میں حصہ بنایا ہے جل کر بھسم ہو گئی اور وہ کیسے جلے گی یہ بات تم وشال سے سنو...... وشال کا گیان...... اسے راکھ بنادے گا...... وہ جیتے جی راکھ بنے گی ماتا جی...... سمجھ گئیں تم"۔

"دیکھ وشال میرے سامنے ایسی بے تکی باتیں مت کیا کر...... میں تجھے ایک اچھے انسان کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہوں اور تو ہے کہ الٹی سیدھی باتیں کرتا رہتا ہے...... مٹنے مٹانے کی باتیں...... بھگوان کی باتیں بھگوان پر چھوڑ دے اور اپنا کام کر"۔

"رام رام رام...... بھگوان کے ایک داس سے ایسی باتیں کرتی ہو ماتا جی بھگوان بے چارہ بہت مصروف ہے، سارا سنسار دیکھنا ہوتا ہے اسے اور اس لئے وہ اپنے اچھے بندوں کو کام پر لگا لیتا ہے، اپنے ساتھ آخر بندوں کا بھی کوئی مصرف ہے...... بھگوان کے کام میں ہاتھ نہ بٹائیں تو گناہ گار بن جاتے ہیں"۔

"باتوں میں...... میں تجھ سے نہیں جیت سکتی...... کیسی چالاکی سے یہ بات چھپا رہا ہے کہ تو کہاں گیا تھا...... تو اور مندروں میں جائے گا"۔

"تو مندروں میں اور کون جائے گا ماتا جی؟ چلو چھوڑو تم نے یہ نہیں پوچھا کہ پتا جی مہاراج کیوں آئے تھے"۔

"نہ مجھے ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں...... نہ مجھے بھگوان کا گیان ہے، مجھے کیا معلوم؟"۔

"ذرا جا کر معلوم کرو حویلی میں اندر سب لوگ پریشان بیٹھے ہوئے ہیں"۔

"کیوں رے......؟" خیر تو ہے؟ بھگوان کرے سب ٹھیک ٹھاک ہو...... تو تو میرا دل ہی دہلا دیتا ہے۔

"سب ٹھیک ٹھاک نہیں ہے ماتا جی...... بات تو یہی ہے، سب ہی ٹھیک ٹھاک ہوتا تو وشال مہاراج تمہیں آکر یہ خبر کیوں دیتے"۔

"ہوا کیا......؟ کنول نے پوچھا"۔

"پتا جی بے چارے کے ہاں چوری ہو گئی...... سارے روپے، کاغذات اور پاسپورٹ چور لے گئے...... اب بھلا بتاؤ پتا جی کیسے یورپ جائیں، ان کا تو سارا کھیل بگڑ کر رہ گیا"۔

"ہے رام...... کنول سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی"۔

"کیوں تجھے کیوں دکھ ہوا ماں"۔

"تیرے پتا جی تو بہت پریشان ہوں گے"۔

"ہاں بہت پریشان...... وشال ہنس کر بولا"۔

"تو ان کی پریشانی پر ہنس رہا ہے"۔

"ان کی پریشانی پر نہیں ماں...... بھگوان کے کھیل پر...... اب پتا جی یورپ نہیں جائیں گے یہیں رہیں گے، مگر تو کیسی ہے ماں...... اس بات پر پریشان ہے...... جس سے تیرا سہاگ محفوظ ہو رہا ہے"۔

"تو نہیں جانتا رے...... میں ان کی پریشانی سے پریشان ہوں...... مجھے تو ہر حال

میں ان کی خوشی عزیز ہے"۔

"دھرتی کے بسنے والے جب آکاش کی باتیں کرتے ہیں تو مجھے بہت عجیب لگتا ہے...... ماں یہی اس دنیا کے اور میرے بیچ اختلاف ہے"۔

"تو تو پاگل ہے...... یہ بتا پھر کیا ہوا...... تیرے پتا جی یہاں آئے تھے؟"۔

"ہاں اور بہت پریشان نظر آ رہے تھے"۔

"سچ؟"۔

"ہاں...... غصے میں تھے...... انہوں نے کہا انہیں دس لاکھ روپے اور چاہئیں اور تایا جی نے جواب دیا کہ اب انہیں ایک پیسہ بھی نہیں ملے گا"۔

"اوہ...... پھر"۔

"پتا جی نے کہا کہ یہ روپیہ وہ ضرور حاصل کرلیں گے...... سب ہی بول رہے تھے ماں...... پتا جی انہیں چیتاؤنی دے کر چلے گئے"۔

"بہت برا ہوا وہ غصے کے بہت تیز ہیں"۔

"غصے کی بات ہی ہے ماں...... ان دونوں نے ساری جائیداد ہتھیالی...... انہوں نے پتا جی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہے، مگر دوش پتا جی کا بھی ہے...... انسان آنکھیں بند کرے تو ایسا ہی ہوتا ہے...... اب یہ جائیداد اتنی تھوڑی بھی نہیں ہے کہ پتا جی اپنا حصہ اتنے سے دنوں میں اڑا گئے۔

"تو تو جیسے سب سمجھتا ہے"۔

"ہاں ہاں...... میں وقت آنے سے پہلے ہی بہت کچھ سمجھ گیا ہوں...... پتہ نہیں یہ میرا دوش ہے یا وقت کا...... بہرحال ہمارے دونوں تاؤ اور تائیاں بے حد پریشان ہیں اور مجھے مزا آ رہا ہے"۔

"اب کیا ہوگا وشال......؟"کنول نے پریشانی سے پوچھا۔

"جو کچھ ہوگا ہمارے حق میں اچھا ہوگا ماتا جی...... تو بھگوان کو نہیں جانتی اس کے کام ایسے ہی انوکھے ہوتے ہیں"۔

"اس میں کیا اچھائی ہے......"کنول برا مان کر بولی۔

"ایک طرف دو ہیں ایک طرف ایک...... لوہے سے لوہا ٹکرائے گا اور چاروں طرف چنگاریاں بکھر جائیں گی"۔

"یہ اچھا ہوگا"۔

"آگ لگے گی اور حویلی میں شعلے ہی شعلے ہوں گے"۔

"میں تیرا منہ توڑ دوں گی وشال کیا بک رہا ہے"۔

"پھر یوں ہوگا ماتا جی کہ پتا جی کو شکست ہو جائے گی"۔

"تیرا ستیاناس کیسی باتیں کر رہا ہے، کنول نے جوتی اتار کر وشال پر پھینک ماری"۔

"پتا جی کے ہاتھوں ایک آدھ خون ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں انہیں چودہ سال کی سزا ہو جائے گی"۔

"ہے بھگوان...... ہے بھگوان اس پاپی کی زبان روکو...... جیتا نہیں چھوڑوں گی میں تجھے، تو اپنے پتا کے لئے ایسا کہہ رہا ہے...... کنول اٹھ کر اس کی طرف دوڑی"۔

"چودہ سال کے بعد جب پتا جی رہا ہوں گے تو ہمارے ہوں گے...... سلکھشنا جی کا نام ونشان نہ ہوگا اس سے"۔

"مر جائے...... بھگوان کرے تو مر جائے...... کنول اس پر جھپٹی اور وشال پھدک کر ایک طرف بھاگ نکلا"۔

"جائے گا کہاں پاپی...... چھوڑوں گی نہیں تجھے...... کنول غصے سے پاگل ہو گئی تھی...... وشال اسے جھکائیاں دیتا رہا پھر بولا"۔

"ارے چھوڑ ماں...... تھک جائے گی بھاگ بھاگ کر، چل آ پکڑ لے وشال کو

...... ہم چلے اپنے مندر میں...... وشال نے کہا اور پھر زمین پر لیٹ کر اس سوراخ میں رینگ گیا جو اس کی لیبارٹری کا راستہ تھا...... کنول کو آج پہلی بار اس سوراخ کے بارے میں معلوم ہوا تھا...... وہ حیرت سے سوراخ کو دیکھنے لگی...... پھر غرا کر بولی"۔

"نکل تو سہی پاپی...... میں تیری ہتھیا ہی کردوں گی، کب تک گھسا رہے گا اس میں...... دم گھٹے گا تو خود باہر نکلے گا...... جواب میں وشال کا قہقہہ سنائی دیا تھا"۔

❁ ❁ ❁

کنول شدید غصے کے عالم میں تھی...... وشال نے اپنے پتا کے بارے میں بہت بری باتیں کی تھیں...... اس نے کنول کے سہاگ کے لئے چودہ سال کی سزا کی بات کی تھی...... کنول کا دل ہول گیا تھا...... وشال کے قہقہے نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

"نکل تو سہی پاپی آج میں تجھے ٹھیک کردوں گی" وہ غرائی۔

"اندر آجاؤ ماتا جی دیکھو کیا عمدہ جگہ ہے"۔

"میں کیسے آؤں پاپی یہ دروازہ بہت چھوٹا ہے...... کنول معصومیت سے بولی اور وشال پھر ہنس پڑا"۔

"اسی سے تم اندازہ لگا لو کہ بھگوان نے مجھے کیا شکتی دی ہے...... اس نے کہا"۔

"ہاں ہاں دیکھوں گی تیری شکتی...... میں بھی نہیں ہٹوں گی یہاں سے...... دم گھٹ جائے گا اندر تیرا...... بھوک پیاس لگے گی تو خود باہر نکلے گا"۔

"اوہ نہیں ماں...... یہاں بھگوان کا دیا سب کچھ ہے"۔

"ہاں ہاں میں بھی جانتی ہوں...... وہاں کیا ہوگا...... پر چھوڑوں گی نہیں تجھے آج...... میں بھی ہٹ کی پکی ہوں"۔

وشال نے کوئی جواب نہیں دیا...... کنول سوراخ کے پاس دھرنا دے کر بیٹھ گئی تھی...... کافی دیر اسی طرح گزر گئی اور پھر دفعتاً کنول کو خیال آیا کہ اندھیرے تہہ خانے

میں اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے...... کوئی کیڑا مکوڑا نکل آیا تو کیا ہو گا......اس نے گھبرا کر آواز دی۔

''وشال......ارے او وشال''۔

''کیا ہے ماں؟ وشال کی آواز سنائی دی''۔

''باہر نہیں نکلے گا تو؟''۔

''کہاں سے ماں...... میں تو یہاں ہوں...... وشال نے کہا اور کنول اُچھل پڑی......اس بار اسے وشال کی آواز دوسری طرف سے آتی محسوس ہوئی تھی......اس نے پلٹ کر دیکھا وشال ایک دیوار کے سہارے پاؤں پسارے بیٹھا ہوا تھا...... کنول کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا...... پھر وہ مشکل سے بولی۔

''تو...... تو کب نکل آیا...... کیا میں سو گئی تھی''۔

''تو تو جاگ رہی تھی میری پیاری ماں...... مگر...... میرے لئے ایک ہی راستہ تو نہیں ہے......ایک راستے سے آنے جانے والے ہمیشہ نقصان میں رہتے ہیں......ماں سمجھی، ماں میں اجگر ہوں...... بھینکراجگر زمین مجھے جگہ دیتی ہے، جہاں سے چاہوں نکل سکتا ہوں...... چل اب کھانا لے آ بھوک لگ رہی ہے''۔

''ہے بھگوان میں کیا کروں؟ کنول نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا''۔

''اپنی سنا رہی ہے بھگوان کو میری بھی تو سن لے...... مجھے بھوک لگ رہی ہے''۔

''چل آ کھانا دوں......اسے وشال پر پیار آ گیا''۔

''ماں ایک بات بتا......وشال نے کھانا کھاتے ہوئے کہا''۔

''ہوں''۔

''تو مجھے کیا بنانا چاہتی ہے؟''۔

''جو بھگوان بنادے بیٹا...... میں اَن پڑھ گنوار ہوں......ان باتوں کو میں کیا جانوں''۔

''بہت دنوں سے ایک سوچ میں ہوں...... کیوں نہ میں وکیل بن جاؤں''۔

''ہاں وکیلوں کی بھی بڑی عزت ہوتی ہے''۔

''بننا تو میں کچھ اور چاہتا تھا ماں...... پر کیا کروں لوگ مجھے وکیل بنانا چاہتے ہیں...... وکیل قانون کا کھلاڑی، طاقت بھی اپنے ہاتھ میں ہو اور قانون بھی تو پھر ماں، یوں سمجھ لے...... یوں سمجھ لے......وشال خاموش ہو گیا''۔

''ہاں کیا سمجھ لوں؟''۔

''کچھ نہیں ماں......وقت سے پہلے کچھ سمجھنا اچھا نہیں ہوتا......وشال نے کہا اور کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔

❀ ❀ ❀

اوم پرکاش جی نے اس ننھے سے وجود کو دیکھا...... عمر کا کوئی صحیح اندازہ انہیں نہ ہو سکا...... چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں بڑی گہرائی تھی اور چہرے پر گھمبیرتا۔

"جی فرمایئے؟"۔

"میرا نام وشال ہے"۔

"جی!"۔

"وشال رتن راج راؤ"۔

"اوہ...... اچھا اچھا آپ رتن راج کے بیٹے ہیں"۔

"جی وکیل صاحب"۔

"بیٹھو بیٹے بیٹھو...... اوم پرکاش کے دل میں ہمدردی اُبھر آئی...... اتفاق سے پہلے کبھی تم سے نہیں ملا"۔

"جی...... میں نے سوچا خود ہی آپ سے مل لوں"۔

"کہو...... مجھ سے کوئی کام ہے"۔

"جی ہاں...... سنا ہے آپ ہمارے خاندانی وکیل ہیں"۔

"ہاں بیٹے سچ سنا ہے تم نے"۔

"خاندان کے کسی خاص فرد کی وکالت کرتے ہیں آپ یا پورے خاندان کی......

وشال نے سوال کیا اور اوم پرکاش چونک کر اسے دیکھنے لگے...... چھوٹے سے منہ سے بڑی بات ادا ہوئی تھی...... بہر حال انہوں نے کہا۔

"میں کسی فرد کی وکالت تو نہیں کرتا...... تمہارے خاندانی معاملات کی دیکھ بھال کرتا ہوں"۔

"اچھا اچھا...... افراد سے کوئی دلچسپی نہیں آپ کو"۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"۔

"کچھ نہیں وکیل صاحب میں ایسے ہی معلومات حاصل کر رہا تھا"۔

"رتن راج کے بیٹے ہو تم؟"۔

"جی!"۔

"کیسی گزر رہی ہے تمہاری زندگی"۔

"ٹھیک ہے وکیل صاحب...... بس ایک پریشانی ہے"۔

"کیا؟"۔

"میرے مستقبل کے بارے میں سوچنے والا کوئی نہیں ہے......"۔

"اوہ...... پڑھتے ہو تم"۔

"جی وکیل صاحب"۔

"تمہارے تایاؤں کا سلوک کیسا ہے تمہارے ساتھ"۔

"پتہ نہیں"۔

"کیا مطلب؟"۔

"وہیں کبھی کبھی دیکھنے کو ملتے ہیں البتہ روٹی کپڑا مل جاتا ہے"۔

"دوش تمہارے پتا کا ہے بیٹے"۔

"شاید"۔

"تمہیں میری کسی مدد کی ضرورت ہے"۔

"ہاں"۔

"بے تکلفی سے کہو میں تمہارے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں"۔

"زیادہ بے تکلف ہو گیا تو آپ کو پریشانی نہ ہو"۔

"جو کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو"۔

"میں اپنے مستقبل میں آپ کی مدد چاہتا ہوں"۔

"مجھے بتاؤ میں کیا کر سکتا ہوں تمہارے لئے"۔

"مجھے وکیل بنادیں"۔

"ایں......اوم پرکاش چونک پڑے"۔

"اس کی ایک وجہ ہے وکیل صاحب"۔

"کیا؟"۔

"آپ مجھے دیکھ رہے ہیں...... بھگوان نے مجھے چھوٹا بنایا ہے......اگر میں فوجی بننا چاہوں تو مجھے ہنس کر بھگا دیا جائے گا......اگر میں انجینئر بننا چاہوں تو میرے چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں بھاری مشنری کو کس طرح سنبھال سکتے ہیں، اسی طرح وکیل صاحب زندگی کے ہر شعبے میں مجھے میری جسمانی کیفیت کی بنا پر مسترد کر دیا جائے گا...... بہت سوچنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ وکیل بن جاؤں......اس میں صرف دماغ اور زبان استعمال ہوتے ہیں اور یہ دونوں درست حالت میں ہیں...... وکیل صاحب میرے ذہن میں یہی آیا کہ آپ سے ملوں اور اپنے مستقبل کے لئے آپ کی مدد چاہوں"۔

اوم پرکاش جی پہلے بھی ان دونوں ماں بیٹوں سے ہمدردی رکھتے تھے...... حالانکہ وہ اس خاندان کے صرف قانونی مشیر تھے اور ان لوگوں کی ذاتیات سے انہیں کوئی

دلچسپی نہیں تھی، لیکن رتن راج کی بدکرداری، گووند راج اور راگھو راج کی چالاکی وہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے......جب رتن راج جائیداد سے دستبرداری کے کاغذات پر دستخط کر رہا تھا تو وکیل صاحب نے اپنے طور پر یہ سوچا تھا کہ رتن راج کے بیٹے اور بیوی کا کیا ہوگا...... لیکن ظاہر ہے اس معاملے میں براہ راست انہیں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں تھا، البتہ انسانی بنیادوں پر انہیں دُکھ ہوا تھا اور اب ان کا یہ دُکھ ان کے سامنے تھا......انہوں نے محبت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں وکالت کی دنیا میں خوش آمدید کہتا ہوں وشال...... لیکن ابھی تو تمہاری عمر بہت کم ہے اور تمہاری تعلیم بھی"۔

"وکیل صاحب میری عمر بھی کم ہے اور تعلیم بھی...... لیکن نہ میری عمر ختم ہونے والی ہے نہ تعلیم...... اگر ابھی سے آپ کے چرنوں میں رہ کر تجربہ حاصل ہو جائے تو جب میں باقاعدہ وکالت پڑھوں گا تو یہ تجربہ میرے کام آئے گا"۔

"خوب بہت خوب...... بڑے اچھے انداز میں سوچا آپ نے...... تو پھر جناب وشال راج صاحب (ایڈووکیٹ) میں آپ کو اپنے اس دفتر میں اور اپنی شاگردی میں خوش آمدید کہتا ہوں"۔

وشال نے آگے بڑھ کر اوم پرکاش جی کے پاؤں چھوئے اور بولا "اور پھر آپ دیکھیں گے وکیل صاحب کہ آسمان کی بلندیوں پر ایک نام کس طرح اُبھرے گا اور آپ فخر کریں گے اس بات پر کہ وہ آپ کا شاگرد تھا۔

"وشال نے باقاعدہ اوم پرکاش جی کے دفتر آنا شروع کر دیا اور اس طرح کام کا آغاز کیا کہ اوم پرکاش جی خود بھی حیران رہ گئے...... تمام فائلوں کی ترتیب، تمام کاغذات کی ترتیب......اور اس کے بعد اوم پرکاش جی کے سارے پروگرام......وشال نے اس طرح ان سب پر کنٹرول حاصل کر لیا کہ خود اوم پرکاش جی کی سمجھ میں نہیں

آتا تھا۔

موکل ان کے پاس آتے اور اپنی روداد سناتے تو وشال خاموشی سے ایک گوشے میں بیٹھا تمام باتیں سنتا رہتا تھا اور اوم پرکاش جی اس کی محویت دیکھ کر یہ سوچتے کہ اس نے غلط نہیں کہا...... آنے والے وقت میں ایک نام چمکے گا جو وکالت کی دنیا میں سرتاج ہوگا...... یوں بہت سے دن بیت گئے...... پھر ایک دن اوم پرکاش جی نے ایک اور مظاہرہ دیکھا...... وہ کسی سے ایک کیس کے سلسلے میں بحث کر رہے تھے اور وشال ادب سے بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا...... اوم پرکاش جی جو دلائل دے رہے تھے دوسرا آدمی ان کے دلائل کو مسترد کر رہا تھا...... تب وشال نے درمیان میں دخل دیا۔

"مہاراج آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی گہرائیوں پر غور نہیں کر رہے...... درحقیقت جو معاملہ آپ نے پیش کیا ہے اس میں چند بنیادی خرابیاں ہیں"۔

اجنبی کے ساتھ اوم پرکاش جی نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا...... پھر اجنبی بولا۔

"مثلاً...... کیا تم اس کی نشاندہی کر سکتے ہو؟"۔

"جی ہاں...... مثلاً آپ نے اس سلسلے میں جس بنیادی نقطے پر غور نہیں کیا...... وہ یہ ہے...... وشال نے اجنبی کو سمجھانا شروع کر دیا اور چند ہی لمحات کے بعد ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... وشال ایک کے بعد دوسرا پوائنٹ انہیں سمجھاتا رہا اور اجنبی کا منہ شدت حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا...... اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے اوم پرکاش جی کو دیکھا...... خود اوم پرکاش جی کی کیفیت اس سے مختلف نہیں تھی...... پھر وہ لرزیدہ آواز میں بولا۔

"اوم پرکاش جی...... کیا یہ آپ کا کمپیوٹر ہے...... اوم پرکاش جی ہنس پڑے...... پھر پر محبت انداز میں بولے"۔

"بھگوان کی سوگند اس کمپیوٹر کی کارکردگی کا احساس مجھے بھی آج ہی ہوا ہے"۔

"کمال کی بات ہے کون ہے یہ؟"۔

"میرا شاگرد...... وشال راج"۔

"کمال کی چیز ہوگی...... میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں...... اوم پرکاش جی...... بات نہ آپ کی سمجھ میں آ رہی تھی اور نہ ہی میں آپ کو سمجھا پا رہا تھا...... مگر یہ...... یہ...... اجنبی نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے وشال کو دیکھتے ہوئے کہا"۔

"تو پھر کیا خیال ہے آپ کا؟"۔

"بھئی اب تو ٹھیک ہے آپ اس روشنی میں کام کیجئے اور وشال مہاراج سے مدد لیجئے"۔

"آپ مطمئن ہیں"۔

"بالکل بھائی بالکل...... اب تو غیر مطمئن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... بھگوان نہ کرے اگر میں اپنے منصوبے پر کام کرتا تو میرا کیا بنتا"۔

"بہت برا ہو جاتا...... میں سچی بات آپ کو بتاؤں، یہ ساری باتیں میرے من میں موجود تھیں، مگر میں سمجھا نہیں پا رہا تھا آپ کو...... مگر وشال نے...... ویری گڈ وشال، ویری گڈ...... آج سے تمہاری حیثیت ایک دم سے بدل گئی...... اوم پرکاش جی اپنے موکل سے بات کرتے رہے اور جب وہ چلا گیا تو انہوں نے وشال کو گلے سے لگالیا۔

"یہ سب...... یہ سب...... وشال تم نے میرے ہی پاس سیکھا؟"۔

"ہاں گروجی آپ ہی تو میری دیوار ہیں...... میں آپ ہی پر اپنی تقدیر پڑھتا ہوں اور اپنے مستقبل کے بارے میں بڑی امیدیں رکھتا ہوں"۔

"وشال تم نے کمال کر دیا...... ذہانت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ میں نے تم پر پوری توجہ نہ دے کر غلطی کی ہے"۔

"گرو جی گرو کی توجہ حاصل کرنا بھی شاگرد ہی کا کام ہوتا ہے"۔

اور اس کے بعد واقعی اوم پرکاش جی کا انداز بدل گیا...... وہ یہ بات بھول گئے کہ وشال کی تعلیمی کیفیت کیا ہے...... وہ ہر کیس کا فائل وشال کے حوالے کر دیتے، اس پر بحث کرتے اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ جاتے...... وشال انہیں وہ...... وہ نقطے بتاتا کہ وہ حیرت سے پاگل ہو جاتے تھے"۔

وشال کے اپنے معمولات کیا تھے...... یہ بہت سے لوگوں کے علم میں نہیں تھے، البتہ کنول کو وشال نے یہ بتادیا تھا کہ وہ اوم پرکاش جی کے پاس کام کرتا ہے اور وکالت کے ہنر سیکھ رہا ہے...... مستقبل میں وہ وکیل بنے گا...... اس بات کی تصدیق کنول نے اوم پرکاش جی سے کرلی تھی اور اوم پرکاش نے انہیں بتایا تھا کہ وشال باقاعدگی سے ان کے ساتھ کورٹ کے معاملات میں شریک ہوتا ہے، وہ کسی غلط راستے کا راہی نہیں ہے...... اس سے کنول کو کافی حد تک اطمینان ہو گیا تھا۔

وشال کی تعلیمی کوششیں بھی جاری تھیں اور وہ غیر معمولی طور پر ایک اچھا طالب علم ثابت ہو رہا تھا...... وہ اپنا تعلیمی معیار مسلسل بہتر سے بہتر بنا رہا تھا...... اس سے کنول کو ایک اور اطمینان ہو گیا تھا کہ اب وشال کی مصروفیتیں مختلف ہو گئی تھیں...... وہ چونکہ زیادہ تر یا تو اپنے تعلیمی مسئلے میں مصروف رہتا یا پھر وکیل صاحب کے پاس...... اس طرح وکرم گوپال اور شیکھر وغیرہ سے اس کا مقابلہ کم ہی ہوتا تھا...... اس طرح وکرم گوپال اور شیکھر وغیرہ سے اس کا مقابلہ کم ہی ہوتا تھا اور ان سے ملاقاتیں تقریباً ختم ہو گئی تھیں، جس کی وجہ سے کوئی نیا فساد گھر میں کھڑا نہیں ہو سکا تھا۔

کرن وتی اپنا قول نبھا رہی تھی...... موٹا جھوٹا کھانے کو مل جاتا تھا...... ان دونوں ماں بیٹیوں کو، پہننے کے لئے کپڑے بھی کہیں نہ کہیں سے دستیاب ہو ہی جاتے تھے...... یوں وقت گزر رہا تھا۔

رتن راج کے بارے میں پھر کوئی خبر نہیں ملی تھی...... دوسری طرف وکیل اوم پرکاش کے دل میں وشال کی قدر بڑھتی ہی جارہی تھی...... انہوں نے دل ہی دل میں یہ اعتراف کیا تھا کہ آنے والے وقت کے لئے ایک طوفانی وکیل تیار ہو رہا ہے، خود ان کا اپنا کاروبار بھی کچھ اس طرح چمک گیا تھا کہ انہیں حیرت ہوتی تھی...... وشال ان سے ایسے ایسے نقطوں پر بحث کرتا کہ اوم پرکاش جی حیران رہ جاتے، اب ان کے قانون کی پوری لائبریری وشال کے کنٹرول میں تھی اور وہ اکثر وشال کو قانون کی کتابیں پڑھتے دیکھتے تھے اور سوچتے تھے کہ اس ننھے سے وجود میں کون سی ایسی شخصیت پوشیدہ ہے جو اسے سنبھالے ہوئے ہے...... لیکن اس دن اتفاقیہ طور پر موالی ٹولے سے گزرتے ہوئے انہوں نے ایک منظر دیکھا اور دنگ رہ گئے۔

موالی ٹولہ اس شہر میں ایک ایسا علاقہ تھا، جسے قابل نفرت سمجھا جاتا تھا...... چھوٹے لوگوں کی آبادی تھی اور وہاں زیادہ تر غلط لوگ نظر آتے تھے...... منشیات اور دوسری چیزیں یہاں عام طور سے بکتی تھیں...... لڑائی بھڑائی، مارپیٹ اور تمام ہی گندے کام اس علاقے سے وابستہ سمجھے جاتے تھے...... وشال انہیں جس حالت میں نظر آیا اسے دیکھ کر ان کا دل خون ہو کر رہ گیا تھا...... وہ خود بھی شاید نشے میں ڈوبا ہوا تھا...... چند حالی موالی اس کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے اور اس کی حالت کافی خراب تھی۔

اس وقت اوم پرکاش جی نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا، لیکن ان کے دل کو ایک دھچکا سا پہنچا تھا۔

دوسرے دن وشال جب ان کے سامنے آیا تو اپنی اصل حالت میں تھا، لیکن آج اوم پرکاش جی کی آنکھوں کا رنگ بدلا ہوا تھا...... انہوں نے وشال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وشال میں تم سے گھما پھرا کر بات کرنا نہیں چاہتا کیونکہ میں تمہاری ذہنی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہوں"۔

"کیوں گرو جی...... کوئی غلطی ہو گئی مجھ سے" وشال نے مسکرا کر پوچھا۔

"غلطی نہیں وشال...... تم یوں سمجھو میرے دل کو ایک بڑا جھٹکا لگا ہے"۔

"کیوں گرو جی...... وشال نے پوچھا"۔

"کل میں نے تمہیں موالی ٹولے میں دیکھا تھا...... تم شاید نشے میں بھی تھے، گانجے کی بدبو اٹھ رہی تھی تمہارے پاس سے"۔

"جی گرو جی...... یہ سچ ہے کہ میں وہاں تھا...... اور نشے میں بھی تھا"۔

"وشال ایک طرف تمہاری زندگی کا تابناک پہلو اور دوسری طرف تمہاری اتنی پستی، یہ سب میرے لئے ناقابل یقین ہے...... تم جانتے ہو تمہارے اوپر کتنی ذمہ داریاں ہیں...... تمہاری ماں بالکل بے سہارا ہے اور اس وقت اسے تمہارے سہارے کی اشد ضرورت ہے...... تم ایک جانب جس بلندی اور ذہانت کا مظاہرہ کر رہے ہو وہ نجانے کس کس کے لئے باعث حیرت ہے اور دوسری جانب پستی کا یہ اظہار...... میں اس کی وجہ جاننا چاہتا ہوں...... اوم پرکاش نے کہا"۔

"گرو جی آپ نے جس انداز میں اس پستی کی وجہ پوچھی ہے اس کے بعد میرے پاس سچ بولنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے...... دراصل گرو جی میں سمجھتا ہوں کہ ہر پیشہ ریسرچ چاہتا ہے...... وکالت صرف قانون کی کتابوں میں پوشیدہ نہیں ہوتی...... وکیل قانونی حوالوں سے اپنے موکلوں کا دفاع کر سکتا ہے...... قانونی پوائنٹس دے کر وہ جرم کو آسان بنا سکتا ہے یا اس کی اصل شدت کم کر سکتا ہے، لیکن معاف کیجئے گا گرو جی...... یہ سب کچھ مکمل نہیں ہے...... ہمیں جرم کی نفسیات کا جائزہ بھی لینا چاہئے، ہمیں یہ اندازہ تو لگانا چاہئے کہ آخر جرم کی بنیاد کیا ہوتی ہے...... مجرم جرم کیوں کرتا ہے...... مجرم مجرم کیوں بنتا ہے؟ کون سی چیز اسے مجرم بننے پر آمادہ کرتی ہے...... معاشرے کے وہ کون کون سے پہلو ہیں جن کی بنا پر جرم کی تخلیق ہوتی ہے...... گرو جی

اگر ایک کامیاب وکیل جرم کی گہرائیوں اور ان کی بنیاد سے واقف ہو تو وہ اپنے دلائل پر پرزور بحث کر سکتا ہے...... ہم معاشرے کے مختلف جرائم کی دیکھ بھال کرتے ہیں...... بڑے لوگوں کے جرم مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں...... ان سے ذرا نچلے طبقے کے جرم اس سے الگ ہوتے ہیں اور جرم کی جو سب سے بڑی تعداد پائی جاتی ہے وہ پسماندہ لوگوں میں ہے...... میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر وہ لوگ جرم کیوں کرتے ہیں اور اس کی بنیادی نوعیت کیا ہوتی ہے، اس کے لئے گرو جی میں نے اسٹیپ بائی اسٹیپ کام کرنے کا فیصلہ کیا...... موالی ٹولے کے بارے میں آپ کو بھی علم ہے کہ وہاں جرم پیدا ہوتا ہے...... میں اس پیدائش کی وجہ جاننا چاہتا ہوں اور یہ وجہ جاننے کے لئے میں ان کے انٹرویوز نہیں کر سکتا بلکہ ان کو اپنے آپ میں شامل کر کے ان کی ذہنی قوتیں حاصل کرتا ہوں اور یہ دیکھتا ہوں کہ ان کی سوچ کا انداز کیا ہے...... وہ کہاں سے اپنی مجرمانہ زندگی کی ابتدا کرتے ہیں اور کہاں تک جا سکتے ہیں...... میں ان میں شامل ہو کر ان کے ساتھ چرس بھی پیتا ہوں، گانجا بھی پیتا ہوں اور اس کے بعد ان کی باتیں بھی سنتا ہوں...... گرو جی آپ مجھے ایک چھٹانک گانجا پلا دیجئے، ایک چھٹانک چرس پلا دیجئے...... اگر مجھے نشہ آ جائے تو اپنے آپ کو گولی مارنے کے لئے پستول بھی میں ہی آپ کو مہیا کروں گا...... میں نشے میں نہیں ہوتا گرو جی...... یہ میری Will Power ہے کہ کوئی نشہ آور چیز مجھے نشے میں نہیں لا سکتی، میں ان کے ساتھ نشے کا مظاہرہ کر کے ان سے اندر کی باتیں اگلواتا ہوں...... میں ان سے معلوم کرتا ہوں کہ جرم کس طرح کیا جاتا ہے اور جرم کی سوچ کیونکر بیدار ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں موالی ٹولے میں پایا جاتا ہوں...... موالی ٹولے سے اپنا کام ختم کرنے کے بعد میں درمیانہ طبقے کے کسی ایسے گروہ کا جائزہ لوں گا جس سے مجھے درمیانہ درجے کے جرم کے بارے میں معلومات ہوں اور اس کے بعد گرو جی آپ کی مدد سے میں ان بڑے لوگوں کے جرائم کی چھان

بین کروں گا جو بڑے جرم کرتے ہیں۔

اوم پرکاش جی نے ایک بار پھر سر پکڑ لیا تھا...... واقعی اس بات کے جواب میں ان کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا...... لیکن یہ ننھا سا وجود یہ زہریلا کیڑا کس حد تک زہریلا ہے اس کا اندازہ انہیں بخوبی ہوتا جارہا تھا اور کبھی کبھی اس کے بارے میں سوچ کر ان کے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی...... آخر یہ کتنا بڑا دماغ ہے، کہاں تک پہنچے گا یہ کہاں تک پہنچے گا"۔

وہ وشال کو دیکھتے رہے پھر بولے۔

"یہ خیال تمہارے دماغ میں کیسے آیا وشال؟"۔

"جو کچھ سیکھا ہے میں نے گرو کے چرنوں میں رہ کر ہی سیکھا ہے"۔

"مجھے تو کچھ اور ہی لگتا ہے وشال"۔

"کیا گرو جی"۔

"تم مجھے ہی کچھ سکھا رہے ہو...... اوم پرکاش پھیکے سے انداز میں ہنستے ہوئے بولے"۔

"نہیں گرو جی آپ کے سہارے میں جیون کے کٹھن راستے طے کر رہا ہوں اور یہ بات جیون بھر نہیں بھولوں گا کہ ایسے سمے آپ نے ایک ایسے لاوارث کو گلے لگایا جب کوئی اس کے سر پر ہاتھ رکھنے والا نہیں تھا"۔

"نہیں بیٹے...... انسان ہی انسان کے کام آتے ہیں"۔

"انسان ہی تو انسان کے کام نہیں آتے گرو جی...... اگر ایسا ہو جائے تو بھگوان سورگ کو دھرتی پر اتار دے"۔

"بڑے اونچے وچار ہیں تمہارے"۔

"آپ کے چرنوں میں رہ کر"۔

"ایک بات کہوں وشال"

"جی گرو جی"۔

"کوئی تکلیف ہو تو مجھے بتادیا کرو...... میں تمہارے خاندان کا نمک برسوں سے کھا رہا ہوں...... بہت کچھ لیا ہے میں نے اس خاندان سے، اس کے بارے میں کچھ برا نہیں کہہ سکتا...... ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں...... تمہارا خرچ کیسے چلتا ہے...... اگر کوئی تکلیف ہو تو مجھے بتاؤ"۔

"اگر کوئی تکلیف ہوئی تو گرو کے علاوہ کسی کو نہ بتاؤں گا...... وشال نے جواب دیا"۔

رتن راج بہت دن تک گووند راج اور راگھو راج کے ذہنوں پر سوار رہا تھا......
راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں ان کی...... بھائی کو ان سے زیادہ بہتر طور پر اور کون جانتا تھا...... انہیں علم تھا کہ رتن راج ایک سرکش گھوڑے کی مانند ہے، جو دوڑ پڑے تو پھر اس کے راستے روکنے ممکن نہیں ہوتے...... کم از کم اس کا ماضی یہی رہا تھا اور وہ ماضی سے خوفزدہ تھے...... یہ قدم اٹھا تو بیٹھے تھے لیکن بعد کے نتائج سے وہ کافی پریشان رہے تھے، البتہ جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا ان کی ڈھارس بندھتی جارہی تھی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ وقت اچھے اچھوں کو بدل دیتا ہے...... رتن راج میں اب وہ سرکشی نہیں رہی جو کبھی اس کی شخصیت کا ایک حصہ سمجھی جاتی تھی اور پھر بات بھی کسی حد تک ٹھیک ہی تھی...... ظاہر ہے انہوں نے اس کی ہر فرمائش پوری کر دی تھی اور اس کے بعد اگر وہ فرمائش جاری رکھے تو پھر ان لوگوں کا کیا دوش، دونوں ہی اپنی بیویوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے اور ہر طرح کی سوچ فراموش کر چکے تھے...... پتہ نہیں اس سلسلے میں مایوس ہونے کے بعد رتن راج نے کیا کیا تھا وہ یہاں موجود بھی ہے یا نہیں لیکن اس کا پتہ لگانے کی ہمت کسی میں نہیں ہوتی تھی کیونکہ بھڑوں کے چھتے کو وہ چھیڑنا نہیں چاہتے تھے...... بہرحال وہ جیسے بھی زندگی گزار رہا تھا اس کی انہیں پرواہ نہیں تھی...... وہ اپنے اپنے ہی کاموں میں لگے ہوئے تھے لیکن اس رات رتن راج پھر

جاگ گیا...... بادلوں بھری شام تھی اور فضاء میں عجیب سی گھٹن چھائی ہوئی تھی...... اس کا احساس سبھی کو تھا اور بات صرف ایک گھر کی تو نہیں تھی، چاروں طرف ایک جیسا ہی ماحول تھا...... رات ہوئی تو گہری تاریکی چاروں طرف پھیل گئی اور مصنوعی روشنیاں اس تاریکی کو دور کرنے کی کوشش کرنے لگیں...... خیال تھا کہ کسی وقت بھی بارش شروع ہو سکتی ہے، چنانچہ زیادہ تر گھروں ہی میں بسیرا کیا گیا تھا...... رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب راؤ حویلی میں موجود چوکیداروں کو ایک عجیب سا احساس ہوا......
دو چوکیدار تھے جو رات کو پہرہ دیا کرتے تھے اور انہیں اس کی تنخواہ ملتی تھی......
چوکیداروں کو اس احساس کے ساتھ ہی محتاط ہونا پڑا تھا لیکن انہوں نے جونہی ان سائیوں کو دیوار سے کود کر نیچے اترتے دیکھا شور مچادیا...... وہ سائیوں کو پکڑنے کے لئے دوڑے تھے لیکن پستولوں کے دو فائر ہوئے اور وہ دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے......
فائرنگ کی آواز سنتے ہی راگھو راؤ اور گووند راج ایک دوسرے کے کمرے کی طرف بھاگے...... عورتیں بھی پریشان ہو گئی تھیں...... وہ سب ایک دوسرے سے ان فائروں کے بارے میں سوالات کر رہے تھے لیکن ہمت نہیں پڑی تھی کہ کھلے بندوں باہر نکل کر صورت حال کا جائزہ لیں...... دونوں نے اپنی اپنی بندوقیں اٹھالی تھیں......
گوپال، وکرم اور شیکھر بھی ہاتھوں میں کوئی نہ کوئی ہتھیار لئے باہر نکل آئے تھے......
بزدل وہ بھی نہیں تھے لیکن اندھیرے سے چلی گولیوں سے سب ہی ڈرتے ہیں، چنانچہ کافی دیر بعد جب مکمل خاموشی کے سوا کچھ نہ رہا تو وہ باہر نکل آئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ان چوکیداروں کے قریب پہنچ گئے جو مردہ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔
”خون......“ گووند راؤ کے منہ سے نکلا اور وہ بدحواس ہو گئے، اس کے بعد تو پوری کوٹھی میں کھلبلی مچ گئی تھی...... دوسرے حصے سے وشال اور کنول بھی باہر آ گئے تھے اور اس صورت حال کو جاننے کی کوشش کر رہے تھے...... چوکیداروں کے خون کی

وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی...... یہ وجہ آدھی رات کو اس وقت سمجھ میں آئی جب
پولیس کوٹھی میں آچکی تھی اور تحقیقات کر رہی تھی...... گووندراج اور راگھوراج نے
پولیس کو بتایا کہ اچانک ہی گولیاں چلیں اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی...... پتہ نہیں ان
چوکیداروں سے کس کو دشمنی تھی اور ان گولیوں کو چلانے کی کیا وجہ تھی...... پولیس
نے اپنی تفتیش البتہ یہیں محدود نہ رکھی اور گووندراج وغیرہ سے کہا کہ کم از کم وہ اپنے
مال واسباب کا تو جائزہ لے لیں، ہو سکتا ہے چوکیداروں کو ہلاک کرنے کی وجہ کسی قسم کا
کوئی ڈاکہ یا چوری ہو...... تب ان لوگوں کو اس کا خیال آیا اور وہ اپنی تجوریوں کی جانب
بھاگے لیکن وہی ہوا جس کا اندیشہ پولیس نے ظاہر کیا تھا...... لاکھوں روپے کی مالیت
کے زیورات، نقد رقم اور قیمتی اشیاء تجوریوں سے نکالی جا چکی تھیں...... سارے خاندانی
زیور چوری ہو گئے تھے جن کی مالیت کروڑوں کے قریب پہنچ جاتی تھی...... گووندراج
کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور وہ دل پکڑ کر بیٹھ گیا...... راگھوراؤ کی کیفیت بھی
اس سے مختلف نہیں تھی...... عورتیں تو چیخ چیخ کر رونے لگی تھیں...... بہر طور یہ بات
پایہ تکمیل کو پہنچ گئی کہ راؤ حویلی میں پہلی بار ایک عظیم الشان ڈاکہ پڑا ہے...... پولیس ہر
نقطے پر غور کر رہی تھی...... ڈاکے کی مالیت کا تخمینہ لگایا جا رہا تھا، ہر شخص سے پوچھ گچھ
کی جا رہی تھی اور پھر اس سلسلے میں سب سے پہلی لب کشائی منورما نے روتے ہوئے
کی؟“۔

”افسر صاحب بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کہ ڈاکو کون تھے...... سیدھی
سیدھی بات ہے کہ گھر کا بھیدی ہی لنکا ڈھاتا ہے...... یہ تجوریاں اور سامان جہاں رکھا
تھا اس جگہ سے باہر کا کوئی آدمی واقف نہیں ہو سکتا...... ڈاکو کو پکڑنا ہے تو سیدھے
سیدھے رتن راج جی کو پکڑ لیجئے“۔

”منورما کیا بک رہی ہے...... راگھوراج غرایا“۔

”جو بات دل میں تھی میں نے کہہ دی...... اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے......
ہمارے دل میں سوراخ ہو گئے اور ہم اس وقت بھی رشتے نبھائیں، جب رشتے داروں
نے رشتے نا نبھائے تو ہم کیا نبھائیں گے...... تو آخر ہمارا بھی مستقبل اسی کوٹھی سے
وابستہ ہے، اسی حویلی میں ہمیں جینا مرنا ہے...... یہ اچھی بات ہے کہ لوگ اپنے اپنے کو
بچانے کے لئے دوسروں کو پیس کر رکھ دیں...... میں نے ایک بات بالکل صاف کہہ
دی ہے جو زیورات اور قیمتی اشیاء چرائی گئی ہیں ان میں میرے جہیز کے زیورات بھی
لاکھوں روپے کے شامل ہیں...... میں ہر قیمت پر انہیں برآمد کرنا چاہتی ہوں......
سمجھے آپ لوگ، اپنے رشتے آپ خود نبھایئے، میں ان کی ذمہ دار نہیں ہوں...... منورما
کی بات گووندراج کے دل کو بھی لگی تھی...... رتن راج کی مکمل خاموشی ویسے بھی ذرا
غیر فطری سی تھی...... وہ انتقامی مزاج رکھتا تھا...... بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ بھائی اسے
دھتکار کر نکال دیں اور وہ خاموش بیٹھ جائے، اگر لڑتا جھگڑتا تو بات برابر ہو جاتی اور اس
کے بعد کوئی نا کوئی فیصلہ ہو جاتا لیکن اس کی خاموشی سے سب ہی حیران تھے اور اب
اس خاموشی کی وجہ ان کی سمجھ میں آگئی تھی، چنانچہ گووندراج نے زبان بند رکھی
تھی...... کرن وتی بھی خاموش تھی...... بھاوج بول رہی تھی وہی بات جو ان سب کے
دلوں میں تھی...... راگھوراؤ نے تھوڑی سی مخالفت کی تھی، لیکن دوسرے دن جب
پولیس افسر نے ان سے اب بارے میں ان کے آخری خیالات پوچھے تو وہ بولے“۔

”یہ کام آپ لوگوں کا ہے کہ ڈاکوؤں اور اصل مجرموں کو تلاش کریں، دو
آدمیوں کا خون ہوا ہے، بات معمولی نہیں ہے...... میں یہ نہیں چاہتا کہ رتن راج کو
گرفتار کر کے اسے زبردستی ڈاکو اور قاتل قرار دے دیا جائے لیکن اگر اس کے خلاف
جرم ثابت ہو جاتا ہے تو پھر بھلا میں کیا کر سکتا ہوں...... گویا یہ ایک اشارہ تھا رتن راج
کی طرف...... اوم پرکاش جی بھی اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے، لیکن

انہوں نے کھل کر کوئی بات نہیں کی تھی...... پولیس کی تفتیش مکمل ہو جائے، اس کے بعد ہی وہ اس سلسلے میں سوچ سکتے تھے کہ انہیں خود کیا کرنا چاہئے...... کنول زار و قطار روتی رہی تھی...... بات رتن راج پر آ رہی تھی...... بس اسے اسی کا غم تھا اور پھر ڈاکے ہی تک بات محدود نہیں تھی اب تو دو قتل بھی ہو گئے تھے...... یہ سب کچھ معمولی نہیں تھا، بالکل معمولی نہیں تھا...... وشال البتہ بالکل خاموش تھا اور اوم پرکاش نے جب اس سے اس کی رائے پوچھی تو وہ بولا"۔

"ابھی میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا گرو جی...... صورت حال پولیس کے سامنے واضح ہو جائے تو پھر فیصلہ کیا جا سکتا ہے"۔

حویلی میں بری حالت تھی منورما نے تو رو رو کر آنکھیں سجا لی تھیں اور سب سے زیادہ اس ڈاکے کا غم اسی کو تھا...... دن رات پولیس چکر لگاتی رہتی تھی، سب ہی پریشان تھے اور اسی شام جب اتفاق سے کنول منورما کے سامنے سے گزری تو منورما پھٹ پڑی"۔

"اے کنول رانی جی...... اے کنول رانی جی...... ذرا ادھر تو آؤ تم سے بھی دو دو باتیں کر لی جائیں"۔

"کیا بات ہے بھابی جی؟"۔

"ارے میں لعنت بھیجتی ہوں تمہاری بھابی ہونے پر، کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا...... اب تو ہمیں سارے زیوروں اور گہنوں سے محروم کر دیا...... تمہارے رتن راج نے تمہارے دل میں تو ٹھنڈک اتر رہی ہو گی"۔

"نہیں بھابی جی میں بھلا آپ کی پریشانی سے کیسے خوش ہو سکتی ہوں"۔

"منہ کی باتیں ہیں ساری کی ساری منہ کی باتیں ہیں...... منہ سے کچھ کہہ رہی ہے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے...... کرن وتی نے منورما کو روکا"۔

"اے منورما اس بیچاری سے کہنے سے کیا حاصل، اگر رتن جی نے ایسا کیا بھی ہے تو اسے کیا مل گیا"۔

"ملا نہیں تو مل جائے گا بھابی جی...... تمہارے دل میں بڑی دیا ہے ان لوگوں کے لئے...... ارے ناس کر دیا انہوں نے ہمارا اور تم اب بھی اپنی دیا کے ٹوکرے بھری بیٹھی ہو"۔

"ہاں...... ہاں...... ان بیچاروں نے کچھ نہیں کیا بس تم بلاوجہ ان پر الزام لگاؤ"۔

"بھابی جی تم پالن ہاری بن گئی ہو ان کی میرا بس چلے تو چوٹی پکڑ کر باہر نکال دوں...... ارے آخر رتن راج ہی نے تو ہمیں کنگال کیا ہے...... لو ذرا دیکھو ان بڑے بڑے سورماؤں کو عقل مندوں کو کاغذ کے ٹکڑے تو چھپا کر رکھ دیئے کہ کہیں جائیداد میں کوئی اور بٹہ نہ لگ جائے...... اصل چیزوں کو کھلا چھوڑ دیا، میں کہتی ہوں یہ کیسے پتی ہیں ہمارے نرے گاؤدی کاٹھ کے اُلو"۔

"تم اپنے بڑے بھائی کو بھی گالی دے رہی ہو منورما"۔

"ہاں اب تم مجھ سے لڑنے بیٹھ جاؤ...... میں کہتی ہوں، میرا جو کچھ برباد ہوا ہے وہ کون دے گا"۔

"میں جاؤں بھابی جی"۔

"ہاں...... ہاں جاؤ عیش کرو...... صحیح معنوں میں تو عیش تمہارے ہی ہیں...... آرام سے گھسی رہتی ہو، کھاتی ہو پیتی ہو تم اور تمہارا بیٹا ہی تو جیون بتا رہے ہیں...... اس گھر میں ہمیں وہ جیون کہاں نصیب میں کہتی ہوں، کنول اگر میرے زیورات نہ ملے تو میں تم سے بدلہ لوں گی"۔

"مجھ سے کیا بدلہ لیں گی بھابی جی؟" مجھ سے بدلہ لے کر آپ کو فائدہ ہی کیا ہو گا...... میں تو خود جیون کے دن بتا رہی ہوں"۔

"یہی معصومیت تو مار ڈالتی ہے سب کو، میں کہتی ہوں نیچ خاندان بڑے چالاک ہوتے ہیں، جس چالاکی سے تم اپنا وقت گزار رہی ہو کنول رانی جی اس سے کم ہی لوگ گزارتے ہیں اور وہ کہاں ہیں تمہارے وشال جی مہاراج...... کیا وچار ہیں ان کے اپنے پتا جی کے بارے میں اسی سمے وشال ایک طرف سے آتا ہوا نظر آیا، اس کے بدن پر گیروا دھوتی تھی...... شلوکا پہنے ہوا تھا، گلے میں جنیو پڑا ہوا تھا...... ماتھے پر تلک اور سر پر ایک عجیب سی ٹوپی سی پہنی ہوئی تھی، اس نے کہا"۔

"الکھ نرنجن...... اس نے قریب آکر کہا اور پھر کنول سے بولا"۔

"ماتا جی میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں اور آپ یہاں کھڑی ہوئی ہیں"۔

"ہاں...... ہاں...... اُدتار بننے جا رہے ہو گے تم...... حلیہ تو ایسا ہی بنا رکھا ہے...... ارے ان ماں بیٹوں نے کیسی ہمارے سینوں پر مونگ دل رکھی ہے...... بھگوان ہی ان سے نپٹے"۔

"تائی جی...... کیا ہوا کیوں پریشان ہیں آپ"۔

"تائی جی کے بچے زبان کھینچ کر باہر رکھ دوں گی اگر تو نے کبھی مجھے اپنی زبان سے تائی جی کہا...... دیکھے اپنے پتا کے کرتوت کیا حشر کیا انہوں نے ہمارا"۔

"میں سمجھا نہیں تائی جی...... ویسے آپ جو من چاہیں مجھے کہہ لیں مجھے اب بھگوان کا گیان حاصل ہو گیا ہے...... میں عدم تشدد کا پجاری ہوں، اس سلسلے میں بدھا کہتا ہے"۔

"اوہ...... او...... بدھا کے پجاری کیوں ہمارا دھرم بھی بھرشٹ کر رہا ہے...... میں کہتی ہوں ان دونوں ماں بیٹوں کو یہاں سے نکال دو کہیں ان کا خون نا ہو جائے میرے ہاتھوں سے"۔

"اگر ہم تمہارے ہاتھوں مارے گئے تائی جی تو ہمیں نردان حاصل ہو جائے گا......

بدھا کا یہی کہنا ہے کہ ظلم کے آگے ہمیشہ گردن جھکاتے رہو، ظلم ایک دن خود بخود ختم ہو جائے گا"۔

"لو دیکھا...... لو سنا میری موت کی دعائیں کر رہا ہے...... جانتا ہے تیرے پتا جی نے کیا کیا"۔

"اگر تم ڈاکے والی بات کر رہی ہو تائی جی تو کون جانے بھگوان ہی جانے کہ اصل ڈاکو کون تھے...... پتا جی نے اگر ایسا کیا تو بہت برا کیا، انہیں اپنے گھر میں یہ نہیں کرنا چاہئے تھا اور اگر پتا جی نے ایسا نہیں کیا تو آپ لوگ برا کر رہے ہیں، جو جانے بوجھے بغیر ان کا نام لے رہے ہیں...... الکھ نرنجن...... چلو ماتا جی مجھے تم سے کچھ کام ہے...... وشال کنول کا ہاتھ پکڑ کر حویلی کے اس گوشے کی جانب بڑھ گیا جہاں یہ دونوں رہتے تھے...... منورما بڑبڑاتی رہ گئی تھی۔

رتن راج بھائیوں کے پاس سے نراش واپس گیا تھا...... اس کی پریشانیاں انتہا کو
پہنچی ہوئی تھیں...... سلکھشنا کے ساتھ اس نے واقعی شادی کرلی تھی...... سلکھشنا کچھ
ایسی ہی من کو بھائی تھی...... بہر طور وہ ایک چالاک عورت تھی اور اس نے رتن راج
کو پوری طرح سمجھ لیا تھا اور سمجھ بوجھ کے بعد ہی اس نے رتن راج کے لئے وہ راستے
اختیار کئے تھے جو رتن راج کو صحیح راستوں پر لے آئیں...... وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ
رتن راج کی بیوی بھی ہے...... بیٹا بھی ہے لیکن ان دونوں کے چنگل سے اس نے با
آسانی رتن راج کو نکال لیا تھا...... یورپ جانے کی تجویز بھی اسی کی تھی، بہر طور ابھی
تک وہ براہ راست راؤ خاندان کے سامنے نہیں آئی تھی، جب اسی طرح کام چل رہا ہے
تو بھلا اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ آگے بڑھ کر کچھ کرتی...... یورپ جانے کی تمام
کارروائیاں مکمل ہو چکی تھیں اور سلکھشنا کے دل میں بڑے بڑے منصوبے تھے، اس کی
تو دلی آرزو پوری ہوئی تھی...... رتن راج پوری طرح اس کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا،
حالانکہ اس سے پہلے اس نے کبھی ایک جگہ قناعت نہیں کی تھی، لیکن یہ سلکھشنا ہی کا
فن تھا کہ اس نے رتن راج کے سارے کس بل نکال دیئے تھے اور اب وہ سلکھشنا کے
علاوہ کسی اور کا دم نہیں بھرتا تھا...... تیاریاں مکمل ہونے کے بعد رتن راج اپنے
بھائیوں سے دس لاکھ روپے بھی لے آیا تھا...... وہ یہ سوچ کر دس لاکھ روپے لایا تھا کہ

یورپ جائے گا وہاں کی فضاؤں میں اپنے لئے جگہ بنائے گا اور اس کے بعد ہو سکتا ہے
اسے کبھی ہندوستان آنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے...... یہ ساری باتیں نہ تجربہ
کاری کی سوچ تھیں...... جیون کو اس نے بس چند ہی رنگوں میں دیکھا تھا...... سارے
رنگ بھلا کبھی کسی کی نگاہوں میں آتے ہیں، ان کے لئے تو ایک طویل تجربہ اور طویل
عمر درکار ہوتی ہے، لیکن دس لاکھ روپے اور کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ کی گمشدگی
نے رتن راج کو حواس باختہ کر دیا اور وہ سخت بدحواس ہو گیا...... اس بدحواسی میں اور تو
کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی، پھر بھائیوں کے پاس پہنچ گیا...... اسے امید نہیں تھی کہ
وہ لوگ اس طرح اسے اپنے دل سے نکال پھینکیں گے، وہاں اس کے ساتھ جو سلوک
ہوا اس نے اس کے دل و دماغ پر زبردست صدمہ طاری کر دیا تھا...... ابتداء میں تو
شدید غصہ آیا اور وہ ان لوگوں کو دھمکی دے کر آ گیا کہ اس طرح اسے نراش واپس
لوٹانے کا نتیجہ اچھا نہیں ہو گا، لیکن گھر آنے کے بعد اس کی آنکھیں آنسوؤں سے
بھیگ گئیں...... پہلی بار ان آنکھوں میں آنسو آئے تھے...... دل کا سارا غبار آنکھوں
کے راستے بہنے لگا...... سلکھشنا اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی...... رتن راج کو روتے
ہوئے دیکھا تو سمجھ گئی کہ بات نہیں بنی...... اسے اپنا پورا مستقبل تاریک نظر آیا تھا......
رتن راج جیسے آدمی سے شادی کرنے کا مطلب ہی یہ تھا کہ جیون میں عیش ہی عیش
ہوں...... خوشیاں ہی خوشیاں ہوں اور درحقیقت رتن راج نے ابھی تک اسے جو عیش
کرائے تھے وہ اس کے لئے خوابوں کی سی کیفیت رکھتے تھے اور ان خوابوں کی تکمیل وہ
یورپ جا کر کرنا چاہتی تھی، لیکن جو ہوا تھا وہ بڑا تعجب خیز تھا...... اس نے رتن راج کے
قریب پہنچ کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اور آہستہ سے بولی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے رتن؟ تم رو رہے ہو؟" رتن راج نے آنسو خشک کئے اور آہستہ
سے بولا۔

"سلکھشنا انسان اس سنسار میں کس پر بھروسہ کر سکتا ہے؟"۔

"اپنی پتنی پر" سلکھشنا نے جواب دیا۔

"میرا بھروسہ تو اب سب پر سے ٹوٹ گیا ہے...... کون ہے کسی کا اس سنسار میں؟"۔

"مگر ہوا کیا یہ تو بتاؤ؟"۔

"ان لوگوں نے مجھے روپیہ دینے سے انکار کر دیا...... انہوں نے ساری دولت خود ہڑپ کر لی ہے...... مجھ سے انہوں نے دست برداری کے کاغذات پر دستخط کرا لئے ہیں...... اس سمے میں نے یہی سوچا تھا کہ اب بھلا ہمیں روپے کی ضرورت کیا پیش آئے گی؟ یہ سب کچھ جو لے لیا ہے یہی کافی ہے، ہمارے لئے مگر سلکھشنا انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا...... میں سمجھتا ہوں ان میں ہماری بھابیوں کا زیادہ دوش ہے...... وہ اپنا اپنا سوچ رہی ہیں، حالانکہ میں نے انہیں ہمیشہ اپنا مان سمان سمجھا اور ان کی عزت کی لیکن انہوں نے ہم بھائیوں کے دلوں میں پھوٹ ڈلوا دی"۔

"ہوں! تو انہوں نے مزید پیسے دینے سے انکار کر دیا؟ سلکھشنا غصے سے بولی"۔

"ہاں صاف انکار"۔

"تو پھر اب میرے من کی بات سنو...... جو کچھ میرے دل میں ہے رتن راج جی تم نہیں سمجھو گے، جو کچھ ان لوگوں کے من میں ہے وہ بھی تم نہیں سمجھو گے"۔

"میں کچھ سمجھنا نہیں چاہتا...... میں سوچنا چاہتا تھا سلکھشنا میں آنے والے وقت کے لئے سوچنا چاہتا ہوں، اب یوں سمجھ لو میرا اس سنسار میں کوئی نہیں ہے"۔

"ارے تم کیا سوچو گے...... سوچتے تو پہلے ہی کچھ نہ کر لیتے، گھر میں لے جا کر نہیں رکھ سکتے تھے مجھے؟ ایک پتنی تھی تو کیا ہوا میں بھی تو آخر پتنی ہی ہوں تمہاری"۔

"کس پتنی کی بات کرتی ہے تو؟ کنول کی؟ اسے میں نے پتنی سمجھا ہی کتنے روز

ہے؟ کون اسے منہ لگاتا ہے"۔

"یہ مت کہو...... وہ تو وہیں حویلی میں راج کر رہی ہے اور میں یہاں اس کرائے کے گھر میں پڑی ہوئی ہوں...... نہیں رتن راج جی میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی...... میں تمہارے بھائیوں کی چالاکی اچھی طرح سمجھتی ہوں...... تم بے وقوف ہو مگر میں بے وقوف نہیں ہوں"۔

"اس میں بھائیوں کی کیا چالاکی ہے؟" رتن راج نے پوچھا۔

"میں بتاؤں تمہیں...... تم ننھے ہو...... میں دودھ پیتی نہیں ہوں...... بڑے چالاک ہیں، مہاراج راگھو راؤ...... مہاراج گووند راج...... بڑے کمال کے لوگ ہیں...... بدھو ہو تو صرف تم...... انہوں نے تمہیں دس لاکھ روپے دے کر اپنی گردن چھڑا لی...... دستخط لے لئے دستبرداری کے کاغذات پر اور اس کے بعد بڑے اطمینان سے اپنے آدمی بھیج کر ہمارے ہاں سے وہ دس لاکھ روپے چوری کرا لئے...... سمجھے تم...... پاسپورٹ اور کاغذات بھی چوری کرا لئے تاکہ تم یہیں ان کی نگاہوں کے سامنے بھکاریوں کی طرح ایڑیاں رگڑتے رگڑتے مر جاؤ...... میں دعویٰ سے کہتی ہوں کہ دس لاکھ روپے کی چوری میں ان کے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہیں ہے...... دے تو دیئے انہوں نے بڑی فراخدلی سے تمہیں دس لاکھ روپے اور یہ کہہ کر اب تمہارا حصہ ختم ہو گیا، لیکن برداشت نہیں کر سکے وہ ان دس لاکھ روپوں کو اور دیئے بھی اسی خیال کے تحت ہوں گے...... تم خود ہی بتاؤ بھلا کسے معلوم تھا کہ ہمارے پاس اس چھوٹے سے گھر میں دس لاکھ روپے رکھے ہوئے ہیں؟ چوروں کو یہ کیسے پتہ چل گیا کہ پیسے کہاں رکھے ہوئے ہیں رتن راج جی؟ تم بے وقوف ہو نرے بے وقوف اور وہ چالاک ہیں اور تمہاری بھابیاں بے حد سیانی ہیں...... ارے میں کہتی ہوں مجھے لے چلو حویلی میں...... دیکھتی ہوں کیسے نہیں دیتے ہمیں پیسے؟ اور میں...... میں تو ضرور جاؤں گی کچھ بھی

ہو جائے''۔

''پاگل ہے تو، اس طرح کیسے کام چل سکتا ہے؟ ہم قانونی طور پر تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے دس لاکھ روپے چوری کرا لئے اور پھر یہ بات بھی ممکن نہیں ہے...... کم از کم بھیا جی ایسے نہیں ہیں...... اگر نہ دینا ہوتا تو وہ پہلے ہی منع کر دیتے مجھے''۔

''رتن راج تمہارے ساتھ تو میرا مقدر پھوٹ گیا''۔

''کیا بک رہی ہے تو؟''۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں آدمی میں سب کچھ ہو، بے وقوف نہ ہو وہ اتنی سی بات نہیں سمجھ پا رہے...... ارے میں بہت دور دور تک دیکھ رہی ہوں...... خاندانوں کی رنجشیں اور رقابتیں تم نہیں سمجھتے...... میں کہتی ہوں تم بالکل ہی بے وقوف ہو کیا؟ وہ لوگ تمہیں ہر طرح سے بدھو بنا رہے ہیں اور تم بنے جا رہے ہو''۔

''تو پھر کیا کروں جا کر؟''۔

''اپنا حق مانگو...... حق چھین لو ان سے''۔

''ہاں اور قانون تو جیسے کسی ڈبے میں بند ہے وہ تو کچھ نہ بولے گا''۔

''میں کچھ نہیں جانتی قانون وانون، مجھے ملا ہی کیا ہے تمہارے پاس سے؟ سمجھے، اولاد...... اولاد سے بھی محروم ہوں...... شادی کئے ہوئے کتنے سال ہو گئے...... کوئی اولاد پیدا ہوئی ہمارے ہاں؟''۔

''تو اس میں میرا کیا دوش ہے؟'' رتن راج غرایا۔

''تو پھر کس کا دوش ہے؟ میں نے بھی سنا ہے کہ کنول رانی جی کے ہاں اولاد ہوئی تھی...... نو انچ کا بچہ جو اب زیادہ سے زیادہ ڈھائی تین فٹ کا ہو گا...... رتن راج جی مجھے اس سنسار میں کچھ نہیں ملا''۔

''تو...... تو مجھ پر الزام لگا رہی ہے؟ تو خود ہی بانجھ ہے''۔

''تو ہسپتال کھلے پڑے ہیں...... ڈاکٹروں کے کلینک کے کلینک بھرے پڑے ہیں...... میرا بانجھ پن دور کرا دو اور پھر بچوں کی لائن لگا دو''۔

''تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے...... پاگل ہو گئی ہے...... میں کچھ اور سوچ رہا ہوں اور تو فضول باتیں کر رہی ہے''۔

''ہاں میں فضول باتیں کئے جاؤں گی، بس سمجھ لو مجھے یورپ جانا ہے اور اس کا انتظام تمہیں ہی کرنا ہو گا''۔

''تو کیا قتل کر ڈالوں ان لوگوں کو؟''۔

''جو کچھ بھی کرو یہ تمہارا کام ہے؟''۔

''جا چلی جا میرے سامنے سے میرا دماغ پہلے ہی خراب ہو رہا ہے''۔

''ہاں...... ہاں بڑے سورما ہو، مار ڈالو مجھے تم جیسے سورما عورتوں پر ہی اپنا لوہا آزماتے ہیں'' سلکھشنا باہر چلی گئی۔

رتن راج کی حالت خراب ہو رہی تھی...... دماغ گھوم رہا تھا...... سلکھشنا کی باتیں یاد آ رہی تھیں...... کیا واقعی گووند راج اور راگھو راج نے اس کے دس لاکھ روپے چوری کرائے؟ ہو بھی سکتا ہے، اس سنسار میں کیا نہیں ہو سکتا؟ اور اب...... اب وہ مجھے کچھ دینے پر آمادہ نہیں ہیں...... دماغی بحران اتنا شدید ہو گیا کہ اس پر جنون کی سی کیفیت طاری ہونے لگی...... اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگا...... سلکھشنا چیختی چلاتی ہوئی ایک کمرے میں بند ہو گئی تھی...... کافی دیر تک رتن راج پر یہی کیفیت طاری رہی، پھر اسے تیز بخار آ گیا اور وہ پلنگ سے لگ گیا...... یہ بخار کافی دن تک جاری رہا تھا...... اس پر شدید بحرانی کیفیت طاری تھی، اب اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں رہے تھے کہ سکون سے زندگی گزار سکتا...... مسائل کے پہاڑ منہ کھولے

کھڑے ہوئے تھے اوراس کے پاس ان کے حل کا کوئی راستہ نہیں تھا...... بخار اتر گیا......
طبیعت بھی کچھ بہتر ہوگئی...... سلکھشنا بدستور اس سے دور دور تھی، رتن راج کو یوں
محسوس ہو رہا تھا جیسے اب ساری دنیا میں وہ تنہا رہ گیا ہو، نہ بھائیوں سے واسطہ تھا......
بیوی کا رویہ بھی بہتر نہیں تھا...... پھر اس نے اپنے اندر ہی کچھ تبدیلیاں پیدا کیں......
سلکھشنا سے بولا۔

"سلکھشنا اگر تو یہ سمجھتی ہے کہ اب میں کچھ نہیں کر سکتا تو یہ تیری بھول
ہے...... میں نہیں چاہتا کہ اپنے بھائیوں کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھاؤں، لیکن اب
حالات مجھے اس کے لئے مجبور کر رہے ہیں"۔

"تو یہ مجبوریاں کب سے شروع ہوں گی مہاراج؟" سلکھشنا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سوچ رہا ہوں...... ان دنوں بہت کچھ سوچ رہا ہوں"۔

"تم صرف سوچتے رہو گے اور وہ اپنا کام کر چکے ہیں...... اب دیکھو نا اتنے دن
بیت گئے کسی نے پلٹ کر خبر لی تمہاری؟ کسی نے پوچھا رتن راج کہاں مر رہا ہے؟"۔

یہ بات تو وہ لوگ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے پاس جو کچھ تھا چوری
ہو گیا ہے لیکن بھگوان ہی جانے آج کل سنسار کو کیا ہو گیا ہے؟ ارے تم دیکھ لینا وہ
تمہارے لئے کانٹے ہی بوئیں گے...... میں انہیں اچھی طرح سمجھ چکی ہوں"۔

"ان کے کانٹے بونے سے کیا ہوتا ہے...... سلکھشنا میں بھی مرد ہوں......
میرے بھی ہاتھ پاؤں ہیں...... بس آج تک یہی سوچتا رہا کہ راؤ خاندان بدنامی کا شکار نہ
ہو...... لوگ ہمارا مذاق نہ اُڑائیں...... ایک زمانہ تھا کہ لوگ اس خاندان کے نام سے
کانپتے تھے، مگر کیا کیا جائے؟ بچے بڑے ہوئے تو خاندان کو ڈبونے کا باعث بن گئے......
بہر طور تم چنتا مت کرو سلکھشنا میں تمہیں اس طرح کسمپرسی کی زندگی مرنے کے لئے
نہیں چھوڑوں گا...... مجھے بالآخر ہاتھ پاؤں نکالنے ہی پڑیں گے...... رتن راج تو

منصوبے ہی بناتا رہا لیکن دوسری طرف کام ہو گیا...... اس شام تقریباً چار بجے سلکھشنا
اور وہ اپنی اس رہائش گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ باہر سے دستک سنائی دی اور رتن راج
آگے بڑھ گیا...... کئی پولیس والے کھڑے ہوئے تھے...... ساتھ میں ایک افسر بھی
موجود تھا۔

"رتن راج راؤ؟" افسر نے سوال کیا۔

"جی فرمائیے"۔

"ہم آپ کے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں...... یہ وارنٹ موجود ہیں"۔

"کیوں خیریت......؟ کیا ہو گیا میرے گھر میں"۔

"آپ پر ایک ڈاکے کا الزام ہے" پولیس افسر نے کہا اور رتن راج کا منہ حیرت
سے کھلا رہ گیا"۔

"ڈاکہ......؟"۔

"جی ہاں...... براہ کرم آپ ہمیں گھر کی تلاشی لینے کی اجازت دیں، اندر اور
کون کون ہے؟"۔

"میری پتنی سلکھشنا ہے اور بس"۔

"آپ انہیں بھی آواز دے لیجئے...... آپ لوگ اس کمرے میں آجائیے چلو
تلاشی لو" افسر نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور پولیس والے پورے گھر میں بکھر گئے۔

سلکھشنا بھی رتن راج کے پاس آگئی تھی...... رتن راج پولیس افسر سے
سوالات کر رہا تھا۔

"آپ کے تمام سوالات کے جواب دے دیئے جائیں گے مسٹر رتن راج، بس
ذرا پولیس کا کام مکمل ہو جانے دیجئے" افسر نے رول اپنے ہاتھوں پر مارتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد اندر سے دو پولیس کے جوان کچھ سامان لئے ہوئے باہر

آ گئے۔

"جناب والا یہ پستول ملا ہے ہمیں ایک صندوق سے اور اس پستول کے ساتھ ہی یہ سامان بھی لپٹا رکھا ہوا تھا"۔

"پپ پستول" رتن راج کے منہ سے متحیرانہ انداز میں نکلا اور پھر اس نے حیرت بھری نگاہوں سے پستول کو دیکھا" یہ...... یہ میرا تو نہیں ہے۔

"اس پوٹلی کو کھولو اس میں کیا ہے؟"۔

"زیورات ہیں جناب" کانسٹیبل نے جواب دیا اور پوٹلی کھول کر سامنے کر دی...... رتن راج کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئی تھیں۔

"یہ...... یہ...... یہ تو ہمارے ہی...... ہمارے ہی زیورات ہیں...... یہ تو ہمارے ہی خاندان کے"۔

"خوب گویا آپ نے قبول بھی کر لیا مسٹر رتن راج اس پستول کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"۔

"بھگوان کی سوگند یہ میرا نہیں ہے"۔

"یہ وہی پستول ہے جس سے فائرنگ کر کے دو افراد کو ہلاک کیا گیا ہے"۔

"کک کون افراد؟"۔

"آپ کی حویلی کے دو چوکیدار"۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ آفیسر؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا"۔

"آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا رتن راج جی...... وہاں چل کر آپ کو سب کچھ سمجھا دیا جائے گا اور آپ کی پتنی کو بھی"۔

"لل...... لو میرا کیا قصور ہے؟ میرا کیا دوش ہے؟ ارے میں کہیں نہیں جاؤں گی"۔

"آپ کو چلنا ہوگا سلکھشنا جی ورنہ آپ کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے"۔

پولیس افسر نے ڈپٹ کر کہا...... رتن راج غرا کر بولا۔

"پولیس آفیسر تم جانتے ہو میں کون ہوں؟"۔

"ہاں مہاراج ہم بھی آپ کی عزت کرتے تھے، لیکن آپ دیکھ لیجئے یہ پستول بھی آپ کے پاس سے برآمد ہوا ہے جس سے فائرنگ کر کے دو انسانوں کی جان لی گئی ہے اور یہ مال آپ کی کوٹھی سے...... آپ کی حویلی سے لوٹا ہوا مال ہے...... آپ اسے شناخت بھی کر چکے ہیں"۔

"ہاں یہ میرے خاندانی زیورات ہیں...... میں انہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں...... مم...... مگر یہ کہاں سے آئے یہ میں کچھ نہیں جانتا"۔

"افسوس ہر مجرم یہی کہتا ہے...... اب ہم آپ سے یہ سوال کریں گے کہ اس کے باقی زیورات کہاں ہیں؟ مگر ٹھہرئیے...... اے تم لوگوں نے پورے مکان کی تلاشی لے لی ہے؟"۔

"ہاں جناب"۔

"ایک بار پھر دیکھو باقی زیورات کہاں چھپے ہوئے ہیں...... ہر اس جگہ پر تلاش کر لو اور اس کے بعد مکان سیل کر دو...... آئیے رتن راج مہاراج"۔

"آفیسر آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے...... مم...... میں...... میں اپنے وکیل اوم پرکاش سے ملنا چاہتا ہوں"۔

"وکیل صاحب کو تھانے ہی میں بلوا لیا جائے گا، آپ اس کی چنتا نہ کریں"۔

پولیس آفیسر نے کہا۔

رتن راج کے ساتھ سلکھشنا کو بھی پولیس کی گاڑی میں بٹھا لیا گیا تھا...... گووند راج اور راگھو راؤ کو اس بارے میں اطلاع ملی تو ایک لمحے کے لئے ان کے دل میں پھر

بھائی کی محبت جاگی...... تھانے پہنچے اور تمام صورت حال معلوم کی، یہ جان کر دنگ رہ گئے کہ وہ پستول بر آمد ہو گیا ہے جس سے دو چوکیداروں کو قتل کیا گیا تھا اور دوسرا سامان بھی...... ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں؟ بیویوں کو بتاتے تو وہ یہی مشورہ دیتیں کہ رتن راج کو موت کی سزا دلوائی جائے...... اس نے ہمارے دل میں سوراخ کیا ہے...... وکیل صاحب اوم پرکاش بھی پہنچ گئے اور تمام صورتحال انہیں بھی معلوم ہو گئی...... رتن راج کا کہنا یہی تھا کہ وہ اس سلسلے میں بالکل بے قصور ہے، لیکن پستول کی شناخت بھی ہو گئی تھی...... مال بھی بر آمد ہو گیا تھا اور پھر کچھ اور بھی ایسے ثبوت ملے تھے جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ رتن راج ہی اس پورے ڈاکے کا ذمہ دار ہے...... پولیس اپنی کارروائیاں کر رہی تھی...... مقدمہ عدالت میں پیش کر دیا گیا...... اوم پرکاش جی بلاشبہ دل سے چاہتے تھے کہ رتن راج کو بے قصور ثابت کر دیں لیکن بے قصور ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ تو ہوتا...... ایک کے بعد ایک ثبوت اس طرح کا دستیاب ہو رہا تھا کہ رتن راج کی مصیبت بڑھتی ہی جا رہی تھی اور اب اس بات میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ ان دونوں قتل کا ذمہ دار اور ڈاکے کا ذمہ دار صرف اور صرف رتن راج ہے، اس کے خلاف ایک کے بعد ایک ثبوت اس طرح ملے تھے کہ اوم پرکاش جی کے لئے تردید کرنا ممکن نہیں رہا تھا...... گووندراج اور راگھوراج اگر بھائی کی محبت میں باقی باتوں کو نظر انداز کر بھی دیتے تو پولیس کم از کم ان دو انسانی زندگیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی جنہیں بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا...... مقدمہ چلتا رہا اور بالآخر اس کا فیصلہ ہو گیا، کیونکہ قتل کے سلسلے میں کوئی عینی گواہ موجود نہیں تھا لیکن اس بات میں بھی کوئی شبہ موجود نہیں تھا کہ قتل رتن راج ہی نے کئے ہیں، چنانچہ ڈاکے کے سلسلے میں رتن راج کو تین سال قید بامشقت اور دو انسانی زندگیوں کو قتل کرنے کے الزام میں چھ سال قید کی سزا دی گئی...... گویا رتن راج اب نو سال کے لئے

اسکرین سے غائب ہو گیا تھا...... سلکھشنا دیوی کو البتہ اس جرم میں ملوث نہیں کیا جا سکا تھا، کیونکہ کہیں سے بھی ان کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملا تھا، چنانچہ انہیں ابتداء ہی میں رہا کر دیا گیا...... رہا ہونے کے بعد دوبارہ کبھی رتن راج کے پاس نہیں آئی اور رتن راج کو بالآخر بھیج دیا گیا...... ہاں کنول کا یہ فیصلے سننے کے بعد رو رو کر برا حال ہو گیا تھا اور اسے سہارا دینے والا وشال کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا...... اس نے بڑے عجیب و غریب انداز میں ماں کو سہارا دیا تھا...... وہ کہنے لگا تھا۔

"ماں صرف نو سال ہی کی تو بات ہے...... نو سال کے بعد جب پتاجی واپس آئیں گے تو وہ سیدھے ہمارے پاس آئیں گے تو چنتا مت کر جیل میں انہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی، بلکہ وہ تو زیادہ آرام سے رہیں گے"۔

دفعتاً ہی کنول کو وشال کی کچھ باتیں یاد آئیں اور وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"وشال ایک بات بتائے گا تو مجھے؟"۔

"میں تجھے ہزار باتیں بتاؤں گا ماں، پوچھ؟"۔

"تو نے کہا تھا...... تو نے کہا تھا کہ اب ان کے درمیان جھگڑا ہوا ہے اور اس کے بعد رتن راج مہاراج اس کا انتقام لینے کی کوشش کریں گے، پھر وہ کوئی نہ کوئی ایسا کھیل کھیلیں گے کہ انہیں سزا ہو جائے گی اور تو نے کہا تھا وشال کہ اس سزا کے بعد جب وہ چھوٹیں گے ماں تو وہ ہمارے ہوں گے...... وشال کیا...... کیا یہ سب کچھ ایسے ہی کہہ دیا تھا تو نے؟"۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں...... ماں میرے مکھ میں بھگوان بولتے ہیں...... آخر بھگوان کا گیانی ہوں پر اپنے پتاجی کا دشمن نہیں ہوں...... وہ بات تو میں نے ایسے ہی کہہ دی تھی، اب اس کا میں کیا کروں کہ بھگوان نے سیدھا اسے اپنے رجسٹر میں نوٹ

کر لیا...... تیرا کیا خیال ہے ماں کیا اس سلسلے میں میرا کوئی دوش ہے؟"۔

"بس نجانے کیوں مجھے تجھ سے ڈر لگتا ہے"۔

"ماں کی باتیں...... تین فٹ سے زیادہ کا تو میرا قد نہیں ہے، چھوٹے چھوٹے دبلے پتلے ہاتھ پاؤں ہیں، سبھی مذاق اُڑاتے ہیں میرا...... میں بیچارہ بھلا کیا کر سکوں گا؟ تو خود جانتی ہے ماں...... یہ سب تو بھگوان کے کھیل ہیں...... بھگوان جو بھی کھیل کھیلنا چاہیں انہیں کون روک سکتا ہے؟"۔

معصوم کنول خاموش ہوگئی تھی...... بہر طور شوہر کی اس بپتا کا اسے سب سے زیادہ دُکھ تھا، البتہ منورما اس سزا سے بہت خوش ہوئی تھی...... اس نے کہا تھا۔

"جیسی کرنی ویسی بھرنی...... رتن راج جی نے یہ سب کچھ بھلا دیا تھا کہ وہ اسی گھر میں پلے بڑھے جوان ہوئے...... بھائیوں کے گھر ڈاکہ ڈالا، ارے میں تو کہتی ہوں کہ اگر ہم لوگ اس کے سامنے آجاتے تو کیا وہ ہمیں جیتا چھوڑتا؟ ہے رام کیسا سانپ پالا ہوا تھا ہم نے اپنے گھر میں اور یہ کرن وتی جی...... بھگوان انہیں عقل دے، ان کی مہانتا ابھی تک ختم نہیں ہوئی...... یہ آج بھی وشال کو اپنے سینے پر رکھے ہوئے ہیں"۔

"تو صرف اسی کے پیچھے پڑی رہنا...... میں تجھ سے کتنی بار کہہ چکا ہوں...... منورما کہ بیکار باتیں مت کیا کر، میرا بھائی جیل چلا گیا ہے، مجھے خوشی نہیں ہوئی"۔

"ہاں اور اگر تم شمشان چلے جاتے تو ہمیں بڑی خوشی ہوتی"۔

"نہیں ری اب وہ اتنا برا بھی نہیں کہ ہم پر گولیاں چلاتا...... پتہ نہیں کیا ہوا تھا پاپی کو؟ اس کی تقدیر ہی ایسی تھی"۔

راگھو راؤ نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

❁ ❁ ❁

موالی ٹولے میں ان دنوں بڑا اسدھار پھیلتا جا رہا تھا...... کچھ عرصے پہلے یہاں ہر طرح کے جرائم ہوا کرتے تھے اور یہاں کے رہنے والے صرف مجرمانہ کارروائیاں کرتے تھے، لیکن نجانے کیوں اب نوجوانوں میں ایک عجیب سی سنجیدگی پھیل گئی تھی، ان کے ذہنوں میں ایک نام تھا راج دھنش...... راج دھنش کا نام یوں تو پہلے سے ان کے درمیان موجود تھا اور اس کی ابتداء عجیب و غریب انداز میں ہوئی تھی...... بہت سے ایسے موالی نوجوانوں کو راج دھنش کی طرف سے لفافوں میں روپے موصول ہوئے تھے، جن کے پاس روپے کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں تھا...... راج دھنش نے ان پر احسان کرتے ہوئے انہیں بغیر کسی محنت یا لالچ کے رقمیں مہیا کی تھیں اور اس کے بعد اس نے ان سے کوئی کام بھی نہیں لیا تھا...... یہ رقمیں صرف ایک آدھ دفعہ ہی مہیا نہ ہوئیں بلکہ وہاں جس شخص کو ضرورت ہوتی راج دھنش کی طرف سے اس کے پاس رقم کا لفافہ پہنچ جاتا تھا...... یہ لفافے کون لاتا تھا؟ کس طرح ان کی جیبوں تک پہنچتے تھے؟ کوئی نہیں جانتا تھا لیکن جن لوگوں کو رقمیں ملنا شروع ہوئی تھیں وہ دل ہی دل میں راج دھنش کی مہانتا کے قائل ہوتے جا رہے تھے اور ذہنی طور پر اس کے غلام، رفتہ رفتہ راج دھنش کا نام ان کے درمیان پھیلتا چلا گیا اور پھر راج دھنش کی طرف سے بہت سے منصوبے ان کے سامنے لائے گئے، وہ ذہنی طور پر اس کے غلام بنتے

جا رہے تھے، جس کسی کو بھی کوئی پریشانی ہوتی راج دھنش اس کی پریشانی دور کر دیتا......
ایک طرف یہ نام ایک آفاقی حیثیت حاصل کر چکا تھا...... کوئی نہیں جانتا تھا کہ راج دھنش کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ بس کسی نے اس کا نام لیا اور اپنی کسی مشکل کا ذکر کیا...... وہ مشکل راج دھنش کے نام کے ساتھ حل ہو گئی...... نتیجہ یہ ہوا کہ راج دھنش کا نام ان کے ذہنوں میں زیادہ سے زیادہ جگہ پاتا چلا گیا اور پھر جب راج دھنش کی طرف سے ان میں سے چند لوگوں سے کسی کام کیلئے کہا گیا تو بے شمار افراد تیار ہو گئے...... رفتہ رفتہ راج دھنش نے ان کے درمیان اصلاحات شروع کر دیں......
چرس، گانجا، افیون، بھنگ ہر چیز انہیں وافر مقدار میں مل جاتی تھی لیکن اس کے لئے ان سے کہا گیا تھا کہ اسے چھپ کر استعمال کیا جائے...... راج دھنش کی ہدایت تھی اس لئے موالی ٹولہ صاف ہونے لگا...... لوگ حیران تھے، جن کے بچے ان برے کاموں میں مصروف تھے، ان کے کانوں تک بھی راج دھنش کا نام پہنچ گیا تھا اور وہ آپس میں اس کے بارے میں چہ میگوئیاں کرنے لگے تھے...... ان کے خیال میں راج دھنش بھگوان کا کوئی اوتار تھا جو اس سنسار میں انسانوں کی سدھار کے لئے بھیجا گیا تھا......
نوجوانوں کو رفتہ رفتہ بہتری کی جانب مائل کیا جا رہا تھا اور اس کی بنا پر اب یہ نام صرف موالی ٹولے میں محدود نہ رہا بلکہ شہر میں جگہ جگہ پھیل گیا...... ایک بہت بڑا طبقہ جو پہلے لفنگا کہلاتا تھا اب راج دھنش کی برتری تسلیم کر چکا تھا اور اس کے دل پر راج دھنش کی حکمرانی قائم ہو گئی تھی...... یوں یہ سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد ایک دن وکیل اوم پرکاش کو راج دھنش کی طرف سے ٹیلی فون موصول ہوا...... یہ نام اب اوم پرکاش اور اس کے قابل اعتماد اور دست راست وشال کے کانوں سے بھی محو نہیں رہا تھا...... راج دھنش نے ٹیلی فون پر وکیل اوم پرکاش سے بات کی۔
"اوم پرکاش جی آپ وکالت کرتے ہیں؟"۔

"کون صاحب بول رہے ہیں؟"۔
"لوگ مجھے راج دھنش کے نام سے جانتے ہیں"۔
اوم پرکاش بری طرح چونک پڑا تھا...... "مہاراج راج دھنش آپ تو دیوتا سمان ہیں، بھلا مجھ جیسے معمولی آدمی کی طرف آپ نے توجہ کیوں کی؟"۔
"اس لئے کہ ہم آپ کو معمولی آدمی سے بہت بڑا آدمی بنانا چاہتے ہیں؟"۔
"میں سمجھا نہیں مہاراج" وکیل اوم پرکاش نے کہا۔
"وکیل صاحب آپ راج دھنش کے قانونی مشیر بننا پسند کریں گے؟"۔
"اگر مجھے اس قابل سمجھا جائے گا تو کیوں نہیں پسند کروں گا؟"۔
"تو یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کو اس قابل سمجھا گیا ہے...... میں اپنے کاغذات اپنے دستخطوں کے ساتھ آپ کو بھجوا دوں گا...... آپ کو میرے لئے کچھ کام کرنے ہیں...... آپ کا جو بھی معاوضہ ہو گا وکیل صاحب وہ آپ اپنے ذہن میں طے کر لیں آپ تک پہنچ جائے گا"۔

"معاوضے کی کوئی بات نہیں ہے مہاراج آپ جتنے مہان ہیں اور آپ نے جس طرح گمنام رہ کر ہمارے اس شہر میں اصلاحات کی ہیں، اس سے آپ کی بڑی عزت ہے اور اگر میں آپ کے وکیل کی حیثیت سے منظر عام پر آؤں گا تو یوں سمجھ لیجئے کہ میری عزت بھی کم نہ ہو گی"۔
"تو یوں سمجھ لیجئے کہ ہم نے آپ کو اپنا وکیل مقرر کر دیا تو پہلی ذمہ داری ہم آپ کے سپرد یہ کرتے ہیں وکیل صاحب کہ شہر کے مغربی حصے میں کالا چھپرا نامی جو جگہ ہے اسے خرید کر وہاں ہمارے لئے ایک حویلی بنوا دیجئے...... آپ اس کام کی پوری پوری ذمہ داری قبول کریں اور جس قدر بھی اخراجات ہوں آپ کے ذریعے ہم وہ اخراجات کریں گے"۔

"بہتر میں اس سلسلے میں بات چیت کرتا ہوں...... میرا خیال ہے میں بہت جلد آپ کو اس کی خوشخبری سناؤں گا کہ حویلی کے کام کا آغاز ہو گیا ہے"۔

"وکیل صاحب یہ جگہ رانی راج متی کے نام سے خریدی جائے گی اور اسے راج محل کا نام دیا جائے گا"۔

"بہت بہتر میں نے یہ بات بھی ذہن نشین کر لی ہے"۔

"اور کوئی خاص بات جب بھی کبھی ہوئی ہم خود ہی آپ کو ٹیلی فون کر کے آپ سے معلومات حاصل کر لیں گے" راج دھنش نے ٹیلی فون بند کر دیا۔

اوم پرکاش جی کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا...... راج دھنش کا نام جس انداز میں اُبھرا تھا اس کے بعد وہ اس کے وکیل بن جائیں، یہ ان کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا...... اس بات پر وشال نے بھی انہیں بدھائی دی تھی، کام جاری ہو گیا...... اوم پرکاش جی نے اس جگہ کی خریداری کے لئے ہر وہ کوشش کی جو ان کے لئے ممکن ہو سکتی تھی اور اس میں انہیں ناکامی نہ ہوئی...... راج دھنش کی طرف سے انہیں بہت بڑی رقم مل چکی تھی اور انہوں نے اپنی روایتی ایمانداری کے ساتھ اس کا استعمال بھی شروع کر دیا تھا، اس طرح انہیں دوسرے بہت سے جھگڑوں سے نجات مل گئی...... کام اتنا بڑا تھا کہ انہیں اچھی خاصی کمائی ہو رہی تھی...... وشال مسلسل ان کے ساتھ مصروف عمل تھا اور اوم پرکاش جی کا خیال تھا کہ یہ حیرت انگیز بونا ان کی تقدیر کے لئے بھی بہت بڑی حیثیت کا حامل ثابت ہوا ہے...... جب سے وہ ان کے ساتھ شامل ہوا تھا اول تو انہیں کیس بھی بہت زیادہ ملنے لگے تھے اور پھر یہ کام مل جانے کے بعد تو ان کی ہر طرح سے چاندی ہو گئی تھی...... حویلی کے کام کا آغاز ہو گیا اور اس کے بعد راج دھنش کا دائرہ عمل بڑھنے لگا...... اوم پرکاش جی کی معرفت اس نے آس پاس کی زمینیں خریدنا شروع کر دی تھیں...... ان کی زمینوں کی خریداری نقد ہوتی تھی اور ان زمینوں پر چھوٹی بڑی

صنعتیں لگائی جا رہی تھیں...... موالی ٹولے کے نوجوانوں کو اس کام پر مصروف کر دیا گیا تھا اور اس کے لئے انہیں راج دھنش کی طرف سے الگ ہدایات موصول ہوئی تھیں...... راج دھنش ان کے ذہنوں میں کچھ اس طرح سرایت کر گیا تھا کہ اس کی طرف سے ملنے والی ہدایات پر وہ آنکھیں بند کر کے عمل کرتے تھے، اس طرح اس شہر میں ایک تبدیلی رونما ہوئی، بہت پہلے یہاں راؤ خاندان کا راج تھا اور تمام لوگ انہی سے متعارف تھے، لیکن اب ہر طرف راج دھنش...... راج دھنش پکارا جا رہا تھا...... صنعتوں نے کاروبار شروع کر دیا...... یہ سارے کام اتنی برق رفتاری سے ہوئے تھے کہ خود لوگوں کو حیرت تھی...... گورنمنٹ کو بھی اس سلسلے میں توجہ دینی پڑی تھی اور راج دھنش کی کارکردگی کے نتیجے میں اسے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی جا رہی تھیں، لیکن یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا کہ راج دھنش کون ہے؟ اور رانی راج متی کہاں رہتی ہے...... ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور ادھر یعنی راؤ صاحب کی حویلی میں صورت حال بالکل مختلف ہوتی جا رہی تھی، جو حادثہ ان لوگوں کی زندگی میں پیش آیا تھا اس نے راؤ خاندان کی ساکھ مکمل طور سے ختم کر کے رکھ دی تھی...... ڈاکہ، قتل اور اس کے بعد رتن راج کی سزا نے اس خاندان کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا تھا...... یہی نہیں بلکہ اس کے بعد سے اس کے زوال کا بدترین دور شروع ہو چکا تھا، جو کاروبار پھیلے ہوئے تھے سمٹتے جا رہے تھے اور اس کی وجہ بھی راج دھنش ہی تھا کیونکہ جو صنعتیں اس نے لگائی تھیں وہ بالکل اس جیسی تھیں جیسی راؤ خاندان کی صنعتیں تھیں اور راؤ خاندان کی ہر صنعت اس کے سامنے ماند پڑتی جا رہی تھی، چنانچہ مجبور ہو کر گووند راج نے اپنی ایک فیکٹری فروخت کر دی...... یہ سوال ان کے ذہنوں میں بھی بار بار گونجا تھا کہ راج دھنش کون ہے؟ لیکن پورا شہر اس کا پتہ نہ لگا سکا تھا...... حکومت کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا تو پھر ان بیچاروں کو کیا معلوم ہوتا؟ ویسے بھی راج دھنش حکومت کی

گڈ بک میں تھا کیونکہ اس کی طرف سے نیک کام ہی ہوئے تھے، کوئی ایسا کام سامنے
نہیں آیا تھا جس کی وجہ سے حکومت کو تشویش ہوتی...... راج دھنش کی کارکردگی کی
وجہ سے شہر میں بھی نمایاں اضافے ہوئے تھے...... نئی نئی عمارتیں بنی تھیں اور بہت
سے رفاہی ادارے بھی عمل میں آئے تھے جو رانی راج متی کے نام سے چلتے تھے......
بہر حال یہ دونوں نام تاریکی میں تھے، لیکن آدھے شہر پر ان کا راج قائم ہو گیا تھا...... بے
شمار لوگوں کو ان سے فائدے حاصل ہوئے تھے...... اگر کوئی ڈر رہا تھا ان کی وجہ سے تو وہ
صرف راؤ خاندان تھا جس کی حیثیت اب دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی تھی۔

حالات میں جو تبدیلی بھی رونما ہوئی تھی اس کے اثرات بہر طور حویلی کے رہنے
والوں کو تبدیل نہیں کر سکے تھے...... منورما اسی طرح کنول اور وشال کی دشمن تھی......
کرن وتی کے اندر ہمیشہ کی طرح اب بھی تھوڑی بہت انسانیت موجود تھی، چنانچہ اس
نے ان دونوں کا مسئلہ ختم کر کے رکھ دیا تھا...... ہاں منورما انہیں جی بھر کے کوسا کرتی
تھی، کیونکہ ان کی وجہ سے سب کچھ تلپٹ ہو کر رہ گیا تھا جو حالات پیدا ہو گئے تھے ان
کے اثرات حویلی پر براہ راست پڑنے لگے تھے، اب نہ یہاں وہ رونقیں تھیں نہ وہ عیش و
عشرت، بس ایک عجیب سی اُداسی اور گھمبیرتا اس پر چھائی رہتی...... راگھو راؤ اور گووند
راج اپنی ساکھ بچانے کی فکر میں سرگرداں رہتے، لیکن ان کے نقصانات بڑھتے ہی
جا رہے تھے...... بہت سی زمینیں بک چکی تھیں...... باغات بک چکے تھے...... صنعتیں
بک چکی تھیں اور بد قسمتی کی بات یہ تھی کہ یہ ساری چیزیں خریدی تھیں تو راج دھنش
نے، اس کے علاوہ کوئی اچھا خریدار بھی تو نہیں ملتا تھا، جبکہ یہ لوگ ان چیزوں کو اپنے
آپ کو بچانے کیلئے بیچنے پر مجبور تھے...... وشال اسی طرح ان کی آنکھ کا کانٹا بنا ہوا تھا......
گوپال، شیکھر اور وکرم راج تینوں برابر، برابر کے تھے اس لئے زیادہ گہرے دوست
تھے...... وشال کو وہ اب بھی بونا کہہ کر چھیڑتے تھے...... اب وہ بچپن کی حدود سے نکل
کر بھرپور جوانی کی منزل میں داخل ہو گئے تھے اور ان کے مشاغل بھی جوانوں جیسے ہی

تھے، جبکہ وشال اب ان سے بالکل ہی الگ رہنے لگا تھا..... اس کا قد اب بھی چار فٹ
تک نہیں پہنچا تھا، بلکہ ایک دو انچ کم ہی تھا..... دبلا پتلا بدن، چہرے پر کچھ سنجیدگی آگئی
تھی..... تعلیمی منازل طے کرتا جا رہا تھا لیکن اس کا کوئی پرچار نہیں ہوتا، کیونکہ جو کچھ
ہو رہا تھا خاموشی سے ہو رہا تھا..... اب اس نے کنول کو چھیڑنا بھی بند کر دیا تھا اور زیادہ
تر اس کے احکامات کی پابندی کرتا تھا..... ہاں تہہ خانے کا وہ سوراخ اب بھی کھلا ہوا تھا
اور اس سے اس کا آنا جانا تھا جو اس کی بچپن کی دریافت تھی..... گوپال شیکھر اور وکرم
نے تعلیمی میدان میں تو کوئی میدان نہ مارا لیکن ان کی رنگین مزاج داستانیں باپ کی
طرح لوگوں کی زبانوں تک پہنچ گئی تھیں..... تینوں بانکے جوان تھے اور جدھر نکل
جاتے انہیں اسی طرح دیکھا جاتا جس طرح کبھی راگھو راؤ، گووند راج اور رتن راج کو
دیکھا جاتا تھا..... اگر کوئی چیز راؤ خاندان کی حیثیت کو آج بھی یاد دلاتی تھی تو وہ ان
تینوں کی بھرپور جوانی ہی تھی اور پھر اس جوانی میں تھوڑے بہت رنگین مشاغل بھی
بانکوں کی طرح ہی تھے اور لوگ اکثر اس کا حوالہ دیا کرتے تھے..... پھر ان تینوں کی
ملاقات سروپ سے ہوئی..... سروپ کسی اور شہر سے یہاں آیا تھا، کسی کھاتے پیتے
گھرانے کا نوجوان تھا اور یہاں آکر اس نے ایک عمدہ سے ہوٹل میں رہائش اختیار کی
تھی..... وکرم، گوپال اور شیکھر کی ملاقات اس ہوٹل ہی میں سروپ سے ہوئی اور وہ
تینوں ہی سروپ کی دلچسپ باتوں کے گرویدہ ہوگئے..... سروپ نے انہیں بتایا کہ وہ
ایک بڑے باپ کا بیٹا ہے جس کی صنعتیں غیر ممالک میں پھیلی ہوئی ہیں اور اسے
صرف عیش کرنے کے لئے بھگوان نے یہ جیون دیا ہے..... تینوں نے اپنا تعارف بھی
کرایا تھا اور سروپ ان سے مل کر بہت خوش ہوا تھا..... اس کے بعد ان چاروں کی
گاڑی چھننے لگی..... سروپ زیادہ تر اخراجات خود ہی کرتا تھا اور ان تینوں نے یہ اندازہ
لگالیا تھا کہ وہ سروپ کے مقابلے پر خرچ نہیں کر سکتے، اس طرح سروپ کے سامنے

وہ احساس کمتری کا شکار ہوگئے تھے، لیکن سروپ بہت اچھا دوست تھا، اس نے ہمیشہ
ان کی دلجوئی کی تھی..... شہر کی سیر و سیاحت جاری تھی، دوسری تفریحات بھی تھیں
پھر ایک دن سروپ نے ان سے کہا۔

"بھئی تم لوگ بہت اچھے دوست ہو اور تمہیں ملنے کے بعد مجھے یوں لگتا ہے کہ
جیسے اب میں یہ شہر کبھی چھوڑوں گا نہیں"۔

"تو کیا تمہارا ارادہ اس شہر سے کہیں چلے جانے کا تھا؟"۔

"ہاں لیکن اب نہیں جاؤں گا..... پتا نے مجھے میری مرضی کے مطابق جیون
گزارنے کی اجازت دیدی ہے البتہ ذرا تم لوگوں سے بے تکلفی نہیں ہوئی ابھی تک.....
میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنی تمام حدوں کو توڑ دیں"۔

"ہم تو سمجھتے ہیں سروپ جی کہ اب ہم بالکل گہرے دوست بن چکے ہیں.....
کون سی بے تکلفی کی بات کرتے ہیں آپ؟"۔

"جیون اس لئے تو نہیں ہوتا دوستو کہ برہمچاری بن کر گزار دیا جائے..... جیون
میں کچھ دوسری چیزوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے" تینوں مسکرانے لگے تھے، پھر گوپال
نے کہا"۔

"سروپ جی یہ بات تو ہم بہت پہلے آپ سے کرنا چاہتے تھے"۔

"ہائے تو کیوں نہ کی؟ سروپ تو اسی آس میں تڑپ رہا تھا کہ کبھی تم من کی کچھ
بات کہو تو تمہارے کسی کام آئے"۔

"بات دراصل یہ ہے کہ سروپ جی کہ ہمیں اشاروں کنایوں میں کوئی بات
نہیں کرنی چاہئے..... جیون کے یہی چند روز تو ہوتے ہیں، جب انسان جیون سے
لطف اندوز ہوتا ہے، اس کے بعد تو ذمہ داریاں بڑھاپا، بال بچے اور ایک سوکھی سی
لاٹھی جسے ٹیک کر چلنا پڑتا ہے"۔

"بالکل بالکل دوستو! میں یہی چاہتا ہوں کہ جب تک لاٹھی ہمارے ہاتھ میں آئے ہم بہت سوں کا تختہ کر دیں"۔

"تو پھر ملاؤ ہاتھ سروپ اس سلسلے میں ہم بھی تم سے پیچھے نہیں ہیں، بلکہ ہم تمہیں اپنا استاد بنا لیتے ہیں"۔

"ہوں! اب استاد بنایا ہے تم نے تو کچھ استادی دکھانی ہی پڑے گی...... میرا خیال میں اس استادی میں کلدیپ.جی ہماری بہترین معاون ثابت ہو سکتی ہیں"۔

"یہ کلدیپ.جی کون ہیں؟" شیکھر نے پوچھا۔

"کلدیپ.جی اس دھرتی پر ہم جیسے لوگوں کے لئے اوتار سمان ہیں...... وہ ہر ایک کے دل کی منو کامنا پوری کر دیتی ہیں"۔

"پھر تو ان کلدیپ.جی سے ضرور ملنا چاہئے"۔

"چاہئے کیا...... ابھی ملیں گے آج ہی اور اسی وقت" سروپ نے جواب دیا۔

"تو پیچھے کون ہے؟" گوپال اکڑ کر بولا اور اس کے بعد چاروں تیار ہو گئے...... سروپ انہیں ساتھ لے کر ایک خوبصورت عمارت کے ایک خوبصورت فلیٹ میں پہنچ گئے...... دروازے پر دستک دی تو پینتیس چھتیس سالہ ایک دبلی پتلی خوبصورت عورت نے دروازہ کھولا...... سروپ کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئی۔

"ہیلو سروپ، بہت دن کے بعد تم نے چکر لگایا...... میں تم سے سخت ناراض ہوں"۔

"نہیں...... نہیں کلدیپ.جی آج ناراض نہ ہوں دیکھئے تو سہی اپنے ساتھ کسے لایا ہوں؟"۔

کلدیپ نے دلچسپی کی نگاہوں سے ان تینوں کو دیکھا پھر بولی۔

"تو کیا تم ان دنوں کسی سیارے پر گئے ہوئے تھے...... آؤ اندر تو آؤ، باہر کھڑے

ہی باتیں کرتے رہو گے کیا؟"۔

"آپ راستہ دیں تو اندر آئیں...... سروپ ہنس کر بولا اور کلدیپ نے انہیں اندر آنے کا راستہ دے دیا...... پھر ان چاروں کو ایک خوبصورت ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد وہ خود بھی ان کے سامنے بیٹھ گئی"۔

"ہاں اب کہئے آپ کیا بات کہہ رہی تھیں؟"۔

"میں پوچھ رہی تھی کہ کیا تم ان دنوں کسی سیارے پر گئے ہوئے تھے؟"۔

"کیوں؟" سروپ نے سوال کیا۔

"لگتا تو یہی ہے اتنے حسین اور پیارے پیارے نوجوان اس دھرتی پر تو پیدا نہیں ہوتے"۔

"یہی تو ہماری خوبی ہے کلدیپ.جی کہ ہم اس دھرتی پر ہی ایسے پھول تلاش کر لیتے ہیں جو دوسروں کو نظر نہیں آتے"۔

"بھئی اب ان کا تعارف تو کرا دو ہم سے"۔

"پہلے تو میں آپ کا تعارف کرا دوں ان سے...... بڑے ہی بے چین تھے تینوں آپ کے بارے میں جاننے کے لئے لیکن میں نے بھی کہا کہ جو کچھ کہوں گا کلدیپ.جی کے سامنے ہی کہوں گا"۔

"ہاں...... ہاں اب تم بے وقوف بناؤ گے مجھے" کلدیپ.جی ایک ادا سے بولیں...... عمر اچھی خاصی تھی لیکن رکھ رکھاؤ اور انداز پرکشش تھے کہ انسان کی نگاہ ان پر سے ہٹنے کے لئے تیار نہ ہوتی تھی، سروپ نے کہا۔

"تو دوستو! یہ ہیں ہماری کلدیپ.جی...... انسان کے ہر دکھ کی دوا دوستوں کی دوست کلدیپ.جی بھی ایک بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن بدقسمتی سے ان کا سارا خاندان اب اس سنسار میں نہیں رہا...... تنہا رہ گئی ہیں...... دوستوں کے

درمیان جیتی ہیں...... بڑی ہی زندہ دل اور خوش مزاج ہیں اور ان کے پاس آنے کے بعد کون پاپی ہے جس کا کہیں جانے کو جی چاہے"۔

"بس یا اور کچھ بتاؤ گے مجھے؟" کلدیپ جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور کلدیپ جی یہ ہے شیکھر، یہ گوپال اور یہ وکرم راج...... تینوں میرے دوست ہیں...... تینوں آپس میں رشتے دار بلکہ کزنز...... میرا مطلب ہے شیکھر الگ ہے اور گوپال اور وکرم راج جڑواں ہیں...... میرے بہت اچھے دوست ہیں...... ایک بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں...... شاید اس شہر میں رہتے ہوئے آپ نے راؤ خاندان کے بارے میں کچھ سنا ہو"۔

"لو تم ان کے سننے کی بات کرتے ہیں، راؤ خاندان تو اس شہر کا سب سے بڑا خاندان ہے...... بڑا مشہور ہے یہ"۔

"اور اب یہ خاندان ان تینوں کی وجہ سے مشہور ہے" سروپ بولا اور شیکھر ہنسنے لگا۔

"سروپ تم تو ہمیں آسمان پر چڑھائے دے رہے ہو"۔

"نہیں بھائی یہیں رہو...... یہیں رہو ورنہ آسمان سے تمہیں واپس کون لائے گا؟" سروپ ہنستا ہوا بولا۔

کلدیپ نے بہت پیار سے ان سے ہاتھ ملائے اور کہنے لگی۔

"تم تینوں کے آنے سے میرے گھر میں روشنی ہو گئی ہے...... کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں...... سروپ تم نے مجھے کتنے اچھے دوستوں سے ملوایا؟"۔

"اور ہم سے تو جیسے اب کوئی روشنی ہوتی ہی نہیں ہے" سروپ بولا۔

"نہیں...... تم تو اس روشنی کے جلانے والے ہو"۔

"چلو ٹھیک ہے بات برابر ہوئی"۔

"اچھا اب یہ بتاؤ ہمارے دوست کیا پئیں گے؟"۔

"کلدیپ جی آپ کے پاس آنے کے بعد چائے، کافی یا شربت کی بات کرنا گناہ ہے"۔

"اوہو...... اچھا اچھا...... ٹھیک ہے منگواتی ہوں" کلدیپ جی نے کہا اور کسی کو آواز دی...... "رچنا اے رچنا" اور چند لمحات کے بعد انیس بیس سال کی ایک خوبصورت سی لڑکی اندر داخل ہوئی۔

ان تینوں نے سحر زدہ نگاہوں سے رچنا کو دیکھا تھا...... بہت خوبصورت تھی وہ...... لمبے لمبے سیاہ بال کمر تک جھول رہے تھے...... سب کی آنکھوں میں نمی چھا گئی۔

"مہمان آئے ہیں رچنا...... کچھ شغل کریں گے...... انتظام کرو"۔

"جی...... وہ آہستہ سے بولی اور خاموشی سے باہر نکل گئی...... وہ تینوں چشم تصور سے اسے دیکھ رہے تھے، ان کی آنکھیں اس کا انتظار کر رہی تھیں پھر وہ شراب کے برتن لے کر اندر آ گئی"۔

اس نے شراب کے برتن سجا دیئے اور کلدیپ جی اٹھ گئیں...... انہوں نے جام بنائے اور ان سب کو پیش کر دیئے...... رچنا دوبارہ واپس چلی گئی تھی۔

"آکاش سے آنے والے کے نام پر...... کلدیپ جی بولیں، انہوں نے سب سے جام ٹکرائے اور پھر دور چل پڑا...... ان تینوں نے پہلے بھی تھوڑی بہت پی تھی مگر ایسے کبھی نہ پی تھی...... آج تو چھوڑنے کو جی ہی نہ چاہتا تھا، لیکن کلدیپ جی بہت سمجھدار تھیں...... وہ ان کا جائزہ لے رہی تھیں...... پھر انہوں نے ان کے ہاتھ روک دیئے"۔

"بس آج اتنا ہی ٹھیک ہے"۔

"کیوں کلدیپ جی" شیکھر نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

"اس لئے کہ تمہاری آواز لڑکھڑا رہی ہے"۔

"تو لڑکھڑانے دیں...... اس سے کیا ہوتا ہے"۔

"لڑکھڑانے کے لئے تو عمر پڑی ہے میری رس ملائی...... ابھی سے لڑکھڑائے تو مجھ سے دور ہو جاؤ گے"۔

"رس ملائی...... ہا...... ہاہا...... میں رس ملائی ہوں...... شیکھر نے ہنستے ہوئے کہا"۔

"اس سے بھی میٹھے، اس سے بھی زیادہ رسیلے...... کلدیپ جی نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا"۔

"تو مجھے کھا لیجئے...... میرا رس چوس لیجئے...... شیکھر بولا"۔

"تمہارا رس...... کلدیپ جی نے اسے بھوکی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا......

ان کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں...... وہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور انہوں نے شیکھر کے دونوں بازو پکڑ لئے...... پھر وہ جھکا اور انہوں نے شیکھر کے سرخ کنوارے ہونٹ اپنے ہونٹوں میں دبا لئے...... باقی لڑکے ہونٹوں پر زبان پھیر رہے تھے...... شیکھر بدمست ہو گیا...... اس نے کلدیپ جی کی پتلی کمر میں ہاتھ کس لئے تھے...... دیر تک وہ شیکھر کا رس چوستی رہیں...... پھر علیحدہ ہو گئیں"۔

"رات کو تم گھر نہ پہنچے تو کیا ہوگا؟ وہ بولیں"۔

"کچھ نہیں ہوگا کوئی ہم بچے ہیں...... شیکھر نے کہا"۔

"سروپ اسے یہیں چھوڑ جاؤ"۔

"او کے کلدیپ جی...... سروپ نے کہا...... گوپال اور وکرم راج جانا نہیں چاہتے تھے لیکن مجبوری تھی...... سروپ نے انہیں حویلی پر چھوڑا تھا...... دونوں شیکھر سے ناراض ہو گئے تھے"۔

بستر پر لیٹتے ہوئے وکرم نے کہا...... "یہ سالا شیکھر دغا باز ہے...... ہر کام اکیلا کرتا ہے"۔

"حرامی ہے پکا...... اس سے بات نہیں کریں گے، گوپال نے کہا"۔

دوسرے دن شیکھر بہت صبح گھر آ گیا تھا، لیکن اس کے بعد وہ دیر تک سوتا رہا...... منورما نے جگایا تو اس نے طبیعت خراب کا بہانہ کر دیا تھا۔

شام کو چار بجے وہ گوپال اور وکرم کو تلاش کرتا ان کے کمرے میں پہنچ گیا...... ارے تم لوگ ایسے ہی بیٹھے ہو...... تیاریاں نہ کرو گے۔

"کیسی تیاریاں"۔

"یاد نہیں کلدیپ جی نے بلایا ہے"۔

"تم جاؤ ہماری کیا ضرورت ہے"۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو، ہم تینوں جائیں گے"۔

"اور عیش صرف تم کرو گے...... وکرم بھنا کر بولا"۔

"سوری یار...... تم لوگ شاید برا مان گئے، مگر میرا کیا دوش ہے اور پھر آج کا دن تمہارا ہے...... شیکھر نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے انہیں منا لیا...... وہ خود بھی شیکھر سے بہت کچھ پوچھنے کے لئے بے چین تھے"۔

"بس یار کیا بتاؤں مجھے تو ان کلدیپ جی سے عشق ہو گیا ہے"۔

"او عاشق...... آج اگر تو نے ٹانگ اڑائی تو...... اچھا نہ ہوگا"۔

"وعدہ تو کیا ہے یار...... اب اور کیا کروں...... دل پر پتھر رکھنا پڑے گا...... شیکھر اُداسی سے بولا"۔

"مگر کچھ اور بھی سنا شیکھر"۔

"بس یار رات یوں گزار دی جیسے جیسے...... کیا کہوں...... بہت ہی اچھی ہیں

کلدیپ جی...... میں کیا کہوں تجھ سے...... یوں سمجھ لے کہ وہ مجھے رس ملائی سمجھ کر سارے کا سارا کھا گئیں...... شیکھر شرمائے شرمائے انداز میں ہنس پڑا“۔

”اور تو کیا کرتا رہا“۔

”میں...... میں رس ملائی بنارہا...... شیکھر نے کہا اور تینوں کے قہقہے گونج اُٹھے۔

۞ ۞ ۞

اوم پرکاش جی نے ازراہ کرم وشال کی یہ خواہش پوری کی تھی کہ وہ ان کے ساتھ کام کرے، لیکن بہت مختصر عرصہ میں وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اگر وہ وشال کی یہ خواہش نظرانداز کر دیتے تو کتنے بڑے خسارے سے دوچار ہوتے...... اپنی زندگی میں وہ ایک کامیاب وکیل تھے اور انہوں نے جو ٹارگٹ رکھا تھا اس میں انہیں ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا، لیکن یہ ٹارگٹ محدود تھا...... انہوں نے اپنی صلاحیتیں پہچان کر کام کا آغاز کیا تھا اور اس پر کاربند تھے۔

لیکن پچھلے کچھ عرصہ سے ان کی حیثیت میں نمایاں تبدیلی ہوئی تھی اور ان کے سارے شناسا انہیں حیرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے...... اس کی بنیاد وشال تھا۔

وشال کی تعلیمی سرگرمیاں جاری تھیں...... بی اے اس نے فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن میں پاس کیا تھا اور اب ایل ایل بی کر رہا تھا...... قانون کی کتابوں میں ڈوبے رہنا اس کا بہترین مشغلہ تھا...... اوم پرکاش جی کے ساتھ کورٹ جاتا تھا، ہر طرح کے کیس سنتا تھا، ان پر اپنی رائے دیتا تھا جو نہایت ماہرانہ ہوتی، اور اوم پرکاش جی حیران رہ جاتے...... پہلی بار اس نے اوم پرکاش جی کے ایک کیس میں ٹانگ اڑائی تھی...... پہلے تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، لیکن جب انہوں نے غور کیا تو حیران رہ گئے اور پھر انہیں بنیادوں پر انہوں نے یہ کیس لڑا اور جیت لیا...... دوسرا ایک کیس ان کے پاس آیا جو

مشکل ترین تھا...... اس بار ان کے موکل صاحب حیثیت اور بڑے آدمی تھے...... اوم پرکاش جی نے پورا کیس سننے کے بعد ان سے معذرت کرلی، لیکن وہ بضد رہے...... وشال بھی موجود تھا...... اس نے انتہائی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے مداخلت کی اور بولا۔

"ٹھیک ہے جناب...... ہم یہ کیس لڑیں گے...... اوم پرکاش نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا"۔

"ہماری فیس پچپن ہزار ہوگی...... پارٹی نے کہا"۔

"یہ پچپن ہزار موجود ہیں اور اگر ہم لوگ یہ کیس جیت گئے تو پچاس ہزار آپ کو اور دیں گے"۔

"آپ مناسب سمجھیں تو وہ پچاس ہزار بھی دے جائیں کیونکہ کیس آپ جیت جائیں گے"۔

"وشال کیا بدتمیزی ہے...... اوم پرکاش برداشت نہ کرسکے"۔

"چلئے بعد میں ہی دے دیجئے...... وشال بے چارگی سے بولا...... پارٹی کے چلے جانے کے بعد اوم پرکاش نے کہا"۔

"یہ کیا حماقت کی تم نے، کیس بہت کمزور ہے ہم اس میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے"۔

"ہم آسانی سے یہ کیس جیت لیں گے"۔

"اتنی خوداعتمادی نقصان دہ ہوتی ہے وشال"۔

"صرف ایک پوائنٹ ہے اس میں صرف ایک پوائنٹ...... میں اس کی نشاندہی کرتا ہوں...... کونسل آف برٹش لاء کی شق نمبر ایک سو آٹھ اور انڈین لاء کی شق نمبر اٹھارہ کو ملا کر دیکھیں میرے اس پوائنٹ کی تصدیق ہوجاتی ہے...... وشال اپنی جگہ سے

اٹھا اور اس نے یہ دونوں کتابیں لاکر اوم پرکاش جی کے سامنے رکھ دیں...... اوم پرکاش جی کتابوں میں کھوگئے...... اس دوران وشال نے اس کیس کی تفصیل پوائنٹس اور ان پر کی جانے والی بحث کے ساتھ بناکر ان کے سامنے رکھ دی...... اوم پرکاش پاگلوں کی طرح اس تفصیل کو دیکھتے رہے اور پھر انہوں نے فرط مسرت سے وشال کو گلے لگالیا...... میں اعتراف کرتا ہوں وشال کہ یہ پوائنٹ زندگی بھر میرے دماغ میں نہیں آسکتا تھا"۔

"میں آپ کا دماغ ہوں گروجی...... وشال نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا...... اور اس کیس کی کامیابی نے درحقیقت اوم پرکاش جی کے دن پھیر دیئے...... پارٹی ان کی توقع سے زیادہ بڑی تھی اور اس کامیابی کے بعد اسی پارٹی کی طرف سے دو اور کیس اوم پرکاش جی کو دیئے گئے جن کی کامیابی کا سہرا بھی وشال ہی کے سر تھا...... وشال اب اس میدان میں کسی تیز رفتار گھوڑے کی مانند دوڑنے لگا تھا اور اُوم پرکاش جی حیرت سے اس عجوبے کو دیکھنے لگتے تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس ننھے منے سے بدن میں یہ عظیم الشان دماغ کہاں سے آگیا، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اب وہ وشال سے کس قدر خوفزدہ رہنے لگے تھے...... ان کا انداز ہی تبدیل ہوگیا تھا...... وشال ان کا بھرپور احترام کرتا تھا، ان کے جوتے تک اٹھاکر انہیں دیتا تھا، لیکن اوم پرکاش جی کو نجانے کیوں یہ احساس رہتا تھا کہ جس عظیم دماغ کے سامنے وہ موجود ہیں وہ ان سے کہیں برتر واعلیٰ ہے، انہیں اپنی اس نیکی پر بے پناہ خوشی ہوتی تھی کہ انہوں نے وشال کی خواہش کو رد نہیں کیا تھا اور اسے اپنی شاگردی میں لے لیا تھا...... اگر ایسا نا کرتے تو وہ اس شاندار کامیابی سے کیسے ہمکنار ہوتے، ان کے شناسا انہیں حیرت سے دیکھتے تھے...... اوم پرکاش جی کی آدھی زندگی ان کے سامنے تھی اور اس آدھی زندگی میں انہوں نے اوم پرکاش جی کو بس درمیانے درجے کے کیسوں میں مصروف پایا تھا، لیکن

اب اعلیٰ پائے کے کیس اوم پرکاش جی کے سامنے آنے لگے تھے اور اوم پرکاش جی ان پر بہترین طریقے سے کام کرتے تھے...... وہ اکثر کہتے کہ ان کی زندگی کا یہ نیا دور کس طرح آیا اور انہوں نے اپنی سوئی ہوئی دماغی قوتوں کو اتنی دیر بعد کیوں استعمال کیا، ایسے موقعوں پر اوم پرکاش جی جھینپ جاتے تھے...... وشال عموماً ان کے ساتھ ہی ہوتا تھا...... یہ کہتے ہوئے بھی کچھ شرم سی محسوس ہوتی تھی کہ یہ سب اس جادو کے بونے کا کمال ہے...... وشال خود بھی ایسے موقعوں پر گردن جھکائے خاموش رہتا...... کبھی اس نے یہ اظہار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ کسی طرح اوم پرکاش جی کا معاون ہے،...... یوں وقت گزر رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اوم پرکاش جی کی کایا پلٹ ہو گئی تھی...... وہ اس سلسلے میں وشال کے شکر گزار تھے، لیکن انہوں نے جب بھی کبھی وشال کو کچھ دینا چاہا اس نے انکار کر دیا اور کہنے لگا''۔

''گرو جی...... میں تو خود شرمندہ ہوں کہ گرو دکشنا نہیں دے سکتا، ایک بے سہارا آدمی ہوں، بس کچھ دے نہیں سکتا تو کچھ لینا بھی پسند نہیں کرتا...... تاہم اگر تحفے کے طور پر اوم پرکاش اسے کچھ دیتے تھے تو وہ بڑے احترام سے اسے قبول کر لیا کرتا تھا......

اوم پرکاش جی اب وشال ہی پر ریسرچ کر رہے تھے اور اس سے پہلے انہوں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا تھا کہ اس ننھے سے وجود میں پورا پہاڑ پوشیدہ ہے لیکن اب جو غور کیا تو انہیں اندازہ ہوا کہ وشال انتہائی ٹھوس طبیعت کا مالک، ضدی اور خونخوار ہے...... پوائنٹس پر بحث کرتے ہوئے اس کی آواز میں ایک ایسی غراہٹ پائی جاتی تھی جیسے کوئی برفانی بھیڑیا آہستہ آہستہ غرا رہا ہو اور اپنی غراہٹوں کو بلند نہ کرنا چاہ رہا ہو...... ایسے لمحات میں وہ سوچتے تھے کہ یہ صرف ان کا احساس ہے، لیکن یہ بھی اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف تھا، پھر وشال کی زندگی کا ایک نیا رُخ ان کے سامنے آیا...... سیتارام جی بہت بڑے آدمی تھے اور ان کے خلاف ایک کیس بنایا گیا تھا...... سیتارام جی اپنے

تمام تر تعلقات سے کام لے کر یہ کیس لڑنے لگے...... ایک بہت بڑا وکیل انہوں نے کیا تھا اور اس کے ساتھ کچھ اور پوشیدہ وسائل بھی انہیں حاصل تھے...... دوسری پارٹی نے اپنا کیس اوم پرکاش جی کو دیا تھا اور وشال نے حسب معمول اس سلسلے میں کام شروع کر دیا تھا...... سیتارام جی کا کیس شروع ہو گیا، وہ بہت بڑے جاگیر دار تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ان کے اپنے بیٹے بھی بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے جبکہ دوسری پارٹی ان کے مقابلے میں ہلکی تھی، پچھلے دنوں چونکہ اس سلسلے میں اوم پرکاش جی کا نام نمایاں حیثیت حاصل کر چکا تھا اس لئے سیتارام جی نے ایک بار اوم پرکاش جی کے دفتر میں پہنچ کر ان سے ملاقات کی...... بھاری بھرکم اور خوبصورت آدمی تھے...... بہرطور اوم پرکاش جی نے ان کا سواگت کیا اور سیتارام جی بیٹھ کر کہنے لگے؟''۔

''اوم پرکاش جی...... آپ ہمارے مخالفوں کے لئے ہم سے جنگ کر رہے ہیں، معاف کیجئے گا...... میں وکالت کے پیشے کی بڑی عزت کرتا ہوں...... بہت ہی باعزت پیشہ ہے...... سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے کا کام آسان نہیں ہوتا لیکن اوم پرکاش جی بعض اوقات ہمیں ایسے کام بھی کرنے پڑتے ہیں جن میں ہم جانتے ہیں کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا لیکن بعض اوقات جھوٹ بولنے سے بہت سے فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں...... لوگوں کی زندگیاں بچ جاتی ہیں، جو الزام مجھ پر عائد کیا گیا ہے، وہ درست نہیں ہے...... میں دل کا مریض ہوں اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے...... آپ جس طرح چاہیں تصدیق کر لیں...... بھلا دل کا مریض کسی کی جان کیسے لے سکتا ہے...... وہ تو خود اپنی جان دینے کے لئے تیار بیٹھا ہوتا ہے...... مجھ پر جو یہ الزام عائد کیا گیا ہے وہ غلط ہے اور کچھ لوگوں نے اپنے مفاد کے لئے مجھ پر قتل کا یہ الزام لگایا ہے...... اب آپ خود ہی سوچئے کوئی بھی قانون میرے گلے میں پھانسی کا پھندہ کیسے ڈال سکتا ہے...... میں تو ویسے ہی مر جاؤں گا، چنانچہ اوم پرکاش جی میں نہیں چاہتا کہ آپ کی

ساکھ خراب ہو، اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کیس ہی کو خراب کر ڈالئے"۔

"خوب......اور اس کا معاوضہ آپ مجھے کیا دیں گے؟ سیتارام جی"۔

"معاوضہ...... بھئی ہمارے ہاں معاوضوں کی گنتی نہیں کی جاتی، آپ کا جو حساب کتاب بنے آکر کر لیجئے گا"۔

"معاف کیجئے گا سیتارام جی......یہی میں آپ کی زبان سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ انسانی بنیادوں پر میرے پاس آئے ہیں اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ بے گناہ ہیں، یا پھر آپ مجھے کچھ لے دے کر اس کیس کو کمزور کرنا چاہتے ہیں"۔

"مطلب......؟ سیتارام جی نے پوچھا"۔

"مطلب یہ ہے سیتارام جی کہ اگر آپ نے قتل کیا ہے یا کرایا ہے تو بہتر طریقہ یہی ہے کہ اس کی سزا بھگتنے کی تیاریاں کر لیجئے اور اگر نہیں کیا ہے تو پھر کیس خود بخود ختم ہو جائے گا...... آپ پر سے ہم لوگ تو صرف قانونی پوائنٹس کو آگے بڑھا دیتے ہیں...... فیصلے کرنا تو عدالت کا کام ہے"۔

"ٹھیک ہے آپ اگر اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا چاہتے تو آپ کی مرضی لیکن عدالت کا فیصلہ سننا چاہتے ہیں تو آپ مجھ سے سن لیجئے...... مجھے تو باعزت بری ہونا ہی ہے، بھلا کس کی مجال ہے کہ سیتارام پر قتل کا الزام عائد کر دے...... ٹھیک ہے اوم پرکاش جی آپ نے اپنی تقدیر پر سیاہی لگالی تو ہم کیا کر سکتے ہیں...... ہم تو لکشمی کی طرح گھروں میں جاتے ہیں اور لوگوں پر دولت کے دروازے کھول دیتے ہیں، اب یہ دروازے خود آپ ہی بند کر لیں تو لکشمی بیچاری کیا کرے...... جئے رام جی کی...... سیتا رام جی چلے گئے...... وشال اپنی میز پر خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا...... اوم پرکاش جی کو بے حد غصہ آ رہا تھا......انہوں نے آہستہ سے کہا"۔

"سنا تم نے وشال"۔

"جی گرو جی وشال چونک کر بولا"۔

"کیا تم اس گفتگو کی جانب متوجہ نہیں تھے"۔

"تھا گرو جی"۔

"تو کیا خیال ہے تمہارا اس بارے میں"۔

"گرو جی جو واقعات اور ثبوت سامنے آئے ہیں ان کے تحت تو سیتارام جی ہی مجرم قرار پاتے ہیں"۔

"اور اس کے علاوہ"۔

"اس کے علاوہ یہ کہ سیتارام جی کا یہاں تک پہنچنا بہت بڑی بات ہے......عام طور سے مجرم مخالف وکیل کے قریب آنے کی ہمت نہیں کرتے لیکن سیتارام جی اگر دل کے مریض بھی ہیں تو بڑے باہمت مریض ہیں کیونکہ انہوں نے یہاں تک آنے کی ہمت کر ڈالی ہے"۔

"کیا ہمارا کیس کہیں سے کمزور پڑتا ہے"۔

"بظاہر تو نہیں اب دیکھئے اس سلسلے میں کیا ہوتا ہے وشال نے کہا......اوم پرکاش جی کو یہ بھی یقین تھا کہ سیتارام جی ہی اس کیس میں مجرم ہیں...... یہ دوسری بات ہے کہ عام قسم کے ان مجرموں کی مانند جو اپنا بیک گراؤنڈ مضبوط رکھتے ہیں وہ بھی مطمئن تھے کہ انہیں اس سلسلے میں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا......ان کا وکیل بھی بہت بڑا تھا اور وہ سیتارام جی کے دفاع کے لئے بڑی بڑی شاندار شہادتیں لے کر آیا تھا...... بہر حال کیس چلتا رہا...... وشال اس سلسلے میں اوم پرکاش کو بہت کارآمد قانونی پوائنٹس بتاتا رہا تھا اور بظاہر کیس سیتارام جی کے خلاف جانے لگا لیکن سیتارام جی بڑے مطمئن نظر آتے تھے یہاں تک کہ تمام پیشیاں گزر گئیں اور جج صاحب کو اب اپنا فیصلہ دینا تھا...... اوم پرکاش اب تک کی کارروائی سے بہت مطمئن تھے اور وشال بھی مطمئن نظر آتا

تھا...... فیصلے کا دن آگیا اور اس کے بعد اس نے کمرۂ عدالت میں سکتہ طاری کر دیا......
سیتارام جی کو باعزت بری کر دیا گیا تھا اور انہیں یہ رعایت دی گئی تھی کہ چونکہ ان پر
دل کے دو دورے پڑ چکے ہیں اس لئے وہ کسی بھی طور کوئی ایسا کام کرنے سے معذور
ہیں جس میں ان کے دل پر دباؤ پڑے...... بہر طور فیصلہ ہو چکا تھا اور اس سلسلے میں کوئی
ایک لفظ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا...... وشال کے جبڑے بھینچ گئے تھے...... اوم پرکاش جی کا
چہرہ اتر گیا تھا...... واپس آئے تو بڑے سنجیدہ سنجیدہ تھے...... کہنے لگے"۔

"ہمیں چاروں طرف سے یہ اُمید تھی کہ اس کیس میں ہمیں کامیابی ہوگی، لیکن
معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا اور یہ ساری چیزیں ہمارے اس پیشے کے لئے
نئی نہیں ہیں وشال بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ایک تجربہ حاصل ہوا تمہیں کسی بھی
مسئلے میں بیٹھے بات اگر دوسروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ
دوسرے کا مزاج کیسا ہے...... صاف ظاہر ہے کہ جج صاحب نے جانبداری برت کر غلط
فیصلہ دیا ہے...... وشال نے مسکراتی نگاہوں سے اوم پرکاش جی کو دیکھا اور بولا"۔

"تو اس میں ہمارا دوش تو نہیں ہے...... اوم پرکاش جی، کیا ہمارے سلسلے میں بھی
کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ ہم نے یہ کیس غلط لڑا"۔

"میرا خیال ہے نہیں...... عدالت میں جس طرح سکوت طاری ہو گیا تھا، اس
سے پتہ چلتا تھا کہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہ فیصلہ غیر متوقع ہے، لیکن ہوتا ہے
ایسا ہوتا ہے...... ہم بھلا جج کا فیصلہ کیسے بدل سکتے ہیں؟"۔

"ہاں گروجی...... واقعی ہم جج کا فیصلہ نہیں بدل سکتے لیکن اس کی تقدیر کا فیصلہ وہی
ہے جو ہونا چاہئے"۔

"میں سمجھا نہیں...... اوم پرکاش نے کہا"۔

"آپ خود بتائیے کیا آپ کا ضمیر یہ فیصلہ قبول کرتا ہے کہ جو سزاوار تھا اسے سزا

نہ ملے اور جس کے ساتھ ظلم ہوا وہ دل مسوس کر رہ جائے"۔

"عدالتوں میں ضمیر کے فیصلے نہیں تسلیم کئے جاتے وشال"۔

"عدالتیں کچھ زمین پر ہوتی ہیں اور کچھ آسمان پر اور جب آسمان کی عدالت اپنا
فیصلہ کرتی ہے تو زمین کی عدالت کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی...... اوم پرکاش
صاحب کچھ نہیں سمجھ سکے تھے...... بہر طور بات آئی گئی ہو گئی...... دو تین دن گزر گئے
اور اوم پرکاش جی اس مسئلے کو بھول بھی گئے لیکن چوتھی شام وشال اپنی تجربہ گاہ سے
باہر نکلا تو اس کے پاس کچھ سامان موجود تھا...... وہ پراسرار طریقے سے پیدل چلتا ہوا
ایک سمت بڑھ گیا...... سیتارام جی کی خوبصورت کوٹھی شہر کے مشرقی گوشے میں واقع
تھی اور اپنی خوبصورتی کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھی، کیس جیتنے کی خوشی میں بہت سے
ہنگامے ہوئے تھے...... ایک دعوت نامہ اوم پرکاش جی کو بھی بھیجا گیا تھا لیکن ظاہر ہے
یہ صرف ان پر ایک طنز تھا...... اوم پرکاش جی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی...... یہ تو ان
کے زندگی بھر کے معمولات تھے...... جو چیز ختم ہوئی وہ ختم ہوگئی...... بہر طور وشال
نے سیتارام جی کی کوٹھی کے دو تین چکر لگائے تھے اور پھر شہر میں آوارہ گردی کرنے
نکل آیا تھا...... رات گہری ہوئی تو وہ ایک بار پھر اوم پرکاش کی کوٹھی کی جانب چل
پڑا...... غالباً شام میں اس نے کوٹھی کا جس طرح جائزہ لیا تھا اس سے اسے یہ اندازہ
ہو گیا تھا کہ اندر داخل ہونے کے لئے کون سی جگہ موضوع ہے...... اس نے ایک
درخت تاکا تھا جو کوٹھی کے عقبی حصے سے کچھ فاصلے پر تھا اور اس کی شاخیں پھیلی ہوئی
تھیں...... کوٹھی کے ایک حصے کی دیوار پر پہنچنے کے لئے کوئی چار فٹ لمبی چھلانگ لگانی
پڑتی تھی...... وشال نے اپنے لباس میں رکھا ہوا پتلی سی ڈوری کا لچھا درخت کی شاخ میں
باندھا اور اس کی مضبوطی کا جائزہ لینے لگا، پھر اس نے اس رسے میں لٹک کر یہ فاصلہ
طے کیا کسی بندر ہی کی پھرتی سے وہ دیوار پر جا پہنچا تھا، رسی کا وہ ٹکڑا جس کے ذریعے وہ

یہاں تک آیا تھا دوسرے سرے کی طرف سے اس نے دیوار کے ایک حصے میں اٹکا دیا اور اس کے بعد ہاتھوں پیروں کے بل چلتا ہوا دیوار پر سفر کر کے کمرے کی چھت پر پہنچ گیا...... یہاں سے نیچے اترنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی...... کوٹھی میں سناٹا پھیل چکا تھا، اس کے مکین اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے...... وشال بے آواز چلتا ہوا کوٹھی کے کمروں میں جھانکنے لگا اور پھر ایک کمرے میں اسے سیتا رام جی نظر آ گئے...... اکیلے ہی تھے، وسیع و عریض کمرہ بہت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا اور سیتا رام جی اپنے بستر پر بیٹھے کوئی فائل دیکھ رہے تھے...... تیز روشنی کا لیمپ ان کے بائیں ہاتھ پر روشن تھا...... وشال کمرے کا جائزہ لیتا رہا اور اس کے بعد اس نے ایک روشن دان تاک لیا...... روشن دان تک پہنچا، اس جیسے ننھے منے اور پھرتیلے بدن کے لئے مشکل نہیں تھا...... روشن دان سے وہ اندر جھانکتا رہا...... بیٹھنے کے لئے بھی یہ جگہ کافی کار آمد تھی اور یہاں بیٹھ کر انتظار کیا جا سکتا تھا...... روشن دان سے عام آدمی اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا، لیکن بات عام آدمی کی نہیں تھی، وشال کی تھی...... سیتا رام جی نے اپنا کام مکمل کیا...... فائل اپنی مسہری کے سائیڈ دراز میں رکھا اور اس کے بعد تیز روشنی گل کر کے بستر پر لیٹ گئے...... باہر اب مکمل خاموشی اور سناٹے کا راج تھا، جس کمرے میں سیتا رام جی لیٹے ہوئے تھے اس کا دروازہ اندر سے بند تھا اور ہر طرح سے سکون پھیلا ہوا تھا، لیکن ایک دھماکے کی آواز نے انہیں چونکا دیا اور پھر انہوں نے حیران کن نگاہوں سے اس ننھے سے آدمی کو دیکھا جو ان کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا...... سیتا رام جی چونک کر بستر پر بیٹھ گئے۔

”کک...... کون ہو تم...... کک...... کیا بات ہے“۔

”اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں سیتا رام جی کیا فائدہ آپ کی پیشانی داغدار ہو جائے...... وشال نے ایک پستول کی نالی ان کی پیشانی کی طرف کرتے ہوئے کہا اور

سیتا رام جی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا“۔

”ارے بھائی...... ارے بھائی کون ہو تم...... مم...... میں...... مم میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے...... کیا بات ہے، کیوں آئے ہو یہاں...... کک کہاں سے آئے ہو دروازہ تو بند ہے“۔

”آپ نہیں جانتے سیتا رام جی میں ہمدرد ہوں اور ہمدرد کو اندر آنے کے لئے بھلا کھلے دروازوں کی ضرورت ہوتی ہے“۔

”ہم...... ہم...... ہم...... ہم...... سیتا رام جی کے منہ سے وحشت زدہ لہجے میں نکلا“۔

”ہاں...... مجھے آپ زمانہ جدید کا ہمدرد کہہ سکتے ہیں...... آپ نے اپنی دانست میں اپنی گردن صاف بچالی لیکن آپ کو یہ نہیں معلوم کہ عدالتوں کے فیصلوں پر اثر انداز ہوا جا سکتا ہے...... آکاش کے فیصلوں پر نہیں...... آکاش سے آپ کے لئے فیصلہ اترا ہے...... سیتا رام جی کہ آپ کو سزائے موت دی جائے اور میں آپ کو سزائے موت دینے کے لئے ہی آیا ہوں“۔

”تت...... تم...... تم آخر ہو کون...... کک...... کیا کیا“۔

”میں آپ کو بتا دیتا ہوں سیتا رام جی مگر آپ جنبش نہ کریں اپنی جگہ سے ورنہ وقت سے پہلے مر جائیں گے، کچھ پوچھے بغیر مر جائیں گے“۔

”تت...... تمہیں بھگوان کا واسطہ...... دد...... دیکھو میرے سینے میں درد ہونے لگا ہے...... مم...... میں دل کا مریض ہوں...... دو دورے پڑ چکے ہیں مجھ پر“۔

”چنتا نہ کیجئے تیسرا دورہ آپ کو اس درد سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دے گا...... وشال نے کہا اور اس کے بعد وہ آگے بڑھ گیا...... اس نے ریشمی ڈوری کا وہی لچھا نکالا جس کے ایک ٹکڑے کے ذریعے اس نے دیوار تک کا سفر طے کیا تھا اور اس کے بعد

پستول کی نالی سیتارام جی کی پیشانی پر رکھ کر اس نے ان کے دونوں ہاتھ پشت پر کرائے اور انہیں کس کر باندھ دیا، پھر اس نے ان کے منہ میں حلق تک کپڑا ٹھونس دیا اور ان کے پیر بھی باندھ دیئے گئے، لیکن اس نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ ان کے بدن کو کوئی نشان نہ لگنے پائے، اس کے بعد اس نے ڈائنامائٹ کا ایک بنڈل نکالا...... فیتے لگے ہوئے لمبے لمبے بم اس میں بندھے ہوئے تھے اور ان سب کو ایک ساتھ باندھ دیا گیا تھا...... سیتارام جی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے...... چند لمحات اسی طرح گزر گئے...... وشال نے ڈائنامائٹ سیتارام جی کے پلنگ کے نیچے ایسی جگہ رکھ دیئے جہاں سے وہ انہیں نظر آسکتے تھے اور پھر ایک لمبی ڈور جوڑنے لگا جس کا دوسرا سرا ڈائنامائٹ کے فیتے سے منسلک کر دیا گیا تھا...... سیتارام جی کے دل کی دھڑکنیں شدید سے شدید تر ہوتی جارہی تھیں...... وشال نے دوسرا سرا دروازے کے پاس لگا دیا اور پھر مسکراتا ہوا بولا''۔

''میں نے آپ کے لئے سزائے موت منتخب کی ہے...... سیتارام جی اور اب سے چند لمحات کے بعد آپ کے بدن کے لاتعداد ٹکڑے ان دیواروں سے چپک جائیں گے...... آپ کے لئے یہی سب کچھ مناسب تھا...... وشال نے جیب سے ماچس نکالی اور ڈائنامائٹ کے ایک سرے کو آگ دکھا دی...... ڈائنامائٹ کی ڈوری نے آگ پکڑ لی تھی...... وشال نے اطمینان سے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا...... سیتارام جی کا بدن بری طرح تھر تھر کانپ رہا تھا...... ڈوری کا سرا جلتا چلا آرہا تھا اور اس کا رخ ڈائنامائٹ کی طرف تھا...... سیتارام جی کا دہشت سے برا حال تھا، انہیں اپنا حشر سامنے نظر آرہا تھا...... اب ڈائنامائٹ پھٹیں گے اور اس کے کہنے کے مطابق ان کے ٹکڑے اس کمرے کی دیواروں سے چپک جائیں گے...... دفعتاً ہی ان کے سینے کا درد شدید ہو گیا اور ان کے پورے اعصاب نے پسینہ چھوڑ دیا...... انہوں نے آخری بار سنبھالا لینے کی کوشش کی

لیکن دو مرتبہ کا زخمی دل ان کا ساتھ نہیں دے سکا، انہیں ایک ہچکی آئی اور ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا...... آنکھیں پتھرا گئیں، چند ہی لمحات کے بعد وشال دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا...... ڈائنامائٹ کا جلتا ہوا سرا فیتوں تک پہنچ چکا تھا اور اس کے بعد وہ بجھ گیا...... یہ ڈائنامائٹ خالی تھے اور ان میں بارود کا نام و نشان بھی نہیں تھا...... وشال نے بڑی احتیاط سے دروازہ اندر سے بند کیا اس پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کئے...... ڈائنامائٹ کا بنڈل سمیٹ کر جیب میں رکھا، جلی ہوئی ڈوری بھی احتیاط سے چمڑے کی جیکٹ میں ڈال لی، اس کا کوئی ذرہ بھی اس نے زمین پر نہیں گرنے دیا تھا...... پھر اس نے انتہائی احتیاط سے سیتارام کے ہاتھ پاؤں کھولے، انہیں احتیاط سے بستر پر لٹایا اور تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد روشن دان تک پہنچنے کی جدوجہد کرنے لگا جس میں اسے چند لمحات کے بعد کامیابی حاصل ہو گئی...... اس کے بعد دیوار ہی پر چلتا ہوا وہ درخت کی شاخ تک آیا اور رسی کے سرے کے ذریعے شاخ پر پہنچ گیا...... شاخ سے ڈوری کھولی اور نیچے اُترنے کے بعد گھر کی جانب چل پڑا...... دوسرے دن کے اخبارات میں سیتارام جی کی موت کی خبر چھپی ہوئی تھی...... ان کی موت دل کی حرکت بند ہونے سے ہوئی تھی...... اوم پرکاش جی نے بھی یہ اخبار پڑھا اور رام...... رام...... رام کرنے لگے...... وشال سے انہوں نے کہا''۔

''دیکھا وشال بھگوان کی عدالت نے انہیں معاف نہیں کیا اور انہیں ان کے کئے کی سزا مل گئی...... تمہیں علم ہے کہ سیتارام جی ہارٹ فیل ہونے کی وجہ سے مر گئے...... وشال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی...... اس نے اس سلسلے میں کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا...... اوم پرکاش جی کو وشال پر شبہ تک نہیں ہو سکا تھا، لیکن پھر ایسا ہی ایک دوسرا واقعہ اور پیش آیا...... اس بار قتل کا مجرم رانا پرکاش تھا...... ایک سرکش اور نوجوان آدمی جس کے تعلقات وسیع تر تھے اور وہ خود حکومت کا ایک عہدے دار

تھا...... بد قسمتی سے مدعی پارٹی اوم پرکاش کے پاس پہنچ گئی تھی...... اوم پرکاش جی نے یہ کیس لے لیا اور چند ہی پیشیوں میں انہیں احساس ہوگیا کہ صورت حال ان کے خلاف جارہی ہے...... وشال بھی مصروف عمل تھا اور اس قسم کے شواہد جمع کر رہا تھا جس سے اوم پرکاش کو کامیابی حاصل ہوسکے اور رانا پرکاش کو سزا دلوائی جاسکے...... تمام کارروائی تسلی بخش رہی، لیکن اوم پرکاش جی مطمئن نہیں تھے، وہ جانتے تھے کہ رانا پرکاش کی طرف سے جو گواہیاں پیش کی گئی ہیں وہ بڑی معتبر شخصیتوں کی ہیں اور جج صاحب کو فیصلہ کرنے میں بے حد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا...... انہوں نے ایک دن وشال سے کہا“۔

”وشال شاید یہ ہمارا دوسرا ناکام کیس ہو...... تم صورت حال کا جائزہ لے رہے ہو، بعض اوقات قانون بھی ایسے مراحل سے گزرتا ہے کہ بے بس ہوجاتا ہے“۔

”نہیں اوم پرکاش جی ہمارا پہلا کون سا کیس ناکام ہے؟ وشال نے سوال کیا“۔

”میں سیتارام جی کی بات کر رہا تھا“۔

”آپ اسے ناکام کیس کیوں کہتے ہیں...... سیتارام جی کو تو سزا مل گئی تھی“۔

”جذباتی طور پر تم یہ کہہ سکتے ہو وشال لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ سزا انہیں قانون کے ہاتھوں تو نہیں ملی تھی“۔

”انہیں قانون کے ہاتھوں ہی سزا ملی تھی اوم پرکاش جی...... بھگوان کے کام تو بڑے ہوتے ہیں اور بھگوان کو بڑے کاموں کے لئے ہی چھوڑ دیا جائے تو بہتر ہے...... یہ چھوٹے چھوٹے کام تو ہم دھرتی کے رہنے والوں کو نمٹاتے رہنا چاہئے“۔

”کیا مطلب میں سمجھا نہیں؟ اوم پرکاش جی نے کہا اور وشال ایک دم چونک پڑا“۔

”میرا مطلب ہے کہ سیتارام کا کیس ہم ناکام کیس نہیں کہہ سکتے...... بہر طور

انہیں سزا مل گئی، کسی نہ کسی طرح“۔

”وشال میری آنکھوں میں دیکھو“۔

”جی گروجی...... وشال معصومیت سے اوم پرکاش جی کو دیکھنے لگا“۔

تمہیں اور کوئی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو...... میں اچھی طرح جانتا ہوں، کیا ہے تمہارے دل میں...... کیا ہے تمہارے من میں...... مجھے بتاؤ وشال۔

”کک...... کچھ نہیں گروجی...... بس میں تو یہی کہہ رہا تھا کہ سزاوار کو سزا مل جانی چاہئے...... چاہے کسی بھی قانون کے ہاتھوں ہو اور پھر بھگوان کا قانون تو سب سے بڑا ہوتا ہے...... اوم پرکاش جی وشال کی باتوں سے مطمئن نہیں ہوئے تھے...... وہ وشال کا چہرہ دیکھتے رہے پھر بولے“۔

”مجھے صرف زبان سے گرو کہتے ہو وشال یا من سے گرو مانتے ہو“۔

”من سے گرو مانتا ہوں...... وشال نے کہا“۔

”اور یہ بھی جانتے ہوگے کہ تم نے مجھ سے ایک معصوم خواہش کا اظہار کیا تھا“۔

”تم نے کہا تھا کہ اوم جی مجھے وکیل بنادو تو میں نہیں جانتا تھا کہ وشال اندر سے کیا ہے“۔

”یہ بھی مانتا ہوں گروجی“ وشال نے کہا۔

”میں نے اس معصوم خواہش کا احترام کیا تھا...... اس کے بعد سے آج تک میرے دل میں تمہارے لئے صرف سچائی ہے“۔

”ہاں گروجی...... اس میں کوئی شک نہیں ہے“۔

”تو پھر تم بھی مجھے سچائی دو“۔

”کون سی سچائی گروجی“۔

”ابھی تم نے مجھ سے باتیں کرتے ہوئے کچھ ایسے جملے کہے ہیں جنہوں نے مجھے

شبہے کا شکار کر دیا ہے...... تم نے کہا تھا کہ سیتارام کیس ناکام نہیں ہے...... تم نے یہ بھی کہا کہ اسے قانون کے ہاتھوں سزا ملی ہے...... بھگوان کے کام بڑے ہیں یہ چھوٹے چھوٹے کام انسان ہی کو کر لینے چاہئیں‘‘۔

’’کہا تھا گروجی‘‘۔

’’ان الفاظ کی گہرائی میں کیا ہے؟‘‘۔

’’وشال...... وشال نے بڑے سکون سے کہا...... اور اوم پرکاش جی پھر چونک پڑے...... وہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگے تھے...... ہاں گروجی سچ ہے...... راؤ خاندان کی شان بڑی تھی...... اونچے اونچے لوگوں کے اس گھر میں نوانچ کا بچہ پیدا ہوا تو سب کے مذاق کا نشانہ بن گیا، نہ صرف اسے بلکہ یہ بچہ پیدا کرنے پر اس کی ماں کو بھی ٹھکرا دیا گیا...... کسی اور نے نہیں اس کے پتا نے بھی...... اسے اپنی شرمندگی بنا لیا، اس کی ماں کو تیسرے درجے کی ایک عورت بنا کر حویلی کے ایک بدبودار اور ٹوٹے پھوٹے حصے میں دھکیل دیا...... تب اس چھوٹے سے شریر نے قلم اٹھایا اور ایک نئی تاریخ لکھنا شروع کر دی...... اس نے بھگوان سے کہا...... بھگوان تم بڑے بڑے کام سنبھالو...... چھوٹے چھوٹے اپنے قد جتنے کام میں کرتا ہوں...... بھگوان تو دوسرے اپنے کاموں میں مصروف ہے...... وشال نے اپنی ذمہ داری ابھی شروع کی ہے...... اس تاریخ کے ابھی کچھ ہی حصے لکھے گئے ہیں گرو مہاراج...... ابھی اسے لکھنے دیں...... ابھی سے اسے پڑھ لیں گے تو کیا مزا آئے گا...... اتنا ضرور سمجھ لیں گروجی کہ میں ڈاکٹر بھی بن سکتا تھا...... ادیب بھی بن سکتا تھا...... انجینئر بھی بن سکتا تھا اور صنعت کار بھی، مگر میں نے طاقت سنبھالی...... میں نے قانون سنبھالا جو جو چیز میری ہوتی ہے اس پر کسی کا ادھیکار نہیں ہوتا...... اس میں کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتا...... اس تاریخ کے بہت سے پنے لکھے جا چکے ہیں، لیکن اسے کتاب بننے میں ابھی وقت لگے گا...... آپ گروجی جیون کا بہت

بڑا حصہ گزار چکے ہیں...... میں نے ابھی اپنی کتاب شروع کی ہے اور اس کتاب کا کوئی پنا میں نے اپنی ماں کو بھی نہیں سنایا...... ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھیں...... میری کتاب پوری ہونے دیں...... اوم پرکاش ہولے ہولے کانپ رہے تھے...... یہ آواز وشال کی نہ تھی، کوئی اور ہی بول رہا تھا۔

گووندراج اور راگھوراج کے سپوت نوجوانی کے سب سے حسین لمحات سے گزر رہے تھے...... سروپ ان کے لئے دیوتا سروپ تھا جس نے کلدیپ جی سے ملاقات کرا کے ان کا جیون روشن کر دیا تھا...... کلدیپ جی بلاشبہ لاکھوں میں ایک تھیں...... دوستوں کا دل رکھنے میں انہیں کمال حاصل تھا اور تینوں لڑکے ان کے گرویدہ ہو چکے تھے...... کلدیپ جی نے نا صرف انہیں اپنی ذات تک محدود رکھا تھا بلکہ نہایت فراخدلی سے رچنا، کوشل اور بھی رجنی انہیں دے دی تھیں...... رچنا تو کلدیپ جی کی بھتیجی تھیں...... کوشل اور رجنی جی ان کی دور کی رشتہ دار تھیں اور ان سے ملنے کے لئے آئی تھیں...... لیکن ان کا قیام بھی کافی طویل ہو گیا۔

زندگی کا کون سا عیش تھا جو کلدیپ جی کے گھر موجود نہیں تھا...... شراب شباب اور دوسری تفریحات...... باہر جانے کے پروگرام بھی بنتے رہتے تھے...... کبھی دریا کنارے اور کبھی دور کسی ویرانے میں جہاں سبزہ ہو، کبھی کسی پہاڑی علاقے میں اور کبھی کلدیپ جی کے گھر پر۔

جوئے کی محفلیں بھی جمنے لگی تھیں اور کلدیپ جی خود بھی ان لوگوں کے ساتھ کھیلتی تھیں...... رچنا بھی ہوتی اور کوشل اور رجنی بھی ہوتیں، ان دنوں ایک اور نوجوان نارنگ اور اس کے ساتھی جے دیو نے آنا شروع کر دیا تھا...... یہ دونوں بھی

کلدیپ جی کے شناسا تھے اور یہاں آنے کے بعد یہاں کی رنگ رلیوں میں مصروف ہو گئے تھے...... دونوں ہی بڑے گھرانوں کے لڑکے تھے، بہرطور ان کی یہ بے تکلفی روز اول ہی سے شیکھر، وکرم اور گوپال کو پسند نہیں آئی تھی...... یہ لوگ بھی کلدیپ جی کے لئے وہی حیثیت رکھتے تھے، جو یہ تینوں لیکن کلدیپ جی خاص طور سے ان تینوں کی جانب متوجہ تھیں اور انہوں نے براہ راست، شیکھر، وکرم اور گوپال کو شکایت کا موقع نہیں دیا تھا، البتہ جے دیو قسمت کا بڑا دھنی تھا...... کیونکہ جوئے میں عموماً وہی زیادہ سے زیادہ جیتتا تھا...... کلدیپ جی نے ان کا تعارف بھی اس طرح کرایا تھا کہ شیکھر، گوپال اور وکرم کو اپنی عزت برقرار رکھنا مشکل ہو گئی تھی...... کلدیپ جی نے کہا تھا کہ یہ اس شہر کے سب سے بڑے دولت مندوں کے بیٹے ہیں اور ان کے آگے کسی کی دال گلنا مشکل ہو گی...... نوجوانوں کے لئے یہ بہت بڑی بات تھی اور اب انہیں اپنے آپ کو شہر کے سب سے بڑے دولت مندوں کا بیٹا ظاہر کرنے کے لئے بڑی محبت سے پیش کرنا تھا۔

ویسے تو ان لوگوں کے پاس اچھی خاصی رقمیں تھیں جو جیب خرچ کی صورت میں اور دیگر طریقوں سے ان کے اپنے اکاؤنٹ میں جمع تھیں، لیکن رفتہ رفتہ یہ خزانے خالی ہوتے جا رہے تھے اور ان کے خالی ہونے کا انداز ایسا تھا کہ اس میں کسی بات کو شبہ کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

کلدیپ جی کھانے پینے کے اور تفریحات کے اخراجات خود ادا کرتی تھیں...... بارہا انہوں نے پیش کش کی کہ کلدیپ جی کو زیر بار نہ کیا جائے، لیکن ایسے مواقعوں پر وہ برا مان جاتی تھیں اور کہتی تھیں کہ وہ انہیں غیر کیوں سمجھتے ہیں...... کچھ ایسی اخلاقی بندشیں باندھی تھیں انہوں نے کہا کہ تینوں لڑکوں کو احساس بھی نہیں ہو سکا تھا کہ کلدیپ جی ان سے کوئی لالچ رکھتی ہیں...... البتہ جوئے کا معاملہ ذرا مختلف تھا اور اس

میں ہارنے کو ہار تصور نہیں کیا جاتا تھا...... لیکن اب آہستہ آہستہ تینوں مشکلات کا شکار ہوتے جارہے تھے کیونکہ ان کے اپنے اکاؤنٹ ختم ہو چکے تھے، جبکہ نارنگ اور جے دیو ہزاروں روپے ہارنے کے باوجود کبھی پیشانی پر شکن نہیں لاتے تھے...... رچنا اور دوسری لڑکیاں اس بات کو بہت اہمیت دیتی تھیں کہ کون کتنا ہارا اور کتنا جیتا...... نارنگ اور جے دیو ہمیشہ ہی چٹکی بجا کر اپنی ہار کو فضا میں اُچھال دیتے تھے اور اب ان تینوں کو اپنی ساکھ قائم رکھنا مشکل ہو گئی تھی۔ جو کچھ جہاں سے بھی ہاتھ لگتا وہ اسے اڑا لیتے اور اس کے بعد چند روز گزر جاتے، انہیں دنیا کی ہر آسائش کلدیپ جی کے ہاں میسر آ گئی تھی اور ان کا دل ایک لمحے کے لئے وہاں سے ہٹنے کو نہیں چاہتا تھا...... نارنگ اور جے دیو سے باقاعدہ رقابت چل گئی تھی، گو ابھی توجہ انہی تینوں کی جانب تھی اور نارنگ اور جے دیو کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکی تھی جو ان کی تھی...... تینوں نے بیٹھ کر میٹنگ کی...... وکرم راج کہنے لگا۔

"یار پیسے تو اب ختم ہو گئے ہیں اور اگر کلدیپ جی کے ہاں ہیٹی ہوئی تو ڈوب مرنے کا مقام ہوگا...... انہوں نے کس طرح ہماری ہوا باندھی ہے، مگر اب پیسوں کے لئے کیا کرنا چاہئے"۔

"میں خود سخت پریشان ہوں...... سمجھ میں نہیں آرہا پیسہ کہاں سے حاصل کیا جائے...... شیکھر بولا اور پھر کہنے لگا" ایک بات کہوں بشرطیکہ تم لوگ راز رکھنے کا وعدہ کرو۔

"ہمارے اور تمہارے راز اب کہیں مختلف ہیں شیکھر؟"۔

"نہیں یہ بات میں جانتا ہوں...... میں پچھلے کچھ دنوں سے تجوری کی چابی بنانے کے چکر میں ہوں...... وہاں زیورات رکھے ہوئے ہیں...... میں نے صابن سوراخ میں ڈال کر نشان تو بنا لیا ہے، بس اب چابی بنوانے کے چکر میں ہوں، جو کچھ بھی وہاں سے

حاصل ہوگا، اسے احتیاط سے خرچ کریں گے"۔

"ویری گڈ...... تم نے تو ہمیں بھی راستہ دکھا دیا شیکھر...... میرا خیال ہے ماتا جی کی تجوری میں بھی کافی چیزیں موجود ہیں...... وہ زیورات بھی رکھے ہوئے ہیں جو چاچا جی کے گھر سے برآمد ہوئے تھے...... چاچا جی تو ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے لیکن ہم وکرم راج...... ہنسنے لگا اور اس کے بعد انہوں نے بھی کرن وتی کی تجوری کے نشانات حاصل کر لئے"۔

چابی بنوا لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا...... کافی پیسے دے کر رازدارانہ انداز میں یہ چابی بنوائی گئی اور پھر دونوں تجوریاں خالی ہو گئیں، البتہ تجوریاں خالی ہونے کا راز نہیں رہ سکا تھا اور جلد ہی فاش ہو گیا تھا۔

منورما کو کسی کام سے اپنی تجوری کھولنی پڑی تھی اور اندر کی صفائی دیکھ کر وہ دہشت سے چیخ پڑی اور اس کے بعد اس نے پوری حویلی میں ہنگامہ برپا کر دیا۔

اودھر کرن وتی بے چاری نے تو احتیاطاً ہی اپنی تجوری دیکھی تھی اور اسے بھی خالی پایا...... یہی نہیں بلکہ نقد رقمیں جہاں جہاں محفوظ کی گئی تھیں وہ بھی وہاں سے غائب تھیں اور حویلی میں طویل عرصے کے بعد پھر کہرام مچ گیا۔

اس بار تو ڈاکوؤں کے آنے کی خبر تک نہ ملی تھی...... منورما نے سیدھا سیدھا الزام لگا دیا اور خفیہ طور پر یہ بات طے کی گئی کہ اچانک ہی حویلی کے پچھلے حصے میں چھاپہ مار کر کنول کے سامان کی تلاشی لی جائے گی...... منورما نے اس پر شبہ کا اظہار کیا تھا، حالانکہ بظاہر اس شبہ کی کوئی وجہ نہیں تھی، لیکن لے دے کے ان سب کا شبہ اس پر گیا تھا...... اور جب وشال کی غیر موجودگی میں کنول کے کمرے پر چھاپہ مارا گیا تو بے چاری کنول گھبرا کر رونے لگی تھی...... اس نے رو رو کر ایک ایک سے پوچھا کہ آخر ایسا کیوں کیا جا رہا ہے، لیکن اسے کسی نے جواب نہ دیا...... تلاشی لینے والوں میں راگھو

راؤ اور گووندراج بھی تھے...... دونوں اس بار بھی بیویوں کی حماقتوں کا شکار ہوئے تھے...... بے چاری کنول کے پورے ٹھکانے میں چند پرانے جوڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ملی تھی اور پہلی بار گووندراؤ نے غصیلے لہجے میں کرن وتی سے کہا تھا۔

"دیکھو کرن وتی کسی کو مارنا ہے تو زہر دے کر مار دو، گولی مار دو اسے اندرونی مار مارنا مجھے ناپسند ہے...... یہ دونوں ماں بیٹے اب تو تمہارے کسی آڑے نہیں آتے...... کان دبائے پڑے ہوئے ہیں بے چارے...... جیون کے دن پورے کر رہے ہیں، کچھ بھی ہے، ہمارا بھائی ہم سے جدا ہو چکا ہے، لیکن بہر طور یہ اس کی نشانی تو ہیں...... میں آئندہ یہ بات پسند نہیں کروں گا کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی زیادتی کی جائے۔

منورما روتی پیٹتی واپس چلی گئی تھی......اس کا کہنا تھا کہ چور کوئی باہر کا آدمی نہیں ہو سکتا...... آپس ہی میں کافی تلخی پیدا ہو گئی تھی...... کرن وتی نے منورما سے بات چیت کرنی چھوڑ دی تھی...... منورما تو پہلے ہی کرن وتی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی...... بھائیوں کے دلوں میں بھی ہلکی ہلکی رنجش پیدا ہو گئی تھی...... سب ایک دوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے...... دوسرے بچے بھی تھے جو قابل ذکر نہیں تھے، البتہ شیکھر، گوپال اور وکرم کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

چند روز تو ذرا احتیاط برتی گئی اور اس کے بعد وہی گلچھرے، وہی عیش و عشرت، ماں باپ کے ذہنوں میں یہ تصور بھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ ان کے نیک بچے کسی برے راستے پر چل پڑے ہیں...... ویسے وہ تینوں احتیاط بھی بہت زیادہ برتتے تھے۔

دولت کب تک ساتھ دے سکتی ہے اور وہ بھی ایسی جگہ جہاں دولت کا ذکر ہی تیسرے درجے کی بات تھا، چنانچہ جو رقومات زیور بیچ کر اونے پونے حاصل ہوئی تھیں وہ بھی ختم ہو گئیں اور پھر اس کے بعد ایک نیا طریقہ کار اختیار کر لیا گیا۔

وکرم راج نے یہ نیا منصوبہ پیش کیا تھا اور منصوبہ یہ تھا کہ خاموشی سے چیک

بکوں سے چیک نکال لئے جائیں، تاکہ ان میں اپنی پسند کی رقمیں بھر کر انہیں کیش کرایا جا سکے...... دستخط بنانے کی ذمہ داری وکرم راج نے لی تھی اور بلاشبہ جب اس نے گووندراج کے دستخط بنا کر ایک بڑی رقم کا چیک کیش کرایا تو اپنی خاطر خواہ کامیابی پر پھولا نہ سمایا...... چیک با آسانی کیش ہو گیا تھا...... پھر مزید چیک کیش کئے جانے لگے...... گووندراج اور راگھوراؤ کے دستخط ان لوگوں نے ہو بہو بنانا شروع کر دیئے تھے...... رقمیں نکالی جاتی رہیں اور ان کا بھانڈا بھی ایک دن پھوٹ ہی گیا...... جب گووندراج کو ایک دن بڑی رقم کی ضرورت پیش آئی اور بڑی رقم کا یہ چیک اس دن کیش نہ ہو سکا...... بنک سے گووندراج کو اطلاع ملی کہ اگر وہ کہے تو چیک اوڈی کر دیا جائے، کیونکہ اتنی رقم موجود نہیں ہے۔

گووندراج کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا......ان کے خیال سے تو ابھی ان کے لاکھوں روپے بنک میں موجود تھے......انہوں نے فون پر اس سلسلے میں استفسار کیا تو پتہ چلا کہ تمام حسابات کی اچھی طرح چیکنگ کے بعد ہی یہ بات ان سے کہی گئی ہے...... نتیجے میں گووندراج راگھوراؤ کو ساتھ لے کر بنک پہنچ گئے اور اس کے بعد اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا...... وہ تمام چیک انہیں دکھائے گئے جن کے ذریعے بڑی بڑی رقمیں نکالی گئی تھیں اور ان سے یہ بھی کہا گیا کہ عموماً یہ رقمیں ان کے بیٹوں نے ہی نکالی ہیں...... گووندراج اور راگھوراؤ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی اور اب انہیں پرانے واقعات بھی یاد آ رہے تھے...... زیورات کی چوری میں بھی تو کہیں ان بچوں ہی کا ہاتھ نہیں ہے...... پہلی بار انہوں نے سنجیدگی سے اپنے سپوتوں کے بارے میں سوچا کہ ان کی چھان بین کی جائے...... بنک کو انہوں نے مطمئن کر دیا تھا اور اس کی ہدایت دے دی تھیں کہ ان کے چیک انہی کے ہاتھوں آئیں گے...... دوسرے چیک کیش نہ کئے جائیں...... اس کے علاوہ بنک کی اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے

کارروائی مکمل کر دی گئی، ورنہ بنک کو اس سلسلے میں مجبوراً پولیس سے مدد لینا پڑتی۔

واپس آنے کے بعد راگھوراج اور گووندراج نے آپس میں بیٹھ کر مشورہ کیا......

یہ بات عورتوں کے کانوں میں فوراً نہیں پہنچنی چاہئے تھی ورنہ راز نہیں رہ سکے گی......

اس مشورے میں انہوں نے طے کیا کہ تینوں لڑکوں سے سختی کے ساتھ یہ پوچھا جائے کہ لاکھوں روپے کی یہ رقمیں انہوں نے کہاں غائب کر دیں...... بڑی مشکل پیش آگئی تھی، پہلے ہی ایک بار جو کچھ ہو چکا تھا اس سے ہی کمر سیدھی نہ ہو سکی تھی کہ یہ نئی بپتا پڑ گئی تھی...... زمینیں اور جائیدادیں الگ بک رہی تھیں...... کاروبار شدید گھاٹے میں چل رہا تھا اور کئی فیکٹریاں فروخت ہو چکی تھیں...... راؤ خاندان کا سورج اب ڈوبنے کے قریب تھا...... اور وہ اسے محسوس کر رہے تھے...... راج دھنش نے راؤ خاندان کو تباہ کر دیا تھا اور آج تک کوئی یہ نہیں جان سکا تھا کہ راج دھنش کون ہے، رانی راج جی کہاں رہتی ہے...... ان دو ناموں کے تحت جو کچھ کیا جاتا وہ سو فیصدی قانون کے دائرے میں ہوتا اور کوئی ایسا پہلو نہ نکلتا کہ ان دونوں کا منظر عام پر آنا ضروری ہوتا۔

دونوں بھائیوں نے پروگرام بنایا اور بالآخر انہیں ایک شام پکڑ لیا...... وہ اکٹھے ہو کر کہیں جا رہے تھے۔

"کہاں جا رہے ہو تم لوگ؟"۔

"سیر کرنے پتا جی"۔

"کہاں؟"۔

"بس ایسے ہی گھوم پھر کر واپس آجائیں گے...... وکرم نے کہا"۔

"اپنی عمر کا خیال ہے تمہیں"۔

"ہماری عمروں کو کیا ہو گیا پتا جی...... شیکھر نے کہا"۔

"جیون میں کوئی کام کرو گے یا یونہی ڈنڈے بجاتے رہو گے"۔

"سمے آنے پر کام بھی کر لیں گے"۔

"ہوں...... ابھی سمے نہیں آیا...... گووندراج نے گھورتے ہوئے کہا...... پھر بولے...... تمہارے مشاغل کیا ہیں ان دنوں"۔

"آپ کا مطلب کیا ہے پتا جی" گوپال بولا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم آوارگیاں کرتے ہو...... برے کاموں میں پڑ گئے ہو...... گووندراج نے گرجتے ہوئے کہا"۔

"غلط سنا ہے پتا جی...... ہم صرف اتنا کر رہے ہیں جتنا ہمارے بڑوں نے کیا ہے...... آپ نے کیا ہے، چاچا جی نے کیا ہے ہمارے چھوٹے چاچا نے کیا ہے......اگر وہ سب کچھ برا تھا تو آپ لوگ کیوں کرتے رہے......اگر اس سے زیادہ ہم کچھ کر رہے ہیں تو برا کر رہے ہیں اور اگر اتنا ہی کر رہے ہیں تو پھر یہ ہمارا حق ہے"۔

"کیا بکواس کرتے ہو حرام زادے...... تیری یہ مجال کہ مجھ سے زبان لڑائے...... گووندراج طیش میں آکر بولے"۔

"سچ بولنا برا ہے پتا جی تو آپ ہم سے یہ سب کچھ پوچھ کیوں رہے ہیں...... آپ سے کوئی پوچھتا تھا...... گوپال ترکی بہ ترکی بولا"۔

"اصل بات کریں بھیا جی یہ سسرے حد سے بڑھ گئے ہیں...... ہم ان کی طرح چور نہیں تھے...... راگھوراج بولا"۔

"زیور کس نے چرائے تھے"۔

"کون سے زیور" شیکھر گھبرا کر بولا۔

"حرام زادو بنک سے جعلی دستخط بنا کر بڑی بڑی رقمیں کس نے نکلوائی ہیں...... کیا کیا تم نے ان رقموں کا"۔

تینوں نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں پھر شیکھر بولا...... ہمیں پیسے کی

ضرورت تھی کہاں سے لاتے۔

"کیا ضرورت تھی پیسے کی؟"۔

بہت سی ضرورتیں ہیں...... آخر ہمارا بھی کوئی جیون ہے...... آپ لوگوں نے اپنا وقت گزار لیا، ہمارے لئے کیا چھوڑا ہے۔

"کیا یہ جعل سازی نہیں ہے؟"۔

"ہوگی ہم نے اپنا پیسہ حاصل کیا ہے...... شیکھر بولا"۔

"اور زیور بھی تیرے تھے......راگھوراج بولا"۔

"ہاں......وہ میری ماں کے تھے جو وہ جہیز میں لائی تھی...... شیکھر بولا اور راگھو راج آپے سے باہر ہوگیا......اس نے پاؤں سے جوتا اتارا اور شیکھر پر پل پڑا......اسی وقت منورما دندناتی اندر گھس آئی تھی"۔

"بہت دیر سے برداشت کر رہی ہوں دروازے پر کھڑی...... بہت برداشت کر لیا اب برداشت نہیں ہوتا...... ٹھیک تو کہہ رہا ہے وہ...... یہاں سے کچھ ملنے کے بجائے اور گانٹھ سے گنوا دیا...... کس کا تھا یہ سب کچھ......یاد کرو اپنا سمے...... کیا کرتے تھے تم لوگ اور ان کے لئے کیا رہ گیا ہے...... سب کچھ تمہارے بھیا نے اڑا دیا......خوب لوٹ مار کی باقی بچا تو ڈاکہ ڈال کر لے گئے، جو ہاتھ لگا وہ کتنا ہے جو چھپا دیا اب جیل سے آکر عیش کریں گے، کیا رہ گیا ہمارے بچوں کے لئے۔

"تو اندر کیوں آئی......؟راگھوراج طیش سے بولا"۔

"کیوں نہ آتی پتنی ہوں تمہاری، بہو ہوں اس گھر کی عزت سے آئی تھی باندی تو نہیں ہوں"۔

"جوتے مار مار کر بھیجا نکال دوں گا تمہارا"۔

"راگھو...... ہوش سنبھالو...... کیا کر رہے ہو" گووند راج نے کہا۔

"اس سے کہہ دو بھیا چلی جائے یہاں سے ورنہ بہت برا ہو جائے گا"۔

"بہو تم جاؤ......اسے بھی لے جاؤ یہاں سے...... تم نہیں جانتیں ان لوگوں نے کیا کیا ہے...... تجوری سے زیور چرائے انہوں نے جعلی دستخط بنا کر بنک سے لاکھوں روپے نکال لئے......اگر ہم مداخلت نہ کرتے تو پولیس کسی بھی وقت آسکتی تھی۔

"اور یہ چلی گئی تھی کنول کی کوٹھری کی تلاشی لینے...... بھگوان نے کیسا منہ پر جوتا مارا ہے"۔

راگھوراج نے کہا۔

"کیا کریں بے چارے...... آپ لوگوں نے خوب گلچھرے اڑائے ان کے لئے کیا چھوڑا ہے اور کیا کریں وہ لوگ"۔

"جاؤ تم لوگ دفع ہو جاؤ یہاں سے...... جاؤ بہو شیکھر کو لے جاؤ، بات نہ بڑھاؤ کون سی عزت رہ گئی ہے، ہماری جو گھر میں دنگا فساد بھی ہو...... گووند راج نے منورما سے کہا اور وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی"۔

دونوں بھائی ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے تھے...... پھر راگھوراج نے کہا......بھیا آج نہ جانے رتن کیوں یاد آرہا ہے۔

"ہاں راگھو...... آج وہ یاد آرہا ہے...... گووند راج گلوگیر لہجے میں بولے"۔

"ہم نے انصاف نہیں کیا اس کے ساتھ"۔

"اس کا حق مارا تھا ہم نے"۔

"ان سسری عورتوں کے پھیر میں آگئے تھے ہم...... برائی کی تھی ہم نے سو برائی ملی......وہ اتنا برا تو نہ تھا"۔

"آخر بھائی تھا ہمارا"۔

"اس سے ہم نے یہ نہ سوچا بھیا کتنے سال ہو گئے اسے ہم سے دور ہوئے، اب تو

اس کی صورت بھی آنکھوں سے اُوجھل ہو گئی ہے...... ایک بار بھی تو ہم اس سے ملنے جیل نہ گئے، کتنے کٹھور ہو گئے تھے ہم...... راگھو راج رو پڑا"۔

"خود کو سنبھالو راگھو...... جو ہو چکا ہے واپس نہیں آسکتا...... اب کیا منہ لے کر اس کے سامنے جائیں گے...... میری تو کبھی ہمت نہیں پڑے گی...... ان سسروں کو سنبھالنے کی کوشش کرو...... ویسے ہی عزت دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی ہے...... یہ کوئی اور گل نہ کھلا دیں...... دونوں بھائی دیر تک ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے تھے۔

وشال کے کام جاری تھے...... وہ اب بہت سنجیدہ ہو گیا تھا...... حویلی والوں سے بھی اس کی لڑائی بظاہر ختم ہو گئی تھی اور کنول خوش تھی...... وشال نے ہوش سنبھال کر اتنا تو کیا تھا کہ اس کے لئے یہ مشکلات ختم کر دی تھیں...... گوپال اور دوسرے لڑکوں سے اب اس کا کوئی واسطہ نہیں رہ گیا تھا، ان کے اپنے مشاغل تھے اور وشال کے اپنے...... زندگی کی گاڑی اسی طرح چل رہی تھی...... پھر سرودھنا مکر جی کا نزول ہوا...... ولایت سے بیرسٹر بن کر آئی تھیں...... عمر بہت کم تھی...... قد بہت زیادہ چھ فٹ میں صرف ایک انچ کم تھا...... بے حد سڈول چہرہ اتنا شفاف کہ پسینے کے قطرے بھی میلے لگیں...... نقوش بھی اتنے ہی حسین تھے...... چاروں طرف ان کے چرچے ہونے لگے، کئی چھوٹے موٹے کیس انہوں نے صرف اپنے حسن کی کشش سے جیت لئے...... پھر ایک کیس میں اوم پرکاش جی سے سامنا پڑ گیا...... وشال کا ذہن کام کر رہا تھا، چنانچہ سرودھنا جی پہلا مقدمہ ہار گئیں، لیکن یہ ان کی فطرت تھی کہ ہار کا برا نہ مانا بلکہ مٹھائی، پھول لے کر اوم پرکاش جی کے دفتر میں آ گئیں۔

وشال بھی موجود تھا...... اوم پرکاش جی نے خوشدلی سے سواگت کیا تھا...... آپ کی بڑائی مان کر آئی ہوں، آپ نے جس طرح یہ کیس لڑا اس نے مجھے حیران کر دیا۔

"اس میں حیرانی کی کیا بات ہے"۔

"مجھے یقین تھا کہ میں یہ کیس جیت جاؤں گی"۔

"ہم اسے ہار جیت نہیں مانتے" قانون اور عدالت تو کھیل ہے...... اوم پرکاش جی نے کہا۔

آپ نے جس ذہانت سے دلائل پیش کر کے اپنے موکل کو بچایا اس کا جواب نہیں...... میں نے یورپ میں بھی بہت سے وکیل اور بیرسٹر دیکھے لیکن قانون کا یہ کھیل وہاں بھی دیکھنے میں نہیں آیا...... دراصل میں آپ سے کچھ سیکھنا چاہتی ہوں۔

"اوہ سرودھنا دیوی...... ہم کیا سکھا سکتے ہیں آپ کو"۔

"گرو بنانا چاہتی ہوں میں آپ کو اور دھن کی پکی ہوں میں...... اس سمے تک پیچھا نہ چھوڑوں گی جب تک آپ میرے سر پر ہاتھ نہ رکھ دیں گے"۔

سرودھنا دھن کی پکی تھی...... اس نے اوم پرکاش جی کا پیچھا پکڑ لیا...... وہ انہیں علی الاعلان اپنا گرو کہتی تھی...... کبھی ان کا مخالف کیس نہ لیتی، بے حد احترام کرتی ان کا اور اس میں اس نے حد کر دی...... تب ایک روز اوم پرکاش نے پریشان ہو کر کہا۔

"سرودھنا...... کیوں میری پول کھولنا چاہتی ہو...... پارس دیکھا ہے کبھی تم نے"۔

"پارس پتھر؟"۔

"ہاں"۔

"دیکھا نہیں سنا ہے اس کے بارے میں"۔

"تو یوں سمجھ لو میرے ہاتھ پارس پتھر لگ گیا ہے...... وکیل تو میں بڑی دیر سے تھا مگر جب سے پارس پتھر مجھے ملا میری تقدیر بدل گئی"۔

"میں سمجھی نہیں گرو جی"۔

"اگر کامیابی کے آکاش پر جانا چاہتی ہو تو وشال کا ساتھ حاصل کر لو"۔

"ان کا؟ سرودھنا نے کہا اور ہنس پڑی...... وشال اسی طرف دیکھ رہا تھا"۔

"ہنسو نہیں سرودھنا...... یہ ہنسی تمہارا مستقبل تاریک بھی کر سکتی ہے"۔

"کچھ سمجھایئے تو گرو جی، بات کچھ سمجھ میں آئے تو بولوں...... سرودھنا نے ہنسی روکتے ہوئے کہا...... وشال کو اس نے اکثر اوم پرکاش جی کے ساتھ دیکھا تھا، ان کا اسسٹنٹ یا پھر کوئی لے پالک وغیرہ سمجھا تھا...... اوم پرکاش جی نے جس طرح وشال کا تذکرہ کیا تھا وہ سرودھنا کی سمجھ سے باہر تھا...... اور پھر اوم پرکاش جی نے اسے وشال کے بارے میں بہت کچھ سمجھا دیا اور سرودھنا کے چہرے پر حیرت کے نقوش پھیل گئے...... بعد میں وہ وشال کے قریب آ گئی"۔

"اگر یہ سچ ہے تو میں تمہیں دنیا کا آٹھواں عجوبہ کہہ سکتی ہوں...... وشال نے سنجیدہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا"۔

"تم مجھے جو چاہے کہہ سکتی ہو، لیکن میرے سامنے نہیں"۔

"ارے نہیں نہیں وشال جی...... مم میرا مطلب یہ نہیں تھا"۔

"نہیں سرودھنا دیوی میں نے تمہاری بات کا برا نہیں مانا...... ساری دنیا نے مجھ سے یہی کہا ہے اور ساری دنیا سے میں نے نفرت کی ہے اور اس کی بات کو تسلیم نہیں کیا...... اگر کوئی مجھے کچھ کہہ کر مجھ سے معذرت کرنا چاہتا ہے تو اسے میری خوشنودی حاصل کرنا ہو گی...... وشال پتھریلے لہجے میں بولا۔

"جو کچھ مجھے اوم پرکاش جی نے بتایا ہے اس پر یقین کرنے کے بعد میں تمہارے چرن چھونے سے بھی گریز نہیں کر سکتی...... واقعی بڑی حیرت ناک بات ہے"۔

"اگر تم میرے چرن چھو لو گی...... تو میں تمہیں معاف کر دوں گا سرودھنا دیوی، لیکن شرط ایک اور ہے"۔

"کیا شرط ہے...... مجھے بتایئے وشال جی؟"۔

"میرے یہ چرن تم پتی کی حیثیت سے چھوؤ گی...... سرودھنا کا منہ حیرت سے

کھل گیا...... اس نے وشال کو دیکھا اور ہنس پڑی"۔

"پپ پتی"۔

"ہاں...... مجھ سے شادی کرنے کے بعد ہی تم مجھ سے کچھ سیکھ سکتی ہو...... وشال بولا اور سرودھنا کے قہقہے اُبلتے رہے"۔

"ارے وشال جی...... میں آپ کو گود تو لے سکتی ہوں، لیکن شادی...... کیا اس سے بڑا مذاق اور کوئی ہو سکتا ہے...... وشال نے اوم پرکاش جی کی طرف دیکھا، جو خود بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے...... پھر وہ انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوم پرکاش جی کیا آپ نے مجھے کچھ کام نہیں سونپے، کیا آپ چاہتے ہیں میں اپنے کام نہ کروں"۔

"ارے نہیں نہیں...... سرودھنا دیوی ادھر آجاؤ...... پلیز ادھر آجاؤ"۔

سرودھنا ہنستی ہوئی اوم پرکاش جی کی جانب بڑھ گئی تھی...... اوم پرکاش جی آہستہ سے بولے۔

"تم نے اس پر قہقہے لگائے تھے...... یوں سمجھ لو کہ اب دنیا کی کوئی قوت اسے تمہاری جانب مائل نہیں کر سکتی"۔

"تو پھر کیا کروں اوم پرکاش جی...... آپ دیکھئے نا، وشال کیسی باتیں کر رہے ہیں...... اوم پرکاش جی خود بھی گردن کھجا رہے تھے...... پھر انہوں نے کہا"۔

"اور اب جب اس نے یہ بات کر ہی ڈالی ہے تو پھر تم یوں سمجھ لو کہ تمہاری تقدیر اس کے ساتھ وابستہ ہو گئی"۔

"خیر میں نے اپنی تقدیر دوسروں کے ہاتھوں میں کبھی نہیں دی اور اس سلسلے میں میں بھی ضدی ہی ہوں"۔

اوم پرکاش جی نے کوئی جواب نہیں دیا...... بات اس سلسلے میں آئی گئی ہو گئی،

لیکن سرودھنا عجیب سی پریشانی کا شکار ہو گئی تھی...... وشال اب وہ کیس لینے لگا تھا جو سرودھنا کی مخالفت میں ہوتے اور اس کے لئے اس نے اوم پرکاش جی کو مجبور کیا تھا...... تین چار کیس تو سرودھنا نے مسترد کئے، لیکن جب اس سلسلے میں اس نے اوم پرکاش سے بات کی تو انہوں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجبوری ہے سرودھنا جی...... تم نے وشال کو ضد دلا دی ہے میں کیا کر سکتا ہوں"۔

"تو پھر ٹھیک ہے آئیے گرو جی دیکھتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کہاں تک کھچاؤ چل سکتا ہے اور اس کا نتیجہ سرودھنا کے حق میں بہتر نہ ہوا"۔

پہلا ہی کیس وہ ہار گئی، پھر دوسرا، تیسرا، چوتھا اور پانچواں...... اس طرح اس کی ساکھ گرنے لگی اور اس کی آنکھوں میں دُھندلاہٹیں پیدا ہونے لگیں...... وہ سخت پریشان تھی...... پھر وہ ایک بار دوبارہ اوم پرکاش جی کے آفس پہنچ گئی۔

"اوم پرکاش جی اگر آپ میرا مستقبل تاریک کرنا چاہتے ہیں تو آپ مجھ سے ویسے ہی کہہ دیں...... میں تو خود بھی آپ کو دل سے گرو جی کہہ چکی ہوں...... اگر آپ مجھے اس شہر میں نہیں دیکھنا چاہتے تو میں یہ شہر چھوڑے دیتی ہوں، سرودھنا نے کہا"۔

"مجھے اس سلسلے میں بے قصور سمجھو بیٹی! بالکل بے قصور اور مجبور"۔

"اچھی مجبوری ہے...... یہ مجبوری تو چار فٹ کی بھی نہیں ہے اور آپ اس کے ہاتھوں اتنے مجبور ہیں...... وشال مسکراتا ہوا بولا"۔

"سرودھنا جی آپ نے صرف میرے اس قد کو دیکھا ہے جو زمین سے اوپر ہے...... بہر طور جو آپ کا من چاہے کہہ لیں...... لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ سے اس سمے تک مقابلہ جاری رہے گا، جب تک کہ آپ پتنی کی حیثیت سے میرے چرن نہیں چھو لیتیں...... وشال نے کہا اور سرودھنا نے ہنوں کر کے رُخ تبدیل کر لیا۔

لیکن اس کے نتائج وہی کے وہی تھے...... درحقیقت سرودھنا اب تیسرے

درجے کی وکیلوں میں شمار ہونے لگی تھی، حالانکہ وہ اتنی کمتر نہیں تھی...... ولایت سے
اس نے بیرسٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی اور وہاں اپنی ذہانت کا لوہا منوا کر آئی تھی،
مگر کیا کرتی، مقابلہ ایک پونے چار فٹ کے آدمی سے ہو گیا تھا اور اوم پرکاش جی بھی
اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے، اسے اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا،
لیکن اس چھوٹے سے قدو قامت کے شخص سے اس قسم کی کسی بات کا تصور کر کے ہی
اسے شرم آتی تھی...... وہ ان کوششوں میں مصروف ہو گئی کہ جس طرح بھی بن پڑے
کسی بھی طرح ایک بار وشال کو شکست دے اور اس سلسلے میں اس نے اپنے تمام
اثرورسوخ استعمال کر لئے اور ایک موقع اسے حاصل ہو ہی گیا۔

یہ رانا پردیپ تھا...... سرکش اور انتہائی اعلیٰ درجے کے تعلقات والا رانا پردیپ،
جس کی دولت کے چرچے عام تھے اس رانا پردیپ کے ہاتھوں ایک قتل ہو گیا اور اس
قتل کے سلسلے میں بہت سے ثبوت بھی مل گئے...... رانا پردیپ گرفتار ہوا، ضمانت پر رہا
بھی ہو گیا اور اس کے بعد اس پر مقدمہ قائم ہو گیا...... رانا پردیپ نے اپنا کیس
سرودھنا مکرجی کو دے دیا تھا اور مدمقابل اوم پرکاش جی تھے جنہوں نے وشال کی
خواہش پر یہ کیس اپنے ہاتھ میں خاص طور سے لیا تھا۔

مقدمہ شروع ہو گیا اور وشال کی کارستانیاں رنگ لانے لگیں...... سرودھنا
مکرجی کو اس بار بھی امید نہیں تھی کہ اسے کامیابی حاصل ہو جائے گی، لیکن جب رانا
پردیپ نے اسے بتایا کہ پولیس سے لے کر جج تک اس کی مٹھی میں ہیں تو سرودھنا کے
دل میں اُمید کی شمع روشن ہو گئی...... رانا پردیپ نے سرودھنا کو اپنا وکیل ہی مقرر
نہیں کیا تھا بلکہ اس کی کچھ اور عنایتیں بھی سرودھنا پر شروع ہو گئی تھیں جنہیں
سرودھنا نے محسوس کر لیا تھا...... ہر چند کہ وہ رانا پردیپ سے متاثر نہیں تھی لیکن
اپنے پہلے کیس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اس نے یہ کڑوی گولی بھی نگل لی اور

رانا پردیپ کی عنایتوں کو نظر انداز کرنے لگی...... رفتہ رفتہ اسے احساس ہوا کہ رانا
پردیپ نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے...... بیانات اسے ہوتے جارہے تھے اور جج
صاحب کا رویہ شروع ہی سے نرم نظر آرہا تھا۔

سرودھنا کی خوشی کی انتہا نہیں تھی...... پہلی بار وہ اس بونے کو شکست سے دوچار
کر رہی تھی اور اس کی یہ خواہش بالآخر پوری ہو ہی گئی...... جج صاحب نے فیصلہ سنایا اور
رانا پردیپ کو شک کی بنا پر رہا کر دیا گیا۔

کمرہ عدالت سے باہر نکلتے ہوئے رانا پردیپ نے اوم پرکاش جی سے کہا۔

”میں نے آپ سے پہلے ہی منع کیا تھا اوم پرکاش جی کہ میرے مدمقابل نہ
آیئے، اچھی خاصی ساکھ خراب کر لی آپ نے، چلئے کوئی بات نہیں کسی کو جیون ملا آپ
کو دُکھ تو نہ ہوا ہو گا...... میں سمجھتا ہوں میری رہائی کے لئے مس سرودھنا نے جو کچھ کیا
ہے یہ انہی کا کمال ہے اور ہاں اوم پرکاش جی ہماری خوشیوں میں شریک ہونا نہ
بھولئے...... آج رات کو ڈنر ہے ہمارے ہاں...... میں نے پہلے ہی انتظام کر لیا تھا......
میری کوٹھی تو آپ کو معلوم ہی ہے...... میں اور سرودھنا جی آپ کا سواگت کریں
گے...... اب دیکھئے نا انسان کو اپنی ذات پر اتنا ہی اعتماد ہونا چاہیئے، ہم نے سارے
انتظامات پہلے ہی کر لئے تھے...... اگر آپ واقعی فراخدل ہیں تو رات کو ہمارے ساتھ
ڈنر ضرور کیجئے گا...... ہمارا آپ کا کوئی ذاتی جھگڑا تو ہے نہیں...... یہ معاملات تو چلتے ہی
رہیں گے۔

”میں حاضر ہوؤں گا پردیپ جی...... یہ حقیقت ہے کہ میرا اور آپ کا کوئی ذاتی
جھگڑا نہیں ہے“۔

”جس سے جھگڑا تھا وہ اس سنسار سے کبھی کا جا چکا اور ہم نے اس سنسار سے اسے
رخصت کیا، لیکن اب دیکھئے نا جانے والوں کو جانا ہوتا ہے...... ہر شخص تو نہیں جاتا......

آیئے گا، میں آپ کا انتظار کروں گا..... اوم پرکاش خاموش ہو گئے..... وشال نے ان سے کہا"۔

"رات کو آپ ڈنر میں ضرور شریک ہوں"۔

"تم بھی چاہو تو چلو..... ویسے تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں"۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں..... ویسے ظاہر ہے جج کا فیصلہ ہے اور وہ اپنے فیصلوں کا حق دار ہے"۔

وشال رات کو تیار ہو کر آ گیا..... خوب صورت سوٹ میں ملبوس تھا اور اس کے ہاتھوں میں زرد پھولوں کا ایک گلدستہ دبا ہوا تھا..... خوب صورت کوٹھی میں سواگت کرنے والوں میں رانا پردیپ کے ساتھ سرودھنا دیوی بھی تھیں..... وہ اپنی اس پہلی کامیابی کی خوشی میں رانا پردیپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتی تھیں..... وشال نے زرد پھول رانا پردیپ کو پیش کیئے تو وہ ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"زرد پھول..... یہ تو نفرت کا نشان ہوتے ہیں"۔

تو آپ کا کیا خیال ہے رانا صاحب، کیا مسٹر وشال آپ کو محبت کے پھول پیش کریں گے۔

"یہ پھول انہیں نہیں پیش کرنا چاہیئے تھے، لیکن کیا کیا جائے چھوٹا قد چھوٹی باتیں"۔

سرودھنا نے اس سلسلے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا..... وشال نے اس بات کا ذرا بھی برا نہیں مانا..... وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہو گیا، بہت پر تکلف اہتمام کیئے گئے تھے..... وشال نے رانا پردیپ کی کوٹھی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی کوٹھی بے حد خوب صورت ہے رانا صاحب"۔

"ہاں کامیاب لوگ ہر چیز میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں"۔

"ٹھیک کہا آپ نے..... وشال بولا..... رانا پردیپ دوسرے لوگوں میں گم ہو گیا تھا..... سرودھنا بھی اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ تھی..... وشال اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹہلنے کے سے انداز میں کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب چل پڑا..... وہ ایک ایک جگہ کا بغور جائزہ لے رہا تھا اور پھر اس نے ایک ملازم سے کچھ معلومات حاصل کیں..... کوٹھی کی تعریف کرتے ہوئے وہ کوٹھی کا ایک ایک حصہ دیکھ رہا تھا، جونہی نگاہ بچی وہ رانا پردیپ کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا..... دوسرے لمحے وہ دروازہ بند کر کے اندر کا جائزہ لے رہا تھا، پھر اس نے باہر کچھ آہٹیں سنیں اور ایک دم اٹیچ باتھ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا..... آہٹیں دور ہو گئی تھیں لیکن وشال باتھ روم کا بغور جائزہ لے رہا تھا..... باتھ روم میں خوشنما ٹائل لگے ہوئے تھے..... ایک جانب ٹب تھا اور جدید ترین سینٹری فٹنگ نظر آ رہی تھی..... وشال خاص طور سے باتھ روم کی وائرنگ دیکھنے لگا..... سوئچ دروازے کے پاس ہی تھے اور وائرنگ کنسیلیڈ تھی، لیکن تقدیر شاید وشال کی رہنمائی کرنا چاہتی تھی..... زمین سے لگے ہوئے ایک ٹائل کا چھوٹا سا کونہ کسی مضبوط چیز کے لگنے سے ٹوٹ گیا تھا اور اس سے دو سرخ تار جھانک رہے تھے..... وشال پھرتی سے آگے بڑھ کر ان کے قریب بیٹھ گیا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک کامیاب مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر وہاں سے باہر نکل آیا..... اس کا چہرہ سمندر کی طرح پر سکون تھا..... تھوڑی دیر کے بعد وہ دوسروں کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔

رات گزرتی رہی..... ڈنر کے بعد رقص کے چھ راؤنڈ رکھے گئے تھے..... آرکسٹرا موسیقی بکھیر رہا تھا..... تھوڑی دیر کے بعد موسیقی کی دھنیں بدل گئیں اور جوڑے رقص کرنے اٹھ گئے..... رانا پردیپ خاص طور سے سرودھنا کے ساتھ

تھا...... دوسرے راؤنڈ کے بعد سرودھنا اتفاق سے وشال کے قریب سے گزری۔

"مسٹر وشال آپ رقص نہیں کر رہے"۔

"آپ کو فرصت ہی کہاں ہے سرودھنا"۔

"مجھے...... سرودھنا چیختی آواز میں بولی...... وشال جی...... آپ تو میری کمر تک بھی نہیں پہنچیں گے...... لوگ بری طرح ہنسیں گے"۔

"آج نہ سہی سرودھنا جی...... آنے والے وقت کے لئے آپ لوگوں کی ہنسی برداشت کرنا سیکھیں...... یہ ضروری ہے"۔

"اتنا اعتماد ہے آپ کو خود پر؟"۔

"ہاں!" وشال نے جواب دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا ایسا کیسے ہوگا...... سرودھنا نے سنجیدگی سے کہا......

وشال مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا...... سرودھنا نے کہا"۔

"ویسے آج کا دن میرے لئے خوشیوں کا دن ہے"۔

"کیوں سرودھنا جی"۔

"آپ جانتے ہیں وشال جی سرودھنا مسکرا کر بولی"۔

"اوہ...... یہ الفاظ کہہ کر آپ نے مجھے دُکھ پہنچایا ہے...... صورت حال آپ کو معلوم ہے...... رانا پردیپ نے جرم کیا تھا...... فیصلہ غلط ہوا ہے...... اسے کامیابی نہیں کہتے سرودھنا جی...... جب آپ کبھی حقیقی کامیابی حاصل کریں گی تو میں آپ کو خود مبارک باد دوں گا"۔

سرودھنا ہنس کر خاموش ہو گئی تھی۔

رقص کے تیسرے راؤنڈ میں رانا پردیپ سرودھنا کو لے کر چوبی فرش پر چلا گیا...... اوم پرکاش جی بھی دوستوں میں گھرے ہوئے تھے...... چوتھے اور پانچویں راؤنڈ

میں رات آدھی کے قریب ہو گئی...... پانچویں راؤنڈ کے آغاز کے ساتھ ہی وشال اپنی جگہ سے کھسک گیا تھا...... وہ کوٹھی میں داخل ہو گیا...... اس سے قبل وہ پارکنگ میں کھڑی گاڑیوں کے قریب نظر آیا تھا اور اس نے ایک گاڑی کی ڈگی کھول کر دیکھی تھی...... بہر حال اب وہ رانا پردیپ کے باتھ روم میں تھا...... اس نے برق رفتاری سے کام شروع کر دیا...... ٹوٹے ہوئے ٹائل سے اس نے دونوں سرخ وائر ایک کٹر پلاس سے کھینچے اور پھر انہیں درمیان سے تھوڑا سا کاٹ کر نیچے جھکا دیا، اس کے بعد اس نے چیونگم کے چند پیس جنہیں وہ کچھ دیر سے چبا رہا تھا منہ سے نکال کر زمینی نالی کے تین سوراخوں میں نیچے اتار دیا پھر تھوڑا سا پانی کھول کر دیکھا...... پانی نالی کے اوپر رُک گیا تھا...... اس نے بیسن کے نیچے کا نل تھوڑا سا کھول دیا اور پانی دھار کی شکل میں نیچے گرنے لگا...... ٹائل کے دونوں تار نیچے جھکے ہوئے تھے...... اور اب صورت حال یہ تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد باتھ روم میں پانی بھر جانے والا تھا اور اگر پانی تھوڑا سا اونچا ہو جاتا تو کھلا ہوا تار اس میں ڈوب جاتا اور جب کوئی اندر داخل ہو کر اوپر لگی بتی کا سوئچ کھولتا تو کرنٹ پانی میں پھیل جاتا اور پھر...... وشال اطمینان سے باہر نکل آیا...... رقص کا چھٹا راؤنڈ ناچا جا رہا تھا...... وہ ایک گوشے میں خاموش بیٹھ گیا اور اس کے بعد یہ تقریب ختم ہو گئی...... رانا پردیپ نے اپنے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا...... سرودھنا وشال کے پاس آخری بار آئی"۔

"اچھا وشال جی...... بڑی اچھی تقریب رہی...... آ گیا دیکھئے...... اب وہی دن اور وہی راتیں...... وشال نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے...... اوم پرکاش جی بھی باہر نکل آئے اور پھر وشال کو اس کے گھر چھوڑ کر چلے گئے...... کوئی خاص تاثر نہیں دیا تھا انہوں نے اور ایسے ہی اظہار کیا تھا جیسا کرنا چاہئے تھا...... اس قسم کے معاملے تو چلتے ہی رہتے ہیں ان میں کوئی ذاتی اناد نہیں ہوتا...... دوسرے دن معمول کے مطابق

وشال ان کے پاس پہنچ گیا...... کورٹ میں کئی کام تھے چنانچہ اوم پرکاش جی اسے ساتھ لے کر کورٹ چل پڑے...... البتہ راستے میں ان کے درمیان باتیں ہوئی تھیں...... اوم پرکاش جی بولے''۔

''یہ مرحلہ بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے وشال کہ بات سامنے کی ہو اور جانبداری برت لی جائے...... ویسے تو ہر شعبے میں دھاندلی ہوتی ہے، لیکن انصاف کا شعبہ جب اس دھاندلی سے متاثر ہوتا ہے تو دُکھ بڑھ جاتے ہیں''۔

''نہیں اوم جی...... انصاف کا شعبہ دھاندلی سے کبھی متاثر نہیں ہوتا...... آپ ان ججوں کی بات نہ کریں جو کرسی عدالت پر آکر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنا فرض نہیں پورا کرپاتے...... انصاف کا شعبہ تو کسی اور ہی جج کے پاس ہے اور وہ جج بہر طور فیصلے کردیتا ہے''۔

''تم ایک بار پھر مجھے شبہے کا شکار کررہے ہو وشال''۔

''اب یہ آپ کا قصور ہے گروجی...... معاف کیجئے گا...... میں نے ایک سیدھی سادھی بات کی ہے...... اگر آپ بھگوان پر یقین نہیں رکھتے تو دوسری بات ہے...... اوم پرکاش جی کچھ نہیں بولے تھے، لیکن نجانے کیوں ان کا ذہن کچھ اُلجھ سا گیا تھا، پھر اس سمے وہ اپنے کیس کی پیروی کررہے تھے کہ ان کے ساتھ کھڑے ہوئے وکیل نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا''۔

''آپ کو معلوم ہے اوم جی رانا پردیپ مر گیا...... پرکاش کے ہاتھ سے فائل چھوٹ کر نیچے گرتے گرتے بچی تھی''۔

''کک...... کیا؟''۔

''ہاں...... بیچارہ رات ہی کو مر گیا تھا...... صبح کو اس کی لاش بہت بری حالت میں ملی، اس کے غسل خانے میں کرنٹ پھیل گیا تھا اور رات کو جب وہ اپنے غسل خانے

میں گیا تو اس کرنٹ کا شکار ہو گیا...... وکیل صاحب کے پورے بدن نے پسینا چھوڑ دیا تھا، دور ایک گوشے میں وشال سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا، لیکن نجانے کیوں وکیل صاحب کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک گوشے میں بیٹھا ہوا ننھے منے بدن کا آدمی نہیں ہے بلکہ ایک خوفناک شخصیت ہے جسے دیکھ کر بدن پر دہشت سوار ہو جاتی ہے...... غسل خانے میں پھیل جانے والا کرنٹ پتا نہیں کیسے پھیلا تھا...... وشال کے الفاظ آج بھی بے معنی نہیں تھے...... باہر نکلے تو سرودھنا دیوی نظر آئیں...... ان کا چہرہ بھی عجیب سا ہو رہا تھا، خشک اور ستا ہوا...... انہوں نے گہری نگاہوں سے وشال کو دیکھا اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولیں''۔

''اوم پرکاش جی...... رانا پردیپ مر گئے''۔

''ہاں مجھے ابھی ابھی پتہ چلا مگر کیسے''۔

''پولیس تفتیش کررہی ہے کہ ان کے باتھ روم میں بجلی کا ایک تار ننگا ہو گیا تھا...... فرش پر پانی بھر گیا تھا، رات کو جب وہ باتھ روم میں داخل ہوئے اور انہوں نے سوئچ آن کیا تو پانی میں کرنٹ پھیل گیا اور وہ بچ نہ سکے'' اوم پرکاش جی نے دونوں ہاتھوں سے پیشانی مسلی تھی، پھر وہ شانے اچکاتے ہوئے بولے۔

''بھگوان کی مرضی کوئی کیا کرسکتا ہے...... انہیں اپنی آواز بھی کھوکھلی لگ رہی تھی''۔

کلدیپ کا سحر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ کسی طور نہیں ٹوٹ سکتا تھا...... ان پر بہت سی سختیاں ہوگئی تھیں لیکن کسی نہ کسی طرح کام چلارہے تھے...... مائیں کچھ دے دیتی تھیں لیکن یہ کچھ بھی نہ ہوتا...... جو ہوا بندھی تھی وہ ختم ہورہی تھی اور ان دنوں جب تینوں سخت پریشان تھے۔

"کچھ سوچو یار...... اب تو بڑی پریشانی ہوگئی ہے...... شیکھر نے گوپال سے کہا"۔

"کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا...... گوپال ہونٹ سکوڑ کر بولا"۔

"ہمارے ماتا پتا ہمیں بغاوت پر مجبور کر رہے ہیں"۔

"بغاوت سے بھی کیا ملے گا...... وکرم مایوسی سے بولا"۔

"ادھر وہ نارنگ اور جے دیو ہیں...... جیبیں نوٹوں سے بھر کر آتے ہیں...... اس دن دیکھا تھا، اٹھارہ ہزار ہار گئے تھے پورے"۔

"وہ تو کلدیپ جی نے کھیل بند کر دیا تھا ورنہ ہماری عزت دو کوڑی کی ہوگئی تھی...... میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہ رہی تھی"۔

"کوئی حل سوچنا ہوگا"۔

"کیا حل ہو سکتا ہے؟"۔

"ڈاکہ"۔

"کیا"۔

"ہاں ڈاکہ ایک بھرپور ڈاکہ جو ہمیں کافی عرصہ کے لئے اس فکر سے آزاد کر دے، اس کے علاوہ چارہ کار نہیں ہے...... شیکھر نے جواب دیا اور تھوڑی دیر تک سنسنی چھائی رہی...... پھر گوپال بولا"۔

"پستول حاصل کرنا میرا کام ہے؟"۔

"کیسے...... شیکھر اور وکرم بے اختیار بول پڑے"۔

"میں جانتا ہوں کہ پتا جی کا پستول کہاں رکھا ہوتا ہے"۔

"تو پھر آج ہی کلدیپ جی کے ہاں سے واپسی پر یہ پروگرام بنالیتے ہیں، مگر ڈاکہ کہاں ڈالو گے"۔

"کسی بھی عمدہ سے گھر میں...... ڈھاٹوں وغیرہ کا انتظام کر کے چلیں گے"۔

"تم پستول حاصل کر لو"۔

"وہ میں کر لوں گا...... گوپال نے کہا"۔

"ہاں کچھ کریں گے نہیں تو جینا مشکل ہو جائے گا...... سنسار چھوڑا جاسکتا ہے مگر کلدیپ جی ہائے کتنا پریم کرتی ہیں وہ ہم سے"۔

"جان دیتی ہیں ہم پر...... اور سچی بات ہے کہ نارنگ اور جے دیو کو تو وہ ذرا بھی گھاس نہیں ڈالتیں"۔

"اس کا اندازہ بارہا ہو چکا ہے"۔

"بس ٹھیک ہے پروگرام طے...... آج ہم ایک نئے جیون کا آغاز کریں گے"۔

منصوبہ ترتیب دیا گیا...... شام کو تیاریاں شروع ہوگئیں...... گوپال نے شیکھر کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے اطلاع دی میں نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔

"اوکے"۔

حویلی سے کافی دور ایک جگہ تینوں جمع ہو گئے...... شیکھر نے دلچسپی سے کہا...... پستول کہاں ہے۔

"یہ ہے؟"۔

"لاؤ میں رکھ لوں؟"۔

"رہنے دو میرے پاس......ایک گڑبڑ ہو گئی ہے"۔

"کیا؟"۔

"اس میں بس چار راؤنڈز ہیں اور گولیاں نہیں مل سکیں" گوپال نے پریشانی سے کہا......زیادہ کا کرنا بھی کیا ہے......احتیاط سے استعمال کرنا"۔

"ہاں یہ تو ہے" گوپال بولا...... تینوں کلدیپ کے پاس پہنچ گئے...... سروپ پہلے سے موجود تھا......نارنگ اور جے دیو نہیں پہنچے تھے۔

کلدیپ جی نے باری باری تینوں کا بوسہ لیا اور ہنس کر سروپ سے بولیں...... میری مٹھائی آ گئی۔

"جانتے ہو دوستو کلدیپ جی تمہیں کیا کہتی ہیں" سروپ نے کہا۔

"کیا......؟ وکرم نے پوچھا۔

"رس گلے"۔

"ان کے ہیں جو دل چاہے کہیں" وکرم بولا۔

"وہ کالی گلاب جامنیں نہیں آئیں ابھی" شیکھر نے کہا، اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی"۔

"آئیں...... کوشل نے کہا اور ہنس پڑی...... نارنگ اور جے دیو اندر آ گئے تھے...... چونچیں ملنے لگیں اور کام شروع ہو گیا...... رچنا سب کو جام بھر بھر کر دینے لگی...... نوٹوں کی گڈیاں نکل آئیں...... گوپال شیکھر اور وکرم راج گھبرائے گھبرائے

نظر آنے لگے تھے...... آج ان کا کھیل بھی نہ بن سکا تھا...... ذرا سی دیر میں جیبیں خالی ہو گئیں۔

"آج ہم زیادہ نہیں کھیلیں گے...... وکرم نے اداسی سے کہا"۔

"کیوں وکرم راج جی؟" جے دیو بولا۔

"بس یہ تو مرضی کی بات ہے......وکرم بولا"۔

"مرضی کی نہیں، کوئی اور ہی بات ہے...... جے دیو ہنس کر بولا"۔

"کیا ہو سکتی ہے"...... شیکھر غرایا۔

"ذرا جیبیں دکھا دو...... پتہ چل جائے گا......نارنگ بولا"۔

"تم کون ہوتے ہو جیبیں دیکھنے والے...... گوپال نے خونخوار لہجے میں کہا"۔

"کلدیپ جی آپ بھی کیسے ہمارے سامنے بٹھا دیتی ہیں...... آج تو اکٹھے ہم بیس بیس ہزار روپے لائے تھے کہ ذرا ڈٹ کر کھیلیں گے......اب یہ پیسے واپس لے جانے پڑیں گے...... جے دیو نے نوٹوں کی گڈیاں دکھاتے ہوئے کہا"۔

"ارے نہیں نہیں یہ کیا بات ہے......وکرم تم جتنی چاہو رقم لے لو......رچنا جاؤ میری الماری سے پیسے نکال لاؤ...... کلدیپ جی نے کہا"۔

"نہیں کلدیپ جی......اس کی ضرورت نہیں" مگر یہ جے دیو کو ہمارا مذاق اڑانے کا حق کس نے دیا ہے...... شیکھر بولا۔

"تم نے خود...... تم تو بہت بڑے خاندان کے لوگ ہو...... راؤ خاندان جس کے بڑے افسانے مشہور ہیں......نارنگ بولا"۔

"پرانی بات ہے نارنگ...... اب تو راؤ خاندان کے کچھ اور ہی افسانے مشہور ہو رہے ہیں...... جے دیو بولا"۔

"کیا بکواس کر رہا ہے تو...... بنئے کی اولاد...... راؤ خاندان آج بھی تیرے جیسے

دس بنیوں کو خرید سکتا ہے...... گوپال دھاڑا"۔

"ارے ارے...... یہ کیا شروع کر دیا تم نے...... نارنگ جے دیو...... یہ کیا بدتمیزی ہے...... نہیں بھئی میں اس کی اجازت نہیں دے سکتی"۔

کلدیپ نے کہا۔

"یہ مرے ہاتھی اب بھی اتنا ہی اکڑتے ہیں کلدیپ جی...... ان کی کہانی کوئی ہم سے پوچھے...... نارنگ بولا"۔

"ہماری کہانی جاننے والے جیتے نہیں رہتے کتے کے پلے...... گوپال نے طیش کے عالم میں کہا اور پستول نکال لیا"۔

"ارے...... ارے گو...... گوپال...... کلدیپ جی چیخ کر بولیں...... لیکن گوپال گولی چلا چکا تھا...... نشانہ سر کا لیا تھا...... نارنگ اور جے دیو کے سر کے چیتھڑے اڑ گئے...... کلدیپ جی وحشت زدہ ہو کر باہر بھاگ گئیں...... گولیوں کی آوازیں دور دور تک گونجی تھیں...... لوگ گھروں سے نکلنے لگے۔

"آؤ شیکھر...... گوپال نے کہا اور پستول وہیں پھینک دیا...... لیکن جب وہ تینوں نیچے اترے تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے...... پولیس بھی قریب ہی موجود تھی...... پکڑو پکڑو کی آوازیں اُبھریں اور تینوں دوڑ پڑے...... لیکن زیادہ دور نہ دوڑ سکے...... پولیس کے بہت سے جوانوں نے انہیں دبوچ لیا تھا۔

آخر کار راؤ خاندان کا سورج ڈوب گیا...... ان کی ساری ساکھ ختم ہو گئی...... راگھو راج اور گووند راج شدت غم سے دیوانے ہو گئے تھے...... بچے قتل کے الزام میں پکڑے گئے تھے اور شک وشبے کی کوئی بات نہیں رہی تھی کیونکہ انہوں نے اعتراف جرم کر لیا تھا...... پولیس کا موقف تھا کہ ان کے پس پشت کوئی پورا گروہ ہے جو ان کی پشت پناہی کر رہا ہے...... لاشیں اسی گروہ کے افراد نے غائب کر دی ہیں کیونکہ گوپال، وکرم اور شیکھر کچے ذہنوں کے مالک تھے...... اس لئے فوراً ہی انہوں نے اعتراف جرم کر لیا تھا، پھر کلدیپ نے گواہی بھی دی تھی اور بات مکمل ہو گئی تھی...... پولیس نے ان لوگوں کی کافی مرمت کی تھی اور یہ معلوم کرتی رہی تھی کہ ان کے گروہ کے افراد کہاں ہیں اور نارنگ اور جے دیو کی لاشوں کا کیا ہوا...... بہر حال یہ سارا معاملہ اسی انداز میں چل رہا تھا اور راگھو راج اور گووند راج کے پاس اب اتنا بھی نہیں تھا کہ وہ بچوں کیلئے کوئی وکیل ہی کریں...... اس وقت بھی سب سر جوڑے بیٹھے یہی باتیں کر رہے تھے...... گووند راج نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"بھیا کچھ بھی کہو سچی بات تو یہ ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی، کسی کے ساتھ ظلم کرو گے بھگوان اس ظلم کی سزا ضرور دے گا...... ارے ہم نے بھی تو وشال اور کنول کے ساتھ کیا نہیں کیا...... سیانے یہی تو کہتے ہیں کہ کسی کی ہائے کبھی نہ لو۔"

"تمہیں اس کی پڑی ہے، ارے میں کہتی ہوں کہ کچھ کرو...... ہمارا تو چراغ ہی بجھا دیا جارہا ہے۔"

"کہانا بھاڑ میں جانے دو موت کی سزا پا جائیں گے...... سر سے جھگڑا ختم ہو جائے گا، سارے کرم تو کر لئے انہوں نے اب باقی کیا رہ گیا ہے...... عورتیں بلک بلک کر رو پڑی تھیں...... ایسے موقع پر راگھو راؤ نے کہا۔

"بس ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے۔"

"کیا......"

"ہو سکتا ہے اوم پرکاش ہماری کچھ مدد کر سکیں، حالانکہ سچی بات ہے کہ سنسار میں اس وقت کوئی بھی بنالئے دیئے کسی کے لئے کچھ نہیں کرتا، پھر منت سماجت کر کے دیکھ لیتے ہیں، ان کی ہم نے ان کی کون سی عزت کی ہے...... وشال کو اوم پرکاش جی کے پاس دیکھ کر راگھو راؤ اور گووند راؤ کو حیرت ہوئی تھی، دونوں ہی منہ پھاڑ کر رہ گئے تھے...... وشال نے ان سے لاپرواہی اختیار کر لی تھی، لیکن بہر حال اب ان دونوں کے تیورے بدلے ہوئے تھے...... اوم پرکاش کے پاؤں پکڑ لئے تھے انہوں نے اور اوم پرکاش گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"ارے...... ارے یہ کیا کر رہے ہیں آپ بھگوان کا واسطہ ہے آپ کو اٹھئے تو سہی میں نے آپ کا نمک کھایا ہے آپ یہ مجھے۔"

"ہمارے بچوں کو بچالیجئے اوم پرکاش جی ہم آپ کو کچھ نہیں دے سکیں گے اور راؤ خاندان سے آپ کا رشتہ رہا ہے...... بچالیجئے ہمارے بچوں کو بچالیجئے...... آپ کی مہربانی ہو گی...... اوم پرکاش جی کچھ بھی نہیں ہے ہمارے پاس آپ کو دینے کے لئے...... دونوں زاروقطار رونے لگے...... وشال سادہ سی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔"

"میں نے سنا تو تھا کہ بچوں نے قتل کر ڈالے ہیں پر آپ لوگ تو ہم سے ایسے رشتہ توڑ چکے ہیں جیسے؟"

"کوئی بات نہ کریں اوم پرکاش جی کوئی بات نہ کہیں...... بس ہماری مدد کر دیں، اس وقت ہمارے پاس اب اور کوئی ذریعہ نہیں ہے، کوئی بھی ذریعہ نہیں ہے۔"

"نارنگ اور جے دیو کی طرف سے وکیل کر لیا گیا۔"

"ہاں ایک وکیل صاحبہ ہیں سرودھنا مکرجی وہ دونوں مقتولوں کی طرف سے پیش ہوئی ہیں سنا ہے بہت بڑی وکیل ہیں۔"

"ایسا کرتا ہوں گووند راؤ جی کہ آپ کو شام کو بتاؤں گا جو بھی تفصیل ہو گی...... دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے چلے گئے تھے تو اوم پرکاش نے وشال کی طرف دیکھا تھا اور وشال مسکرادیا تھا"۔

"گرور کھشنا...... جانتے ہو کیا چیز ہوتی ہے۔"

"جیون حاضر ہے گروہ جی حکم دیجئے۔"

"سب کچھ بھول جاؤ اور اس وقت سرودھنا کے مقابلے پر ڈٹ جاؤ میں بھی تو دیکھوں کہ تم کیا جادو چلاتے ہو۔"

"تو پھر ان لوگوں کے وکالت نامے کا کاغذ بھر دیجئے۔" وشال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عدالت میں پیشی کے وقت جب گوپال، وکرم اور شیکھر کے وکیل کی حیثیت سے اوم پرکاش جی نے وکالت نامہ بھرا تو وشال بھی ان کے اسسٹنٹ کی حیثیت سے ان کے فائل اٹھائے ہوئے ساتھ ہی موجود تھا...... سرودھنا جی چڑ گئی وکالت نامے کے فارم کی تکمیل ہو گئی تو بار روم میں سرودھنا نے اوم پرکاش جی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”گرو کہتی ہوں آپ کو گرو مانتی ہوں، مگر ایک بات جانتی ہوں کہ میرا دشمن آپ کی گود میں بیٹھا ہوا ہے...... میں نہیں جانتی کہ وشال راج جی کو میرا مستقبل تاریک کرنے سے کیا دلچسپی ہے، لیکن اس کیس میں آپ کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی...... گرو جی دو ہی باتیں ہیں یا تو...... میں یہ دیس چھوڑ دوں یا یہ کیس جیت لوں...... مگر ٹھیک ہے میں اپنا دیس کیوں چھوڑوں ایسی بات کیوں کروں سامنے کا کیس ہے نارنگ اور جے دیو قتل ہو چکے ہیں...... اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ بعد میں ان کی موت ہو جائے...... چلئے ٹھیک ہے وشال جی نے ایک شرط لگائی تھی نہ مجھ سے کہ میں ان سے شادی کر لوں وشال جی براہ راست آپ سے مخاطب ہو رہی ہوں...... یہ کیس جیت کر دکھا دیجئے آپ سے شادی کر لوں گی۔“ وشال کے ہونٹوں پر ایک مدھم سے مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور جیسے ہی اسے موقع ملا تھا اس نے جھک کر سرودھنا کے کان میں کہا تھا۔

”بات کسی انتقام کی نہیں ہے سرودھنا جی جس سے شادی کی جاتی ہے اس سے

محبت بھی کی جاتی ہے...... اصل میں دقت یہ ہے کہ میں آپ سے پریم کرنے لگا ہوں...... اب آپ میرے قد و قامت کی بات کریں...... یہ آپ کی بھول ہے جہاں من چاہے وہاں اپنی پسند کے ڈاکٹر سے میرا تجزیہ کرالیں...... سینے میں دل بھی ہوگا...... دل میں احساس بھی ہوگا اور احساس جس دل میں ہوگا اس میں پریم ضرور ہوتا ہے سمجھ رہی ہیں نہ آپ قد و قامت چھوٹا ہے تو کیا ہوا پریم کچا نہیں ہے...... یہ کیس تو مجھے جیتنا ہی ہے کیونکہ آپ نے بات ہی ایسی کر دی ہے...... سرودھنا مکر جی دانت پیس کر رہ گئی تھی...... بہر حال اس کے بعد وہ پاؤں پٹکتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی، لیکن اس کے چہرے پر تشویش کے آثار ضرور تھے، البتہ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اس بار وشال کون سا ایسا کارنامہ سرانجام دے گا مرنے والوں کو زندہ تو کر نہیں سکتا...... یہ ہو سکتا ہے کہ اپنی کسی چال بازی سے وہ ان لوگوں کی سزائیں کم کرالے لیکن انہیں بچا نہیں سکتا اور سرودھنا نے اس کے لئے پوری طرح کام شروع کر دیا...... ادھر اوم پرکاش نے بعد میں وشال سے کہا۔

”وشال کیا کہتے ہو اس بارے میں کم از کم اس بار تو گرو کو بھی اس معاملے میں شریک کر لو۔“

”کرلوں گا گرو جی لیکن ابھی نہیں جلدی نہ کریں کبھی کبھی بات وقت سے پہلے سامنے آجائے تو پھر انسان اپنے آپ میں بھٹک جاتا ہے...... آپ بھول گئے آج ہمیں اپنے ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے۔“

”رتن راج کو کبھی بھول سکتا ہوں میں۔“ اوم پرکاش نے کہا تھا۔

❁

کنول دھن کی پکی تھی منورما اور کرن وتی نے اس کے ساتھ کیا کچھ نہیں کر لیا تھا، لیکن بس پرانی حویلی کے ایک گوشے میں زندگی گزار رہی تھی...... ماں بیٹے خوش

رہنا سیکھ چکے تھے اور جب کوئی خوش رہنا سیکھ جاتا ہے تو دنیا کے غم اسے شکست نہیں دے سکتے، وشال اس وقت بھی مسکراتا ہوا کنول کے سامنے پہنچا تھا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا تھا۔

"جے ماتا۔"

"چہرے پر شرارت برس رہی ہے، آنکھوں میں شوخی ہے کوئی نئی ہی لے کر آیا ہوگا...... کنول نے محبت بھری نگاہوں سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا۔"

"بیٹا جب ماں کے بارے میں کوئی اچھی بات سوچتا ہے ماتا جی کو خوشی تو ہوتی ہی ہے۔"

'سو تو ہے مگر تو نے میرے بارے میں کیا اچھی بات سوچی ہے، اس وقت"

"سوچ رہا ہوں ماتا جی آپ کے لئے کسی پتی کا انتظام کر دوں...... وشال نے کہا اور کنول کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔"

"کیا بک رہا ہے تو۔"

"سچ ہی تو کہہ رہا ہوں ماتا جی...... پتا جی نے سارا جیون غیروں کے ساتھ گزارہ...... کبھی سلکھشنا، کبھی کوئی اور کبھی کوئی، لیکن آپ نے ان کے نام پر جیون بتا دیا میں چاہتا ہوں کہ اب آپ کا بھی بندوبست کر دوں ایک اچھا سا پتی۔"

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے آج نشہ کر کے آیا ہے۔"

"ماتا جی آخری فیصلہ کر کے آیا ہوں میں آج کہ اپنی ماں کے لئے ایک پتی کا بندوبست کر دوں چلو تیار ہو جاؤ لڑکا دیکھ لو کیسا ہے۔"

"میں کوئی چیز اٹھا کر مار دوں گی تیرے سر پر۔"

"شوق پورا کرو اور اس کے بعد میرے ساتھ چلو...... وشال ایسا ہی دھن کا پکا تھا، کنول حیرت سے پاگل ہوئی جا رہی تھی لیکن بہرحال اسے وشال کے ساتھ جانا ہی

پڑا...... ایک بہت ہی شاندار علاقے میں شاندار عمارت جس کا نام راج محل تھا وہاں پہنچنے کے بعد وشال کنول کو اندر لے گیا...... عمارت کی شان و شوکت دیکھ کر کنول کی آنکھیں حیرت سے پھٹی جا رہی تھیں، لیکن عمارت کے شاندار اور وسیع کمرے میں جب اس نے رتن راج کو دیکھا تو شدت حیرت سے دنگ رہ گئی، وشال نے مسکراتے ہوئے ماں کو آنکھ ماری اور بولا۔

"لڑکا کیسا ہے ماتا جی چلے گا کنول دوڑ کر رتن راج کے قدموں سے لپٹ گئی تھی۔"

"آپ...... آپ...... آپ۔"

"حیران تو ہو رہی ہوگی کنول لیکن میرے بیٹے نے میری سزائیں کم کرا دی...... یہ وکیل بن گیا ہے، تمہیں معلوم ہے۔" کنول بیچاری کو دنیا کے بارے میں معلوم ہی کتنا تھا، بہرحال رتن راج بے حد خوش تھا...... کنول بھی کافی دیر تک اس کے ساتھ رہی تھی...... وشال نے ان سے کہا۔

"بہت بڑے بڑے لوگ تھے آپ کے پریوار کے بڑے بڑے نام ہیں ان کے چوڑے چوڑے سینے گووند راؤ، راگھو راؤ لیکن سب کے وجود سکڑے ہوئے ہیں اور آپ پتا جی آپ کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے...... سارے شہر میں راج دھنش کو کوئی نہیں جانتا، میں نے اس نام سے، کاروبار کی دنیا میں ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے...... راج دھنش آپ ہیں اور راج متی رانی میری ماتا جی یہ تحفہ ہے میری طرف سے آپ کے لئے لیکن ابھی نہیں ایک وقت آئے گا جب راج دھنش اور راج متی رانی شہر کے سارے بزنس مینوں کو اکٹھا کریں گی اور پھر رتن راج مہاراج بتائیں گے کہ راج دھنش کون ہے اور راج متی رانی کون ہے...... چھوٹے قد کے بونے جس کا ہمیشہ مذاق اڑایا گیا، کی طرف سے ماتا جی اور پتا جی آپ کے لئے یہ ایک تحفہ ہے...... ماں باپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے...... آخر کار عدالت میں پیشیاں ہوئیں...... ہر پیشی پر اوم پرکاش اور وشال

غائب ہو جایا کرتے تھے...... بہر حال آخری پیشی ہوئی تو اوم پرکاش جی نے سرو دھنا مکر جی سے کہا۔

"وکیل صاحبہ پولیس کے بارے میں بڑے بڑے لطیفے مشہور ہیں جس سے جو چاہتی ہے کہلوا لیتی ہے، چنانچہ آپ بھی بلاوجہ پریشان ہو گئیں اور ایک ایسے کیس پر لڑنے لگیں جو سرے سے کیس تھا ہی نہیں، جناب والا یہ کیس ایک ایسے مفروضہ قتل کا ہے جس میں درحقیقت مقتول قتل ہی نہیں ہوئے ہیں، بلکہ انہوں نے ایک سازش کی اور اس سازش کے تحت غائب ہو گئے تاکہ راؤ خاندان کو تباہ و برباد کر دیں...... لاشیں غائب ہو گئی تھیں...... یہ سارا کھیل ایک ڈرامہ تھا اور اس ڈرامے کے بارے میں علم ہونے سے ہمیں یہ پتا چل گیا کہ اصل معاملہ کیا ہے، اس دوران جو ہم عدالت میں پیش نہیں ہوئے تو ہم یہ کوشش کر رہے تھے کہ ہم مقتولوں کو تلاش کر لیں اور آخر کار ہم نے انہیں تلاش کر لیا...... نارنگ اور جے دیو ہمارے آدمیوں کے قبضے میں ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد عدالت میں ان دونوں کو پیش کر دیا گیا، انہیں یہاں لانے والا سروپ تھا......

عدالت اور عدالت میں موجود تمام افراد فرط حیرت سے گنگ رہ گئے تھے...... سرو دھنا مکر جی دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئی تھیں...... بہر حال ظاہر ہے جب قتل ہی نہیں ہوا تو کیسا مقدمہ کیسی سزا، تینوں لڑکے بری کر دیئے گئے اور راگھو راؤ اور گووند راؤ اوم پرکاش جی کے قدموں میں جا پڑے...... بڑی عجیب و غریب کیفیت تھی...... خود اوم پرکاش جی صرف وشال کے کہنے پر عمل کر رہے تھے، بعد میں انہوں نے کہا۔

"بھائی اب گرو رکھشنا تو مانگ نہیں سکتا تم سے البتہ بھیک ضرور مانگ سکتا ہوں تاکہ میری کھوپڑی بھی اپنی جگہ رہ جائے۔"

"نارنگ اور جے دیو کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں"

"سارا کھیل سروپ کا تھا...... سروپ میرا ایجنٹ ہے اور میرے اشارے پر بہت سے کام کرتا رہا ہے...... بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ نارنگ اور جے دیو اس کے قبضے میں تھے، وہ بڑا بااثر آدمی ہے۔" پھر اس کے بعد بہت سے دلچسپ ہنگامے ہوئے یہاں تک کہ سرو دھنا مکر جی ایک دن اوم پرکاش جی کے پاس پہنچی اور اس نے کہا۔

"میں وشال سے شادی کرنا چاہتی ہوں...... وعدہ بھی پورا کرنا چاہتی ہوں اور سرو دھنا کا چہرہ شرم سے جھک گیا اور اوم پرکاش مسکرا دیئے...... شادی کی خوشی میں بھی تقریب منعقد کی گئی تھی، وہ راج محل میں ہوئی تھی اور راج محل اب کھلم کھلا راج دھنش اور راج مَتی کے نام سے منسوب تھا اور پہلی بار جب رتن راج اور کنول، راج دھنش اور راج متی کی حیثیت سے سامنے آئے تو بہت سے لوگوں پر حیرتوں کے دورے پڑ گئے کوئی بات جو سمجھ میں آتی لیکن بہر حال کبھی کبھی حقیقتیں اس طرح بھی نمایاں ہوتی ہیں...... یہ سلسلہ جاری تھا، جاری ہے اور نجانے کب تک جاری رہے گا...... ویسے بعض کہانیاں بڑی دلچسپ ہوتی ہیں، مثلاً یہ کہ اگر اب راج محل میں جا کر دیکھا جائے تو رتن راج اور کنول بوڑھے ہو چکے ہیں...... وشال کی کن پٹیاں بھی سفید ہو گئی ہیں...... اس کے سات بچے ہیں...... ایک لڑکی جو جوان ہو چکی ہے اور جس کا قد چھ فٹ ایک انچ ہے اور چھ بیٹے جن میں سے سب سے چھوٹے کا قد صرف دو فٹ ہے اور سب سے بڑے کا ساڑھے تین فٹ، لیکن وشال بڑے فخر سے کہتا ہے کہ اس نے اپنے بعد دنیا کو چھ بڑے آدمی دیئے ہیں اور یہ چھ بڑے آدمی اس سنسار کے لئے جس قدر کارآمد ہوں گے یہ بات ابھی سنسار نہیں جانتا، صرف وہ جانتا ہے...... سرو دھنا مکر جی بھی وشال کی اس بات کی تائید کرتی ہے۔

آہن

ناموں کے کچھ معنی ہوتے ہیں۔ اور بزرگوں کا خیال ہے کہ ناموں کے اثرات شخصیت پر بھی مرتب ہوتے ہیں اسی طرح غازی کے معنی ہوتے ہیں غازی قابل احترام لفظ ہے۔ لوگ خیال نہیں کرتے محبت اور جذبات میں آ کر بعض اوقات ایسے نام رکھ دیتے ہیں اپنے بچوں کے ساری زندگی مذاق بن جاتی ہے۔

بات غازی کی ہو رہی تھی۔ اصل میں میرے والد صاحب کا نام جمال الدین غازی ہے زور غازی پر ہے اور سارے شناسا انہیں غازی صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ یہ قصہ یوں ہے کہ شاید پردادا یا ان سے پہلے والے کسی دادا نے جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا اور بڑے کارہائے نمایاں دکھائے تھے۔ غازی کا خطاب ملا۔ ان کا قصور تھا یا نہیں لیکن جناب اس دن کے بعد سے اس گھرانے میں غازی پیدا ہونے لگے اور آج تک پیدا ہو رہے ہیں۔ میرے والد جمال الدین غازی ہیں اور بڑے بھائی کمال الدین غازی ہیں چھوٹے جلال الدین غازی ہیں اور مستقبل کے انشاء اللہ بہت سے غازی محفوظ ہیں۔

چلیں اسے بھی چھوڑیں۔ بس میں نے اپنا نام بتایا تو آپ مجھے شائل کہہ کر مخاطب کریں۔ جمال الدین غازی صاحب کے بارے میں بتاؤں۔ خاندانی رئیس، خاندانی تعلیم یافتہ، خاندانی مرد، یعنی وہ جواں مرد جو ملکوں، شہروں اداروں پر حکومت

کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں اپنے گھروں پر مکمل حکمران ہوتے ہیں۔ گھروں پر مردوں کی حکومت اچھی ہوتی ہے بشرطیکہ وہ عادلانہ ہو۔ دوسروں کے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے خیال رکھتے ہوئے مگر ایسا نہیں تھا یہاں درجے متعین تھے مرد صرف جواں مرد ہوتے ہیں اور عورتوں پر مردنی چھائی رہتی ہے۔ وہ کوئی بھی رشتہ رکھتی ہوں صرف عورت ہوں محکوم اور رعایا۔ شاید ہوش سنبھالنے کے بعد مجھے اپنے ماحول سے یہ پہلا اختلاف ہوا تھا۔

ہندوستان کے کسی حصے سے پاکستان آئے تھے بہت کچھ ساتھ لانے میں کامیاب ہو گئے تھے بہت کچھ کلیم میں حاصل کیا تھا۔ سیالکوٹ میں آ کر آباد ہوئے تھے اسی کے اطراف میں بے شمار زمینیں حاصل کی تھیں بنیادی طور پر چونکہ زمیندار تھے اس لیے اسی سے شغف رکھتے تھے باغات لگائے تھے کھیت لگائے تھے اور علامہ اقبال کے خواب کو حقیقت بنانے کا عزم رکھتے تھے۔ قیام کے لیے سیالکوٹ کا انتخاب بھی شاعر مشرق سے بے پناہ عقیدت کا نتیجہ تھا۔ سیالکوٹ کو ان کے نام کی مناسبت سے مقدس جانتے تھے۔ گھر کے ہر فرد پر لازم تھا کہ علامہ کے پورے کلام کو ازبر کر لے۔ بانگ درا اور بال جبریل کے نسخے خوبصورت تحریروں میں کتابت کرا کے پوری حویلی میں سجائے گئے تھے۔ سب کچھ ٹھیک تھا سوائے ان کی ڈکٹیٹر شپ کے جو کہہ دیا پتھر کی لکیر، بلکہ لکیریں گھس گھسا کر صاف بھی کی جا سکتی ہیں ان کا ''کہا'' گھسنے کے لیے کوئی شے ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ ہم تین بہنیں ہیں اور دو بھائی۔ والدہ صاحبہ کی حیثیت ہمیشہ وزیر بے قلمدان کی رہی کیونکہ اس گھر میں قلم کسی عورت کے ہاتھ میں نہیں دیا جا سکتا تھا۔ لیکن وہ حیات کے اس طویل سفر میں ان کے مزاج کا ساتھ دینے کی عادی ہو گئی تھیں۔ چنانچہ انہیں والد صاحب کے وجود کا ایک حصہ کہا جا سکتا ہے۔

اب ذکر کچھ کمال الدین اور جلال الدین کا کہ دونوں نیک مزاج اور شریف

الطبع نوجوان تھے۔ فطرتاً منکسر المزاج اور انسان دوست لیکن جب والد صاحب قبلہ کے حضور ہوتے تو کیفیت بدل جاتی تھی۔ سینہ تن جاتا آنکھیں چڑھ جاتیں۔ تیوریوں پر بل پڑ جاتے تاکہ بشرے سے جواں مردی کا احساس ہو۔ اس وقت تک شادی نہیں ہوئی تھی کیونکہ اسی سلسلے میں والد صاحب کے نظریات کچھ اور تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک نوجوانوں کی ریڑھ کی ہڈی فولاد نہ ہو جائے انہیں شادی نہیں کرنی چاہیے۔ دونوں خوب ورزش کرتے تھے۔

مجھ سے بڑی دو بہنیں تھیں جن کا ذکر اخلاقاً کیے دیتی ہوں کیونکہ اس کے بعد اپنی کہانی بھی سنانی ہے۔ بیٹیوں کی اسی گھر میں یہی حیثیت تھی۔ بڑی بہن پیدا ہو ہی گئیں تو ان کا نام توحید رکھ دیا گیا۔ کیوں رکھا گیا یہ اللہ جانے پھر جب ان کی بہن پیدا ہوئیں تو والد صاحب کے ذہن میں لفظ عرفانہ ہونے سے کون روک سکتا تھا۔ میری خوش قسمتی کہ جب میں پیدا ہوئی تو ماموں احتشام الدین آئے ہوئے تھے اور جب ماموں احتشام الدین آ جاتے تو والد صاحب کے حقوق محدود ہو جاتے تھے چنانچہ ماموں نے مجھے حور شمائل کہہ کر پکارا اور یوں مجھے شمائل کا نام مل گیا۔

ماموں احتشام کا تفصیلی تذکرہ اس لیے ضروری ہے کہ وہ اس داستان کے مہمان اداکار ہیں اور اس میں کئی بار ان کی انٹری ہے اس لیے تعارف ضروری ہو گیا ہے۔ ہمارے خاندان ہی سے تھے اور یہ راز سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا آیا ہے کہ وہ والد صاحب سے دس سال بڑے تھے۔ جس اسکول میں والد صاحب کا داخلہ ہوا وہ بستی سے دور تھا اور والد صاحب کی کل ذمہ داری ماموں صاحب کو سونپی گئی تھی گو یہ ذمہ داری صرف اسکول لانے سے جانے کی تھی مگر ماموں صاحب نے دوسرے امور بھی سنبھال لیے۔ چھوٹے اسکولوں کے اساتذہ بڑے لوگوں کے بچوں کی شرارتوں کا پورا حساب رکھتے تھے اور جب اسکول سے واپسی ہوتی تھی تو راستے میں سارے حساب چکائے

جاتے تھے ماموں صاحب غازی صاحب کی راستے بھر پٹائی کرتے تھے اور آخر میں تاکید ہوتی کہ خبردار باہر کی باتیں گھر میں نہ کی جائیں ورنہ اس کی سزا الگ ہوگی۔ وہیں سے والد صاحب ان کے رعب میں تھے اور ہمیشہ رعب میں رہے۔ اب کون رہ گیا؟

ہاں امتیاز علی صاحب میرے بہنوئی نمبر ایک یعنی توحید آپا کے شوہر۔ ایک موٹر مکینک، شکل وصورت سے ''چودہ نمبر کے پانے'' لگتے تھے کچھ رعایت کی جائے تو تھوڑا کہہ دیں۔ انہیں دیکھ کر بس اس کے سوا کچھ ذہن میں نہیں آتا زمیندار صاحب سے ان کی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب زمیندار صاحب کہیں سے اپنی موٹر میں سیالکوٹ واپس آرہے تھے بارش ہو رہی تھی سڑکیں پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں موٹر خراب ہوگئی تھی اور زمیندار صاحب بادل کا رنگ دیکھ کر دہشت زدہ ہو رہے تھے ایسے میں وہ مرد ایک جیپ پر نمودار ہوا جو کہ پانی کے گھوڑے پر سوار تھی۔ رکا ڈرائیور کو گالیاں کھاتے دیکھ کر مسکرایا۔ موٹر کا بونٹ اٹھایا کچھ دعا پڑھی پھونکی اور موٹر بھلی چنگی ہوگئی اس کی یہ ادا غازی صاحب کو ایسی بھائی کہ اس پر فدا ہو گئے۔ بعد میں کچھ علاقائی یگانگت بھی نکل آئی۔ منڈا شیر لہور دا رہنے والا تھا۔ غازی صاحب کی الفت رنگ لائی۔ اس نے تین چھوٹوں کے ساتھ ایک آٹو شاپ کھول رکھی تھی جو والد صاحب کی سرپرستی سے آٹو ورکشاپ بن گئی اسے لاہور سے شفٹ کر کے سیالکوٹ لے آیا گیا اور وہاں اس کی ناز برداریاں شروع ہوگئیں اور پھر قبلہ غازی صاحب نے اہل خانہ کو نوید دی۔

''توحید کے لیے میں نے لڑکا منتخب کر لیا ہے''

بات تو خوشی کی تھی لیکن غازی صاحب سے خوف تھا۔ لڑکا دکھاوے کے لیے آیا تو یہ خوف حقیقت ثابت ہوا غازی صاحب نے اصل بات چھپائی بھی نہیں تھی۔ سب کچھ خود ہی بتا دیا تھا اہل خانہ سناٹے میں آ گئے۔ توحید آپا پہلی بار سسکی تھیں اماں بھی سسک پڑیں غازی صاحب کے دربار میں فریاد کی تو وہ غرائے......

''کوہ قاف سے شہزادہ منگوائیں گی آپ اس کے لیے۔ مرد ہے لمبا تڑنگا ہے مضبوط ہے''......

''مگر خاندان......؟

''مارہرے کے مولوی جمیل الرحمٰن یاد ہیں۔ ان کے منجھلے لڑکے کو صوفی غلام شاہ کی بیٹی بیاہی تھی''......

''اچھی طرح یاد ہیں''......

''ان کے سالے کے تایا زاد بھائی کا بیٹا ہے''......

''اے ہے لگتا تو لاہوری ہے''......

''لاہور میں پلا بڑھا ہے کیا ٹورنٹو کا لگے گا'' غازی صاحب پتھریلے لہجے میں بولے......

''ماں باپ کہاں ہیں۔؟''

''مر چکے ہیں تنہا ہے''......

''سوچیے تو سہی۔ ہمارا جوڑ کسی طرح نہیں۔ آپ کی کیا عزت، کیا مقام اور وہ، لوگ کیا کہیں گے۔ سو باتیں بنائی جائیں گی''

''لوگ کیا کہیں گے جانتی ہو۔ وہ صرف یہ کہیں گے کہ غازی صاحب دیندار آدمی ہیں۔ امیر غریب میں تفریق نہیں کرتے۔ انسان کو انسان اور ہر مسلمان کو دینی بھائی سمجھتے ہیں اور یہ سچ بھی ہے رہی اس کی حیثیت تو لاہور جا کر دیکھو۔ اس کی ورکشاپ میں کم از کم سو گاڑیاں بیک وقت مرمت ہوتی ہیں پچیس تیس ہزار روپے روزانہ کی آمدنی ہے۔ بیس مستری اور کوئی تیس ہیلپر کام کرتے ہیں۔ سیالکوٹ میں وہ گاڑیوں کا شوروم کھول رہا ہے۔ ہم اسے جہیز میں کوٹھی دیں گے اور کیا چاہیے''

''مگر'' والدہ صاحبہ رندھے لہجے میں بولیں۔

"کچھ زیادہ زبان نہیں چل رہی تمہاری" غازی صاحب نے انہیں گھورتے ہوئے کہا اور والدہ صاحبہ کی زبان بند ہوگئی۔ البتہ توحید آپا کی الماری سے عرفان نے ایک بار پسی ہوئی چوڑیاں اور دوسری بار ڈی ڈی ٹی کی بوتل برآمد کی تھی۔ پھر اس وقت تک انہیں نگاہ میں رکھا گیا جب تک ان کا نکاح نہ ہوگیا۔ مکینک نے شاید ان کی ٹیوننگ کر دی تھی کیونکہ وہ بلا روک چل رہی تھیں۔

پھر بے چاری عرفانہ کا حادثہ ہوا اور وہ اس سے بھی برا تھا۔ ماہ رمضان میں تراویح پڑھانے کے لیے مولوی ملتان سے امپورٹ کیا گیا۔ اس کی قرأت غازی صاحب کو اس قدر پسند آئی کہ غازی صاحب نے اسے دوسرا داماد بنا لیا اور وہ اپنے والدین کے ساتھ عرفانہ کے منیجر کی حیثیت سے سیالکوٹ مکانی بن گیا واقعات تو اس سلسلے میں بھی ہوئے تھے مگر چھوڑیئے جلد از جلد خود تک آنا چاہتی ہوں۔ عرفانہ کے بعد نجانے کس طرح کمال الدین غازی نے والد صاحب کو اپنی ریڑھ کی ہڈی کی طرف سے اطمینان دلا دیا یا ہوسکتا ہے یہ چوہدری الٰہی بخش کا عرفان ہو کہ کمال الدین غازی بھی "شیدہ" سے شادی شدہ ہو گئے۔ صدف بھابھی چوہدری صاحب کی "زادی" تھیں۔ اچھی تھیں اور اچھی ہیں۔ سب کو پسند آئی تھیں میرے بھی تعارف کا ابتدائی مرحلہ طے ہو چکا ہے۔

میرا نام شمائل ہے۔ میٹرک پاس کیا تھا۔ لاہور جا کر پڑھنا چاہتی تھی۔ حیرت انگیز طور سے غازی صاحب کی لاڈلی تھی پتہ نہیں انہوں نے کیوں مجھے بیٹی سمجھ لیا تھا۔ مجھ سے باتیں بھی کرتے تھے اور باتیں کرتے ہوئے مسکراتے بھی تھے۔ انہیں کبھی کبھی ہی مسکراتے دیکھا جاتا تھا اور مسکراتے ہوئے وہ بہت عجیب لگتے تھے اور جب وہ مسکراتے تو ان کا سارا رعب ختم ہو جاتا تھا۔ لاڈلی تھی لاڈ بھی کرتی تھی اور شرارتیں بھی، اندر سے سرکشی ہمیشہ سے تھی اس کے مظاہرے بھی ہوتے رہتے تھے مگر والد صاحب کے

علم میں نہیں آتے تھے۔ غالباً وہ پہلا موقع تھا جو ان کے علم میں آیا۔ راؤ اللہ داد کی زمینیں ہماری زمینوں سے ملی ہوئی تھیں۔ زمینداروں میں تنازعے چلتے رہتے ہیں پانی کے مسئلے پر راؤ صاحب سے جھگڑا ہوگیا۔ راؤ صاحب ہمارے گھر آئے۔ ان کے اور غازی صاحب کے درمیان ہونے والے کچھ مکالمے
میرے علم میں آ گئے۔ راؤ صاحب نے کہا۔

"ہوش کی دوا کریں غازی صاحب آپ کے کھیت تیار ہیں"

"تو پھر؟" والد صاحب بولے......

"آگ بھی لگ سکتی ہے ان میں"......

"آپ لگائیں گے آگ؟"

"ہاں، ہم لگائیں گے"......

"کھیت تو آپ کے بھی پک چکے ہیں راؤ صاحب، یہ کام ہم بھی کر سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو تباہ کرنا اچھی بات نہیں سمجھتا میں"......

"یہاں آپ اللہ والے بن گئے، دوسروں کا حق"

مگر میں نے صرف اتنا ہی سنا تھا۔ راؤ صاحب ہمارے کھیت جلائیں گے۔ ہمارے کھیت اور خود ان کے کھیت بچ جائیں گے۔ میں ان کھیتوں کا راستہ جانتی تھی۔ راؤ صاحب کے کھیتوں کا پتہ تھا مجھے مٹی کے تیل کا ڈبہ تلاش کرنا مشکل نہیں ہوا اور حویلی سے نکلنا بھی راستہ بڑی احتیاط سے طے کیا تھا میں نے، موقعہ بھی خوب مل گیا۔ ہاری نجانے کہاں غائب تھے۔ خوب اندر جا کر تیل چھڑکا تھا میں نے اور خود دور آ کر ماچس جلا کر پھینکی تھی۔ پکے ہوئے گندم کے کھیت نے آگ بھی...... جیسی تیزی سے پکڑی تھی مگر میں اس سے زیادہ تیزی سے باہر نکل آئی تھی، مردود یادوں نے نجانے کیسے مجھے حویلی سے تیل کا ڈبہ لے کر نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور جب ببول کے درخت کی طرح

ادھر ادھر گردن گھما رہا تھا، کم بخت نے مجھے باہر نکلتے دیکھ لیا، لپک کر میرے پاس آ گیا......

''یہ کیا کیا آپ نے بالی جی......؟''

''ڈبہ پکڑ،'' میں نے کرخت لہجے میں کہا اور تیل کا ڈبہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔''تو نے راؤ صاحب کے کھیتوں میں آگ لگا دی۔ کیوں؟'' آخر کیوں؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا......

''ایں۔ میں نے......'' وہ منہ پھاڑ کر بولا......

''میں نے خود دیکھا ہے میں گواہی دوں گی''، میں نے اسی سکون سے کہا......

''بب بالی جی۔مم۔ میں۔ میں''......

''تو نے آگ نہیں لگائی؟''

''ارے بالی بیٹا، خدا کے لیے مجھے کیوں مروا رہی ہیں'' میں تو، میں تو''

''پھر میرے پیچھے کیوں آیا......؟''

''دیکھنے آپ کہاں جا رہی ہیں......؟''

''اور تو نے دیکھ لیا......؟''

''ہاں......''

''کیا دیکھا؟''

''آگ آپ نے لگائی ہے، میرے سامنے لگائی ہے''

''ٹھیک ہے تو ثابت کر دینا۔ لوگ میری بات مانیں گے تیری نہیں اور میں کہوں گی کہ آگ میرے سامنے تو نے لگائی ہے''

''بالی بیٹا۔ اللہ کے لیے، میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے'' وہ رونے لگا۔

''تو پھر بھول جا کہ تو نے کچھ دیکھا۔ کیا سمجھا۔ بھول گیا؟''

''بھول گیا۔ لوگ آ رہے ہیں'' میں نے کہا اور پھر دونوں دوڑ پڑے۔ پھر گھر آ گئے۔ یہاں اب میٹنگ ختم ہوئی تھی مگر دور سے میں نے جو منظر دیکھا اس نے میری سٹی گم کر دی۔ راؤ صاحب اور غازی صاحب گلے مل رہے تھے اور کچھ کہہ رہے تھے۔ ایک بار پھر وہ گلے ملے اور پھر پرجوش مصافحے کے بعد والد صاحب نے انہیں اور ان کے ساتھ آنے والوں کو رخصت کیا۔ غالباً دونوں کے درمیان صلح ہو گئی تھی۔ دونوں بھائی بھی اس صلح میں شریک تھے مگر کچھ گھنٹوں کے بعد ہی گڑبڑ شروع ہو گئی۔ غالباً آگ لگ جانے کی اطلاع آئی تھی۔ والد صاحب فوراً موٹر میں بیٹھ گئے تھے اور بہت دیر کے بعد واپس آئے تھے۔ پریشان تھے کہ آگ کیسے لگ گئی، مگر الزام ان پر نہ آ سکا کیونکہ دوران میٹنگ آگ لگ گئی تھی اور کوئی اٹھ کر باہر نہیں گیا تھا، خصوصاً ان کے دونوں بیٹے ابتدا سے انتہا تک میٹنگ میں شریک رہے تھے۔ حقیقت کا شناسا صرف یادو تھا جو تین دن تک پیٹ کے درد سے ہائے ہائے کرتا رہا تھا۔

چوتھے دن ٹھیک ہو کر کام پر آ گیا تھا۔ میں اس کے درد سے واقف تھی مگر اس کے ٹھیک ہو جانے پر پوری طرح حیران بھی نہ ہونے پائی تھی کہ حقیقت کھل گئی۔ اس نے بیوی کو اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم دی تھی کہ وہ جو کچھ بتا رہا ہے وہ کسی سے نہ کہے اور اس کی بیوی نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر اماں کو قسم دی تھی کہ جو یادو نے اسے بتایا ہے وہ کسی سے نہ کہیں، اور جب میرے کارنامے کا تذکرہ اماں سے کر رہی تھی تو غازی صاحب نے بخوبی سن لیا تھا......، میری طلبی ہو گئی۔

''راؤ صاحب کے کھیت میں آگ تم نے لگائی تھی؟''

''جی، میں نہیں سمجھی؟''

''جب میرے سامنے کوئی جھوٹ بولتا ہے تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ میرے منہ پر جوتے لگا رہا ہو، مجھے کچھ نہ سمجھ کر میری توہین کر رہا ہو'' غازی صاحب نے سرد

لہجے میں کہا۔

''جی'' میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''آگ تم نے لگائی تھی؟''

''جی''

''کیوں؟''

''وہ ہمارے کھیتوں میں آگ لگانے کی بات جو کر رہے تھے''

''رزق کو جلانا کتنا بڑا گناہ ہے، جانتی ہو''

''مجبوری کے عالم میں اجازت ہے''، میں نے کہا۔

''کیا؟'' وہ غرائے......

''جی ہاں''......

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلادو

اور خوشہ گندم آسمان میں نہیں لٹکتے''، میں نے کہا اور غازی صاحب کے چہرے پر بدحواسی پھیل گئی، بات علامہ کی آ گئی تھی اس سے آگے بولنا گناہ تھا پہلے گردن کھجائی، پھر گھور کر غصے سے مجھے دیکھا، پھر مسکرائے، پھر ایک بے ہنگم قہقہ لگایا، پھر مجھ سے بولے۔

''بھاگ جا'' اور میں آہستہ آہستہ باہر نکل آئی۔

-----☆☆☆☆☆-----

توحید آپا نے میٹرک کیا تھا۔عرفانہ نے بھی کیا تھا۔ان دونوں کو آگے پڑھنے کا شوق تھا، اظہار کیا تو غازی صاحب کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

''ولایت جانا ہے، کسی انگریز سے شادی کرنی ہے''

انہوں نے مخصوص آواز میں کہا جسے سن کر حوصلے پست ہو جاتے تھے۔عرفانہ نے پھر بھی ہمت سے کام لیا......

''تعلیم تو بہت ضروری ہوتی ہے ابا جی''

''اچھا، ہمیں نہیں معلوم تھا، چلو اچھا ہوا تم نے ہمیں یہ بتا دیا کہ تعلیم بہت ضروری ہوتی ہے، زندگی گزارنے کے اور بھی بہت سے طریقے ہمیں بتا دو تا کہ ہمارے کام آئیں، میں کہتا ہوں تمہیں یہ گز گز بھر کی زبانیں مل کہاں سے گئی ہیں، گھر میں بغاوت جنم لے رہی ہے، سرکشی ضرورت سے زیادہ ہوتی جا رہی ہے، کیا کرنا چاہیے، مجھے تمہارے ساتھ''......

عرفانہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اس کے بعد ان کی ہمت بھی پست ہوگئی۔

مجھے یہ تمام باتیں یاد تھیں لیکن میرے اندر حصول تعلیم کا طوفان اٹھ رہا تھا۔مجھے احساس تھا کہ مجھے اور بھی بہت سے طوفانوں کا مقابلہ کرنا ہوگا اور اس کے لیے ابھی

سے ہمت کرنا ہوگی، ورنہ زندگی کا بقیہ حصہ کسی مولوی یا مکینک کے ساتھ بسر کرنا ہوگا۔ پتہ نہیں غازی صاحب کو اس بار کس شخص میں کیا خوبیاں نظر آجائیں، دونوں بہنوں نے تو اپنی تقدیر سے سمجھوتہ کرلیا تھا لیکن میں سمجھوتہ نہیں کرسکتی تھی اور اب میٹرک کرنے کے بعد مجھے اس مشکل مرحلے سے نمٹنا تھا۔ غازی صاحب سے براہ راست اس سلسلے میں گفتگو کرنا بے معنی تھا، اگر میں انہیں قائل کرنے کے لیے اس بار بھی علامہ کے کچھ اشعار تلاش کرلیتی تو ممکن ہے کہ غازی صاحب کو مجھ پر شبہ ہوجاتا اور وہ پرانا حساب بھی یاد کرلیتے، سوچتے سوچتے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ ماموں احتشام ہر مرض کا علاج تھے۔

خط لکھ کر بھیجا اور بڑے دلسوز انداز میں لکھا کہ میں نے انہیں خواب میں بیمار دیکھا ہے اور ان سے ملنے کے لیے بے چین ہوں۔ دو تین دن کے لیے آجائیں، ماموں صاحب کو بھی شاید مجھ سے کچھ زیادہ ہی انسیت تھی۔ انہوں نے میری اس درخواست کو رد نہیں کیا۔ ان کے آجانے سے ویسے بھی گھر کے ریت رواج میں تبدیلیاں رونما ہوجاتی تھیں۔ غازی صاحب سپاٹ سپاٹ سے نظر آتے، ماموں احتشام سے گفتگو کرتے تو یوں لگتا جیسے کوئی مشین بول رہی ہو، لہجہ مدہم، مگر خوشی کے جذبات سے عاری ہوتا۔ ماموں صاحب نے مجھے میٹرک پاس کرنے کی خوشی میں ایک نہایت قیمتی گھڑی کا تحفہ پیش کیا۔ ایسا تنہائی میں ہوا تھا اور وہ جو میں کرنا چاہتی تھی۔ ماموں صاحب نے کر ڈالا، کہنے لگے۔

''تو نے میٹرک سب سے اچھے نمبروں میں پاس کیا ہے، مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے''

''مگر مجھے افسوس ہے ماموں صاحب''

''کس بات پر'' ماموں صاحب نے پوچھا......

اس، اس گھر میں تعلیم کا رواج نہیں ہے اور آگے میرے راستے بند کردیئے جائیں گے، ماموں صاحب مجھے آگے پڑھنے کے لیے لاہور بھجوادیں، میں وہاں ہوسٹل میں رہوں گی، میں تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہوں ماموں صاحب یہ میری زندگی کا اہم مقصد ہے، مگر میں جانتی ہوں غازی صاحب میری گردن دبادیں گے''

''کیسے دبادیں گے، کوئی اجارہ داری ہے اس کی بات کروں گا میں''

''ماموں صاحب آپ کو یہ کام کرنا ہے''

''ہوجائے گا، ہوجائے گا''

رات کے کھانے پر سب ہی موجود تھے، دسترخوان تو ویسے بھی ہمارا شاندار ہوتا تھا، ماموں صاحب کے آنے کی خوشی میں کچھ اور اہتمام کیا گیا تھا غازی، صاحب ان کی مدارت میں پیش پیش تھے، لیکن انداز ایسا ہی تھا جیسے قرض کی ادائیگی ہو رہی ہو۔ البتہ ماموں احتشام ہر ایک سے گھل مل کر باتیں کر رہے تھے۔ مثلاً امتیاز علی صاحب، بہنوئی نمبر ایک موجود تھے۔ ظاہر ہے ان کے ساتھ توحید آپا کو بھی ہونا ہی تھا۔ عرفانہ بھی تھی اور ان کے ساتھ ناصر حسین صاحب بڑے اہتمام سے تشریف لائے تھے۔ صرف بھابھی بھی میز پر موجود تھیں۔ باقی تو جو صاحب خانہ تھے وہ تھے ہی، ماموں احتشام صاحب سے باتیں کرتے جارہے تھے۔ کھانا کھایا گیا اور کھانے کے بعد ماموں احتشام نے کھانے کی تعریفیں شروع کردیں۔ پوچھا کہ کھانے میں یہ نمایاں تبدیلی کیسے رونما ہوئی ہے۔ والدہ صاحبہ بہو سے بہت خوش تھیں۔ ویسے بھی صدف بھابھی اس گھر کی پسندیدہ شخصیت بن گئی تھیں، سب ہی انہیں چاہتے تھے اور یہ ان کی نرم اور نیک فطرت کا عطیہ تھا کہ ہر ایک کی آنکھوں کا تارا بن چکی تھیں، یہاں تک کہ قبلہ غازی صاحب بھی ان سے متاثر تھے اور ان کے ساتھ غازی صاحب کا رویہ خصوصی طور پر اچھا ہوا کرتا تھا۔ والدہ صاحبہ نے فوراً ہی کہا......

''بس بھائی میاں جب سے ہمارے گھر میں یہ نعمت آئی ہے آپ یہ سمجھ لیجیے ہر چیز میں لذت پیدا ہوگئی ہے'' اشارہ صدف بھابھی کی طرف تھا......

مامی جان نے کسی قدر پر مزاح انداز میں کہا......

''ارے مگر میں نے تو سنا ہے کہ ان کا نام صدف ہے'' کیوں بی بی نام صدف ہے یا نعمت''......

صدف بھابھی مسکرادیں۔ سب ہنسنے لگے۔ ماموں احتشام نے کہا۔

''خدا خوش رکھے، واقعی نیک بچی ہے۔ چوہدری الٰہی بخش نے بڑی اچھی تربیت کرائی ہے، اس کی بڑی خوشی ہوئی۔ بہت سی باتیں ہوتی رہیں''

ماموں احتشام سمجھ دار آدمی تھے، ایک بار انہیں صورتحال سمجھا دی گئی تھی تو انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی نزاکت کیا ہے، بڑی دیر کے بعد سلسلہ گفتگو مجھ پر آیا...... میری طرف دیکھ کر بولے۔

''تو بھئی لڑکی تو نے میٹرک تو بڑے اچھے نمبروں سے پاس کیا ہے۔ میں تو تیری مارک شیٹ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بھئی اب یہ بتا آگے کیا کرنا ہے تجھے۔ کیوں میاں کیا سوچا ہے تم نے۔ اس بچی کے بارے میں۔''

دوسرا جملہ انہوں نے غازی صاحب کو مخاطب ہو کر کہا تھا۔ غازی صاحب تو جیسے منوں بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ اس بوجھ سے گردن جھٹک کر کہا''

''کیا سوچ سکتا ہوں بھائی صاحب'' لڑکیوں کے لیے تو صرف ایک ہی بات سوچی جا سکتی ہے کہ تھوڑی بہت تعلیم دے دی جائے تا کہ اپنے گھر کو سنبھال سکیں۔ اور اس کے بعد انہیں ایک اچھا سا گھر دے دیا جائے''

''ہاں زمانہ قدیم میں ہوتا تو یہی سب کچھ چلا آیا ہے، مگر بھائی زمانہ جدید کچھ اور تقاضے کرتا ہے اور ہمیں اب ان تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے''

''میں سمجھا نہیں بھائی صاحب'' غازی صاحب مشینی انداز میں بولے۔''

''او بھئی تو بتا کہ تجھے کیا کرنا ہے آگے۔ پڑھنا چاہتی ہے؟'' ماموں صاحب نے مجھ سے پوچھا اور میں نے گردن جھکا کر کہا''

''مجھے کیا پتہ ماموں صاحب''

''میرے خیال میں تو اسے آگے پڑھنا چاہئے ابھی ایسی کون سی عمر ہوگئی ہے اور پھر ماننے والی بات ہے کہ نئے زمانے کی نئی باتیں۔ توحید اور عرفانہ میٹرک کرنے کے بعد گھریلو ہوگئیں، مگر کم از کم ایک بچی تو آگے پڑھے۔''

والد صاحب نے بے چینی سے پہلو بدلا اور میں سہمے ہوئے انداز میں سامنے کی دیوار دیکھنے لگی۔ ماموں احتشام الدین کچھ سوچتے ہوئے بولے''

''میں اسے کچھ کراؤں گا۔ یہ کچھ نہ کچھ کر کے رہے گی۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔ کیوں میاں تم لوگ بھی تو انہیں رائے دیا کرو۔ بڑے بہنوئی ہو۔ چلو لڑکوں کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ تو خود اپنے ہاتھ ہاتھ پاؤں کے ہیں اور پھر غازی انہیں سیٹ کر دے گا۔ مگر اس بچی کے لیے میرا جی چاہتا ہے کہ کچھ ہو، کیوں میاں امتیاز بھئی تم بھی تو داماد ہو اس گھر کے۔ بڑے بھائی کی طرح ہو کیا مشورہ ہے تمہارا اس کے بارے میں......''

''جی وہ ماموں صاحب اگر۔ اگر یہ آٹو انجینیئرنگ میں ڈپلومہ کر لے تو بہت اچھا رہے گا۔

''ایں...... ماموں احتشام الدین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ ذرا منہ پھٹ آدمی ہیں۔ ہاتھ اٹھا کر بولے، کیوں نہیں بھی تو اپنی موٹر کمپنی کے لیے کوئی مکینک چاہتا ہے کیوں یہی بات ہے نا۔ بے وقوف، کیوں میاں ناصر حسین تمہاری کیا رائے ہے''

''قبلہ و کعبہ سب سے بڑی اہمیت دینی علوم ہے، اگر علوم دینی کا حصول ہو تو

اول تا آخر کام آتا ہے‘‘

ماموں احتشام نے گردن ہلائی اور کہنے لگے ’’ٹھیک کہتے ہو ناصر میاں علوم دینی تو انسان کو پیدائش سے لے کر عمر کی آخری حد تک حاصل کرنا چاہیے۔ ان سے تو فائدے ہی فائدے ہیں مگر با قاعدہ جس انداز میں تم کہہ رہے ہو، تعلیم حاصل کر کے کیا پیش امامی کراؤ گے بچی سے؟‘‘ اویار تو نے کہاں سے پکڑ لئے یہ دو چھوکے ان میں سے ایک بھی عقل کی بات کرتا ہے؟ ماموں احتشام والد صاحب کی طرف سے پلٹ کر بولے۔ اور میری ہنسی چھوٹتے چھوٹتے رہ گئی۔ ماموں نے منہ بگاڑ کے کہا۔

’’وہ کہتا ہے آٹو انجینئرنگ میں ڈپلومہ کر لے اور وہ کہتا ہے پیش امامی کر لے۔ ابے تم دونوں ہو کون سے علاقے کے‘‘ نہ تو ناصر حسین صاحب کو اور نہ ہی امتیاز علی بھائی جان کو اس بات کی توقع کی تھی کہ کوئی انہیں اس لہجے میں بھی مخاطب کر سکتا ہے۔ جمال الدین غازی مضطربانہ انداز میں ادھر کی چیزیں ادھر اٹھا کر رکھنے لگے۔ غالباً شدید اضطراب کے عالم میں تھے۔ بالآخر ماموں احتشام نے ان کی طرف رخ کر کے کہا۔ ’’او بھئی تم تو کچھ بتاؤ جمال الدین غازی۔‘‘ کیا خیال ہے تمہارا اس بچی کے بارے میں......‘‘

’’وہ بھائی صاحب میں نے تو...... میں نے تو کچھ نہیں سوچا، کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آئی۔ جیسی میں نے توحید اور عرفانہ کی شادی کر دی ویسے ہی میرے دل میں یہ خیال تھا کہ یہ میٹرک کرنے کے بعد آرام سے گھر بیٹھے گی۔ جب بھی کوئی اچھا رشتہ نظر میں آیا تو میں اس کی شادی کر دوں گا۔‘‘

’’اوئے سڑکوں پہ مارا مارا پھر رہا ہوگا تو کسی تیسرے چھوکے کی تلاش میں کیوں‘‘

’’نن نہیں ایسی تو بات نہیں ہے‘‘ جمال الدین غازی صاحب کی ہکلاہٹ بتا

رہی تھی کہ آج بھی انہیں اسکول سے گھر جاتے ہوئے راستے کی مار یاد ہے......‘‘

’’اوہ تیرا ذہن کبھی سیٹ نہیں ہوگا، جمال میں، میں خود ہی کچھ کروں گا‘‘

’’وہ بھائی جی! بھائی جی‘‘ غازی صاحب نے بمشکل تمام حلق صاف کر کے کہا لیکن ماموں احتشام نے بات کاٹ دی۔

’’او کیا بھائی جی...... بھائی جی لگا رکھی ہے، میں خود سوچوں گا، میرا خیال ہے میرا خیال ہے میں لڑکی کو لاہور کے کسی کالج میں داخل کرادوں، یہ کام تو کرے گا نہیں، کیونکہ تیری تو عادت ہی نہیں ہے۔ لڑکیوں کو آگے پڑھانے کی میں اس سلسلے میں خود ہی آگے بڑھ کر کچھ کام کروں گا۔

’’وہ تو ٹھیک ہے بھائی جی مگر......مگر......‘‘

’’بس چھوڑ صبح کو بات ہوگی اب رات بھر میں سوچ لوں گا، میں مگر اس لڑکی کو آگے پڑھانا ہے۔ یہ میرا فیصلہ ہے اور تم لوگوں میں سے کسی کو اعتراض ہے‘‘ انہوں نے سب کی طرف دیکھا۔

بھلا کون اعتراض کر سکتا تھا۔ جب کہ غازی صاحب کی زبان ہی بند تھی۔ ماموں احتشام میز سے اٹھ گئے، سب ہی اٹھ گئے۔ میں بھی خاموش تھی چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی۔ کہ جب اس مہم کا آغاز ہوا ہے۔ تو خدا اسے کامیاب کرائے۔ البتہ اس گھٹن کا مجھے پورا پورا احساس ہو گیا تھا۔ جو ایک لمحے میں فضا میں پھیل گئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد دونوں بہنیں اپنے اپنے سسرال چلی گئیں۔ بہت وقت ہو گیا تھا۔ سب خواب گاہوں کی طرف چل پڑے تھے۔ ماموں صاحب اپنے کمرے میں پہنچ گئے تھے، میں اپنے کمرے میں آ گئی صدف بھابھی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ لیکن میرے دل میں پنکھے لگے ہوئے تھے، بھلا اس رات نیند کہاں سے آتی۔ کوئی چوروں کی طرح ایک بجے اپنے کمرے کے

دروازے سے باہر نکلی اور راہ داری کا تھوڑا سا حصہ طے کر کے آگے بڑھی تو دل دھک سے ہو گیا۔

غازی صاحب کے کمرے میں مکمل روشنی تھی یقیناً وہ جاگ رہے تھے، اور والدہ صاحبہ بھی جاگ رہی ہوں گی۔ کیا ہی موقع سے نکلی تھی۔ کیونکہ چند ہی لمحوں کے بعد غازی صاحب کے کمرے کا دروازہ کھلتا ہوا محسوس ہوا، میں پھرتی سے اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ روشنی تو پہلے ہی بند تھی۔ بستر پر دم سادھ کر لیٹ گئی۔ پتہ نہیں کون باہر آیا تھا۔ یہ میری چھٹی حس تھی، جس نے مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ معاملہ کچھ مجھ ہی سے متعلق ہے، یہی ہوا کچھ دیر کے بعد دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی اور جب تیسری بار یہ دستک ہوئی تو مجھے اٹھ کر دروازہ کھولنا پڑا۔ والدہ محترمہ پریشان حال دروازے پر کھڑی ہوئی تھیں۔ مجھ سے کہنے لگیں۔''

''سو گئی تھی نا......''

''ہاں کیوں......'' خیریت'' میں نے آواز میں نیند کا سا انداز پیدا کر کے پوچھا......''

''بھئی کچھ بات کرنی ہے تم سے معاف کرنا اس وقت تمہیں نیند سے جگا دیا'' مگر ضروری ہے''۔ والدہ صاحبہ اندر آ گئیں اور انہوں نے روشنی جلا دی اور مجھے اس اداکاری میں حقیقت کا رنگ پیدا کرنا پڑا۔

''جی کیا بات ہے؟''

''وہ تم نے بھائی صاحب کی باتیں سنی تھیں......''

''ماموں جی کی؟''......

''ہاں......''

''میری پڑھائی کے بارے میں......؟''

''ہاں......''

''ہاں ہاں سنی تھیں......''

''تمہارا کیا خیال ہے'' والدہ صاحبہ نے پوچھا......''؟

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر کہا۔

''آگے پڑھنا تو میں بھی چاہتی ہوں اگر سب لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو......''؟

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن، لیکن تمہارے ابا نہیں مان رہے، مجھے خوب پریشان کیا ہے انہوں نے دیکھ لو ایک بج رہا ہے سونے نہیں دیا۔ برا بھلا کہتے رہتے ہیں۔ مجھے اور احتشام بھائی کو......

''ماموں جان کو بھی برا بھلا کہا ہے'' ابا نے۔ میں نے آنکھیں نکال کر کہا......''

''ارے......ارے آہستہ بول، کیوں گھر میں فساد کرانا چاہتی ہے، مطلب یہ کہ وہ یہی کہہ رہے تھے کہ انہیں اب ہمارے گھر کے معاملات میں اتنا زیادہ پاؤں نہیں گھسیڑنا چاہئے۔ ہمارے اپنے مسائل ہیں......'' ہماری اپنی سوچ بھی ہے......''

''تو پھر غازی صاحب یہ بات ماموں جان سے خود کہہ کیوں نہیں دیتے ہیں......''

''وہ ان کا احترام کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کے سامنے زبان نہیں کھول سکتا۔ انہوں نے جب ہی تمہارے پاس بھیجا ہے......''

''میرے پاس کیوں......''؟

''صبح کو اس سلسلے میں پھر بات ہو گی، تم کہہ دینا کہ تم آگے نہیں پڑھنا چاہتیں اور اکیلی لاہور نہیں جانا چاہتیں......''

''واہ میں کیوں کہہ دوں، آپ لوگوں نے میری گردن پتلی سمجھ لی ہے بھلا

میں ماموں جان کے سامنے زبان کھولوں گی، یہ میں نہیں کرسکتی......''

''سن تو سہی......؟''

''کیا سنوں''؟

''ارے اگر تو نے منع نہ کیا تو مصیبت آ جائے گی۔

''تو آجائے مجھے کیا......؟'' اپنے معاملات آپ خود نمٹایئے اور پھر ایسی کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ اگر میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے لاہور چلی جاؤں تو......''

''دیکھو تو سمجھ نہیں رہی ہے بات کو، ہمارے گھر میں ایسا نہیں ہوتا۔ توحید نے آگے پڑھا۔ عرفانہ نے آگے پڑھا۔

''تو میں کیا کروں۔ پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو۔ میرا معاملہ الگ ہے۔ دل تو میرا چاہتا ہے پڑھنے کے لیے، مگر......مگر مجبوری تھی اور اب......اب یہ موقع مل رہا ہے میں کچھ بولوں گی ماموں صاحب سے، بلکہ آپ لوگوں نے مجھے زیادہ مجبور کیا تو صاف کہہ دوں گی ان سے کہ رات کو ایک بجے مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی......

''تیرا تو دماغ بالکل ہی الٹا ہے تو لڑکی ہے یا......''

''دیکھئے محترمہ والدہ صاحبہ آپ لوگوں کو جو کچھ کرنا ہے آپ خود کریں میں اس سلسلے میں کوئی مداخلت بھی نہیں کروں گی اور اگر یہ طے ہوگیا کہ مجھے لاہور جا کر پڑھنا ہے تو خوشی سے لاہور چلی جاؤں گی''

''یہی کہہ دوں میں تیرے باپ سے......''

''جی یہی کہہ دیجئے گا۔'' میں نے بے خوفی سے کہا ابھی کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ماموں صاحب موجود تھے۔ والدہ صاحبہ جن الفاظ میں ممکن ہو سکا مجھے سمجھاتی رہیں۔ لیکن میں نے بھی موقع غنیمت جانا اور اپنی بات پر اڑی رہی۔ پھر وہ چلی گئیں......

دوسری صبح ناشتے ہی کی میز پر کارنر میٹنگ شروع ہوگئی تھی۔ ماموں صاحب

کہنے لگے۔

''ہاں بھئی تو اب میں یہ کرتا ہوں کہ یہاں سے سیدھا لاہور چلا جاتا ہوں۔ انتظامات میں کرلوں گا۔'' تم بالکل فکر مت کرو۔ جو کچھ بھی بندوبست ہو سکا میں خود کر لوں گا۔ وہاں میری بڑی شناسائی ہے......''

''وہ تو ٹھیک ہے بھائی جی'' مگر یہ وہاں اکیلی، میرا مطلب رہے، ہے گی کہاں'' والد صاحب نے ایک اور سہارا تلاش کیا''

''ہوسٹل میں رہے گی، اور کہاں رہے گی''

''مم......مگر ہوسٹل میں اکیلی'' ......دیکھئے ایسا......ایسا تو کبھی نہیں ہوا......''

''نہیں ہوا تو اب ہو جائے گا۔ مرے کیوں جا رہے ہو، ہیں'' ماموں احتشام اپنی مخصوص آواز میں غرائے اور میں نے یہ تماشہ پہلی بار بغور دیکھا بچپن کا کوئی احساس عمر کی آخری حد تک پیچھا نہیں چھوڑتا۔ غازی صاحب جو ہر ایک کے سامنے بڑے رعب سے بات کرتے تھے۔ اس وقت بھیگی بلی بنے ہوئے تھے۔'' بڑی آہستہ آواز میں ''ماموں احتشام سے کہا'' اور پھر یہاں اور بھی بہت سے ایسے معاملے ہیں جن کی نگرانی میں خود بھی کرسکتا ہوں'' تم لوگ فکر کیوں کرتے ہو'' میں کیا اس کا دشمن ہو''......''

''جی نہیں، یہ......یہ مطلب نہیں تھا۔

''بس اب کوئی مطلب نہیں ہے تو پھر میرے جانے کا جلدی سے بندوبست کرو۔''

''ابھی جائیں گے بھائی جان؟''

''ہاں ابھی جاؤں گا'' بس میرے دماغ کو بھی جو چڑھ جاتی ہے وہ کر کے رہتا ہوں۔ یہاں سے سیدھا لاہور جاؤں گا۔''

میں ماموں جان پر نثار ہو رہی تھی اتنی دعائیں دے رہی تھی۔ انہیں درازی عمر

کی کہ وہ کبھی مرنے کا نام ہی نہ لیں۔ ماموں صاحب چلے گئے۔ ان کا جانا تھا کہ گھر میں فساد ہوگیا۔ والد صاحب نے بہت سی ایسی چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیں جو ناکارہ ہو چکی تھیں۔ اور جن کے بارے میں غالباً انہوں نے دل میں پہلے سے طے کر لیا ہوگا کہ کسی مناسب موقع پر ان سے چھٹکارا حاصل کریں گے۔ خوب توڑ پھوڑ ہوئی۔ صدف بھابھی اپنے کمرے میں گھس گئیں۔ والدہ صاحبہ اپنے کمرے میں اور والد صاحب ناکارہ چیزوں کو توڑتے پھوڑتے رہے۔ وہ شور بھی مچا رہے تھے۔ بار بار کہہ رہے تھے کہ اس گھر میں مداخلت بے جا ہو رہی ہے۔ ان کے معاملات میں ٹانگ اڑائی جا رہی ہے، یہ نہیں ہوگا ''یہ بالکل نہیں ہوگا، مگر ان کی مخالفت میں بولنے والا، کوئی بھی نہیں تھا۔ چنانچہ بات ضرورت سے زیادہ آگے نہیں بڑھا سکے تھے......''

ادھر ماموں احتشام تھے کہ میرے لیے فرشتہ رحمت بنے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں کیوں میری بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ واقعی سیدھے لاہور ہی پہنچے تھے، اور انتظامات کر کے چوتھے ہی دن واپس آ گئے تھے، انہیں دیکھ کر گھر میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا تھا۔ خدا خدا کر کے تیسرے دن کچھ امن قائم ہوا تھا۔ لیکن اب یہ امن پھر سے درہم برہم نظر آ رہا تھا۔ ماموں احتشام بھی بہت چالاک اور تیز آدمی تھے صورتحال کو سمجھ گئے۔

بڑے نرم اور پر اخلاق لہجے میں انہوں نے والد صاحب ہی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''لو بھئی مبارک ہو'' لاہور کے ایک بہت اچھے کالج میں داخلہ کی بات چیت ہوگئی ہے۔۔ میں اسے اپنے ساتھ ہی لے جاؤں گا، جس کا دل چاہے میرے ساتھ چلے، کالج کا ہوسٹل بھی ہے اور بڑا اچھا ماحول ہے وہاں کا۔ میرے ایک واقف کار نکل آئے ہیں، جو اس کالج کے پرنسپل ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اپنے بچوں ہی کی طرح اس کا

خیال رکھیں گے''

والد صاحب نے بڑی بے بسی سے ماموں جان کو دیکھا اور پھر کہنے لگے''

''وہ بھائی صاحب دراصل...... دراصل میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا تھا......''

''وہ کیا'' ماموں جان نے والد صاحب کو گھورا، اور غازی صاحب کی آنکھیں جھک گئیں۔''

''دراصل وہاں چوہدری الٰہی بخش بھی تو ہیں''

''صدف کے ابا'' ماموں احتشام نے پوچھا۔''

''جی ہاں'' وہی......''

''ہاں بھئی ہیں'' یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ ان سے بھی کہہ دیں گے کہ بچی کا خیال رکھیں......''

''نہیں میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر ہوسٹل کی بجائے یہ ان کے گھر رہے تو......''

''اوہ جمال الدین...... اوہ جمال الدین کیسی باتیں کرنے لگا ہے تو یار کبھی کبھی۔ مجھے تو تیری دماغی صحت پر شک ہونے لگتا ہے'' بیٹے کی سسرال میں بیٹی کو رکھے گا۔ غیر لوگوں میں رکھے گا، ارے بھائی ذرا ٹھنڈے دل سے سوچ ہوسٹل میں صرف لڑکیاں ہوتی ہیں وہاں بہت سے لوگ ذمہ دار ہوتے ہیں اگر انہیں ہماری حیثیت کا پتہ چل جائے گا تو آنکھیں بچھائیں گے۔ ان کے سامنے وہی مقام دیں گے جو اس کا ہے اور'' بیٹے کے سسرال میں'' ٹھیک ہے وہ لوگ بیٹی کی وجہ سے اسے عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے، لیکن کیا سوچیں گے ہمارے بارے میں یہ سوچا تم نے؟

بات غالباً کھٹاک سے سینے پر لگی تھی، قبلہ غازی صاحب کہنے لگے۔''

''ہاں یہ تو ہے...... لیکن بس ذرا بچی پہلی بار گھر سے باہر جا رہی ہے......''

”دیکھو غازی“ ہمیں اپنے بچوں پہ اعتماد کرنا چاہئے۔ زمانہ بہت بدل گیا ہے توحید اور عرفانہ کو تو کے بل پر اچھی جگہ دی ہے، مانتا ہوں بڑے اچھے بچے ہیں، دونوں نیک اور ایماندار، لیکن سارے ہی ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تیسرا ان جیسا نہیں ملے گا، لیکن......لیکن یار آگے لمبا مستقبل پڑا ہے۔ اگر ایک بچی میری خواہش کے مطابق کچھ تعلیم وغیرہ پا جائے تو تجھے اتنا اعتراض کیوں ہے، میرا کوئی حق نہیں ہے، اس گھر پر......“

”نہیں ......نہیں بھائی جی، آپ کا تو پورا پورا حق ہے، میں نے، میں نے بھلا اس لئے میں تو...... میں تو......“

”تو پھر یار جو کچھ میں نے کہا ہے وہی رہنے دے۔ تھوڑی ذمہ داری میری بھی ہے......

”جی جی میں انکار کب کر رہا ہوں، غازی صاحب نے بظاہر کشادہ دلی اور کشادہ پیشانی سے کہا، لیکن اندر کا حال وہ خود ہی جانتے تھے۔

ماموں صاحب نے تیاریوں کا حکم دیا، اور میرے لئے گھر میں تیاریاں شروع ہوگئیں۔ چہرے کو بڑی مشکل سے نارمل کئے ہوئی تھی۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ پوری حویلی میں چھلانگیں لگاتی پھروں، شادیانے بجوا دوں روشنیاں کرادوں۔ جو کچھ بھی ممکن ہو سکے کروں، لیکن یہ سب کرنا ”جلتی پر تیل چھڑکنا تھا“ چنانچہ احتیاط برتی۔ بالآخر سب ہی نے دعائیں اور نصیحتیں کر کے ماموں جان کے ہمراہ کر دیا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ لاہور اسٹیشن پر اتری۔ اور وہاں ماموں صاحب اور جلال کے ہمراہ کالج پہنچ گئی۔ ویسے ماموں صاحب کا یہ کہنا غلط نہیں تھا کہ پرنسپل آفتاب حسین شاہ ان کے شناسا تھے استقبال کچھ اسی انداز میں کیا گیا ہے۔ میرا داخلہ فارم وغیرہ بھرا گیا فارم پر دستخط کیے، ماموں صاحب اور جلال الدین نے تصدیق کی اور اس کے بعد تمام مسائل طے ہوئے۔

بہت بڑی رقم کالج کو ادا کر دی گئی اور میرے لیے ہوسٹل کا کمرہ حاصل کر دیا گیا۔ ویسے پہلی ہوسٹل میں ایک کمرے میں چار چار، پانچ پانچ لڑکیاں رہتی تھیں۔ کچھ کراچی کی تھیں، کچھ ملتان کی کوئی حیدرآباد سے آئی تھی، تو کوئی ساہیوال سے، سب کی سب بہت خوش مزاج اور اچھی طبیعت کی مالک تھیں۔ میں ذرا اجنبی اجنبی محسوس کر رہی تھی، اپنے آپ کو اس ماحول میں۔ بہرحال ماموں صاحب اور بھائی جلال الدین چلے گئے اور میں نے خوشیوں کی گہری گہری سانسیں لیں۔

میں اپنے آپ کو اس ماحول میں پراعتماد پاتی تھی۔ سب سے پہلی دوستی میری ناظمہ سے ہوئی جو برابر والے کمرے میں مقیم تھی۔ دبلے پتلے، سانولے رنگ کی مگر اچھی طبیعت کی مالک۔ اوروں نے کالج کے ماحول کے بارے میں ایسی ایسی کہانیاں سنائیں کہ میرا دل دھک دھک کرنے لگا بہرحال یہ سب کچھ میرے لیے انتہائی خوشگوار تھا۔

اس شام اور کچھ لڑکیوں نے مجھ سے ملاقاتیں کیں اور میرا تعارف حاصل کر کے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ میرے اندر اب اعتماد پیدار ہوتا جا رہا تھا۔ حویلی کے ماحول سے نکلنے کے بعد یہ ماحول اتنا دلکش لگ رہا تھا کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ بہت سے دوست بنانے کی خواہشمند تھی۔ مجھے بہت بڑی رقم دے دی گئی تھی کہ کبھی روپے پیسے کے معاملے میں کسی قسم کی کنجوسی کا مظاہرہ نہ کروں۔ فراخدلی سے خرچ کروں، کیونکہ اس سے میری حیثیت کا اندازہ ہوتا رہے گا۔ لباس وغیرہ کے بارے میں بھی خود کفیل تھی۔ اور تمام لڑکیاں مجھ پر رشک کرتی تھیں لیکن میں معتدل انداز میں قدم آگے بڑھا رہی تھی تاکہ میرے بارے میں میری ساتھی لڑکیوں کو کسی غلط فہمی کا احساس نہ ہونے پائے۔ مطلب یہ کہ کہیں میں اپنی دولت کا مظاہرہ تو نہیں کر رہی۔ اس طرح کالج میں پہلا خوشگوار ہفتہ گزر گیا۔ میں یہاں کے معمولات سے پوری طرح واقف ہو گئی تھی۔ اب تک ہوسٹل سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ لیکن کچھ ذمہ داریوں کے ساتھ باہر

جانے پر پابندی نہیں تھی۔ ہماری نگراں ایک انتہائی نفیس خاتون میڈم رخسانہ تھیں۔ لڑکیوں میں انتہائی ہردلعزیز، ہر ایک سے پیار محبت سے گفتگو کرنے کی عادی۔ اکثر ہمارے پاس آ کر بیٹھ جایا کرتی تھیں اور ہم ان کی باتوں سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب سی نرمی چھائی رہتی تھی۔ اسے نرمی کہا جا سکتا ہے یا ایک غم آلود کیفیت۔ ان کی آنکھوں میں کبھی کبھی کرب کے آثار جھلکنے لگتے تھے۔ میں نے اکثر محسوس کیا تھا لیکن کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ بہرطور ہم ان کا احترام بھی کرتے تھے۔ ماحول تھوڑا سا مختلف ہوا تو دوسرے احساسات بھی ذہن میں آنے لگے۔ کبھی کبھی تنہائی میں گھر کا خیال بھی آ جاتا تھا اور میں گہری نگاہوں سے اپنے گھر کا جائزہ لیتی تھی۔ بلاشبہ غازی صاحب اس گھر کے کرتا دھرتا تھے اپنی اولاد کے ساتھ برے نہیں تھے ہر آسائش مہیا کر دی تھی انہوں نے اس گھر میں رہنے والوں کے لیے لیکن ان کی ڈکٹیٹر شپ ہمیشہ سے مسلط تھی اور ہم نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔

والدہ صاحبہ بے شک ان کی بیوی تھیں، ان کے بچوں کی ماں، لیکن ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک میں نے کبھی کسی مسئلے میں والدہ صاحبہ کی مرضی چلتے ہوئے نہیں دیکھی تھی۔ ہمیشہ ہی شوہر کی آنکھ کے اشارے کا انتظار کرتی تھیں۔ ان کی اپنی خواہش کے خلاف فیصلہ کر دیا تو وہ اسی طرح تائید کرتی تھیں جیسے۔ یہی سب کچھ ان کے ذہن میں ہو اس کے بعد میں نے توحید آپا اور عرفانہ آپا کا حال دیکھا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے لیے یہ سب کچھ تو نہیں چاہتی ہوں گی۔ میں چونکہ چھوٹی تھی اس لئے ان سے بے تکلفی سے اس موضوع پر بات نہیں ہو سکی لیکن اب مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اکثر ان کے اصل چہرے نمایاں ہو جاتے تھے اور ان چہروں پر غم کی پرچھائیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ میں اگر تجزیہ کرتی تو حقیقت یہ تھی کہ ناصر حسین بھائی یا امتیاز بھائی قطعی طور پر اس قابل نہیں تھے کہ ان نفیس لڑکیوں کی تقدیر کے مالک بنتے لیکن وہ بن

گئے تھے اور ایسا غازی صاحب کے حکم سے ہوا تھا۔

اس کے برعکس کمال الدین اور جمال الدین تھے کہ اگر کہیں کسی مسئلے میں دب کر بات کرنا بھی چاہتے تو والد صاحب کی شہ پر انہیں ابھرنا پڑتا۔ ایک طرح سے اگر دیکھا جائے تو میرے نزدیک یہ ظلم تھا......

عورت کو مذہباً جو اختیارات دیئے گئے ہیں وہ بعض گھرانوں میں اس طرح سلب کر لئے گئے ہیں کہ وہاں ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے، بلکہ بعض گھرانوں کی کیا بات اکثر اخبارات کی خبریں اور وہ دوسرے ذرائع جو نگاہوں کے سامنے آسکتے ہیں اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ مرد ہر حالت میں عورت پر مسلط رہتا ہے اور اسے محکوم بنانے کا خواہش مند ہے۔ میں اس حاکمیت سے منحرف نہیں تھی، لیکن یہ سوچتی تھی کہ جب ہاتھ، پاؤں، آنکھیں اور دماغ ہمیں بھی دیا گیا ہے تو کم از کم ہماری اپنی مرضی کسی حد تک تو چلنی چاہیے۔ یہ تو مناسب نہیں ہے کہ جو فیصلہ اوپر سے ہوا وہی ہماری تقدیر بن جائے۔ کم از کم ہمیں اپنی سوچ کے دائرے میں رہ کر کچھ نہ کچھ کرنے کے اختیارات ہونے چاہئیں۔ ابتداء چونکہ گھر ہی سے ہوئی تھی اور سوچنے کا موقع اس لئے مل گیا تھا کہ اب گھر سے کچھ فاصلہ ہو گیا تھا میں اپنے طور پر اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ میرا گھرانہ ایک شخص کی محکومیت کا شکار ہے۔ وہ شخص میرا باپ ہے، قابل احترام قابل عزت دنیا کی ہر شے سے قیمتی، لیکن اس کا جو رویہ ہے وہ میرے خیالوں میں منصفانہ نہیں تھا۔ مگر ظاہر ہے اس کی بنیاد پر غازی صاحب سے کوئی اختلاف نہیں کر سکتی تھی۔ ہاں ذہنی طور پر ان کے اس عمل کو ناپسند کرتی تھی۔

لاہور کے گلی کوچہ بازار دیکھنے کو ہمارے ساتھ رخسانہ باجی تھیں۔ ہماری وارڈن جنہیں یہ اجازت دی گئی تھی کہ ہمیں سیر و سیاحت کرائی جائے۔

میری دوستی خصوصی طور پر ناظمہ، ثناء، فریدہ اور کوثر سے تھی۔ سلام دعا تو ہوسٹل

میں رہنے والی ہر لڑکی سے تھی۔ اور اس کے بعد کلاس میں پڑھنے والی بہت سی لڑکیاں میری شناسا اور دوست بن گئی تھیں۔ ان کی چھوٹی موٹی تفریحات میں حصہ لیتی رہتی تھیں۔ لیکن یہ چار لڑکیاں میرے بہت قریب آ گئی تھیں اور اتفاق کی بات یہ کہ چاروں ایک ہی کمرے میں میرے برابر والے داہنے کمرے میں رہا کرتی تھیں۔

ہم چاروں ہی سیر و سیاحت کو نکل جاتے تھے، خصوصاً چھٹی کے دن ہمارا مشغلہ یہی ہوتا تھا کہ لاہور کے تاریخی مقامات کی سیر کریں۔ رخسانہ باجی کی ذمے داری تو ویسے ہی تمام لوگوں پر تھی، لیکن نجانے کیوں وہ بھی خصوصی طور پر ہم سے دلچسپی رکھتی تھیں، اور اکثر ہمارے ساتھ رہا کرتی تھیں، جب کہ بعض اوقات لڑکیوں کے اور بھی گروپ ہوا کرتے تھے۔ کالج کے پرنسپل پروفیسر آفتاب حسین شاہ صاحب بھی بہت نیک اور نفیس انسان تھے اور بڑا خیال رکھا کرتے تھے۔ لڑکے بھی ایسے نہیں تھے کہ درد سر بن جائیں حالانکہ دبے دبے الفاظ میں کالج کی رنگین داستانیں بھی میرے کانوں تک پہنچی تھیں، لیکن ابھی مجھے ان رنگینیوں سے کوئی شغف نہیں تھا۔ اس لیے ان رنگین داستانوں کی حامل لڑکیوں سے میری کوئی خاص دوستی نہیں ہو سکی تھی۔

میں تو اس نئی دنیا کو ابھی بہت گہرائیوں میں جا کر دیکھنا چاہتی تھی۔ اپنے نام کے ساتھ کوئی ایسی برائی وابستہ کرنا میری فطرت کے بالکل خلاف تھا۔ ویسے مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ سیالکوٹ سے اب تک کوئی نہیں آیا تھا، لیکن یہ خیال دل میں آیا ہی تھا کہ دوسرے ہی دن بھائی جلال الدین پہنچ گئے۔

گھر سے دور تھی اس لئے گھر والوں کے دلوں میں میری محبت کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ بہت ساری ایسی چیزیں بھیجی گئی تھیں جو مجھے بہت پسند تھیں کچھ نئے جوڑے بھی سلا کر بھیجے گئے تھے جو بلاشبہ بہت قیمتی تھے۔ جلال الدین بھائی سے گھر کے تمام حالات معلوم ہوئے...... پتہ چلا کہ والد صاحب قبلہ میری یہاں تعلیم حاصل کرنے

اور ہوسٹل میں قیام سے سخت ناراض ہیں اور کئی بار گھر میں ہنگامہ کر چکے ہیں۔ رفتہ رفتہ حالات اعتدال پر آتے جا رہے ہیں......

جلال الدین چلے گئے تو لڑکیاں جو میری خصوصی دوست تھیں، مجھ سے میرے گھر کے حالات پوچھنے لگیں میں نے ان تحائف میں سے ان کا حصہ بھی نکالا تھا۔ بہرطور بڑی ہنسی خوشی وقت گزر رہا تھا۔ پڑھائی میں بھی خاصی دلچسپی لے رہی تھی اور دنیا کو دیکھنے کا پورا پورا موقع مل رہا تھا۔ گو یہ دنیا بھی صرف لاہور تک محدود تھی۔ پھر ایک دن صدف بھابھی کا خط ملا۔ بڑا اہم خط تھا کہ محترم جمال الدین غازی صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ خود بھی ان کے ہمراہ دو دن کے لیے میکے آ رہی ہیں۔ ذرا ہنگامہ رہے گا، میں ہوشیار رہوں۔ میں فوراً ہی ہوشیار ہو گئی۔ صدف بھابھی کا خط ضائع کر دیا۔ والد صاحب کے آنے کی تاریخ خط میں لکھی ہوئی تھی۔

-----☆☆☆☆-----

اس دن خصوصی طور پر ناظمہ، ثناء، فریدہ اور کوثر کو ہوشیار کیا اور باقاعدہ طور پر پہرہ لگ گیا کہ جیسے ہی والد صاحب تشریف لائیں اطلاع دے دی جائے۔ خصوصی طور پر ان کے استقبال کے لیے ہم لڑکیوں نے لباسوں کا انتظام کیا تھا۔ اور یہ بھی شکر تھا کہ والد صاحب بڑے موقع سے تشریف لائے۔ عصر کی اذان ہو رہی تھی کہ ہمارے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ محترم جمال الدین غازی محترم چودھری الٰہی بخش کے ساتھ اور صدف بھابھی کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ بڑا ہی دلچسپ موقع مل گیا تھا۔ ناظمہ، ثناء، فریدہ اور کوثر فوراً ہی آ گئیں۔ ہم نے مشترکہ طور پر ایک لمبی چادر بچھائی۔ اذان تو ہو ہی چکی تھی نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور جب رخسانہ باجی اور دونوں بلکہ تینوں حضرات کو لے کر ہمارے کمرے میں داخل ہوئیں تو ہم سب سجدہ ریز تھے۔

یقینی طور پر متاثر بھی ہوں گے۔ بہرطور رخسانہ باجی کی معصیت میں انہیں ایک جگہ بٹھا دیا گیا اور وہ نماز ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ سلام پھیرنے کے بعد میں نے مڑ کر دیکھا اور والد صاحب کو دیکھ کر مسرت سے کھڑی ہو گئی۔ درحقیقت غازی صاحب تھے بھی تو میرے باپ اور اس وقت میرے دل میں بھی ان کا پیار امڈ آیا تھا چنانچہ قریب آ گئی۔

انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور حیرت و دلچسپی سے باقی لڑکیوں کو دیکھنے

لگے۔ پھر ان کے منہ سے بڑبڑاہٹ کے انداز میں نکلا......

''بھئی واہ بہت خوب، بہت خوب جی خوش ہوگیا......'' بڑا اچھا ماحول ہے یہاں کا، اوراس کے اثرات میں اپنی بیٹی کی شخصیت پر بخوبی محسوس کر رہا ہوں......''

ان کے یہ جملے سن کر میرا بھی جی خوش ہوگیا تھا۔ چوہدری الٰہی بخش بھی متاثر نظر آرہے تھے۔ معنی خیز نگاہوں سے والد صاحب کو دیکھا اور بولے۔

''یہ سب پروفیسر آفتاب حسین صاحب کا کمال ہے، بڑا اچھا آدمی ہے تم نے مجھے پہلے نہیں بتایا غازی، ورنہ میں خود ان سے بات کرتا، مگر، خیر چھوڑو، ہاں بیٹی ٹھیک ہو، اور بچیوں تم لوگ ٹھیک ٹھاک ہو۔''

چاروں لڑکیاں سلام کر کے باہر نکل گئیں، جائے نماز اٹھا کر رکھ دی گئی تھی۔

چودھری صاحب نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولے۔

''بچیوں پانچوں وقت کی نماز پڑھتی ہو......''

''اگر موقع مل جاتا ہے تو ضرور پڑھتے ہیں چچا جان، ویسے ہم لوگوں کو یہاں نماز کی عادت پڑ گئی ہے......''

''بھئی سبحان اللہ گھر میں تو اتنی پابندی نہیں کرتی تھی......'' غازی صاحب بھی کہے بغیر نہ رہ سکے۔

''میں نے کہا نا تم سے یہ سب پروفیسر آفتاب حسین شاہ کا کمال ہے، بڑی اچھی تربیت دیتا ہے بچیوں کو مگر میں اپنی بات پر اب بھی اڑا رہوں گا......''

صدف بھابھی، والد صاحب قبلہ اور چودھری صاحب کافی دیر میرے پاس بیٹھے رہے، تاہم غازی صاحب نے مجھے بہت سی نصیحتیں کرتے ہوئے کہا۔

''میں سخت خلاف تھا تیری تعلیم کے، لیکن لیکن یہاں کا ماحول دیکھ کر خوشی ہوئی ہے۔ اسی طرح اپنی زندگی جاری رکھنا اور خط وکتابت کرتی رہا کرو کبھی کبھی سمجھیں''

اس کے بعد وہ چلے گئے۔ صدف بھابھی نے جاتے ہوئے مجھے آنکھ ماری تھی، یقینی طور پر یہ صدف بھابی کا ہی کارنامہ تھا کہ میں غازی صاحب کے خیالات بدلنے میں کامیاب ہوگئی تھی......

تقریباً ساڑھے آٹھ بجے اچانک ہی چودھری الٰہی بخش صاحب کے ہاں سے ایک ملازم صدف بھابی کے ساتھ آیا۔ صدف بھابی مجھے لینے آئی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ دو دن تو وہ یہاں قیام کریں گی، لیکن غازی صاحب کل صبح ہی واپس چلے جائیں گے، چنانچہ یہ طے کیا گیا ہے کہ مجھے آج رات وہیں رکھا جائے، اجازت لے لی گئی ہے۔

وہ رات ہم نے چودھری صاحب کے ہاں گزاری، واقعی اچھا ماحول تھا ان کے گھر کا، ایک دو بار پہلے بھی میں یہاں آچکی تھی مگر انہی دنوں جب بھائی کمال الدین کی شادی کا سلسلہ چل رہا تھا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح کالج کے وقت پر یہاں سے رخصت ہوگئی تھی۔ والد صاحب نے پھر نصیحتیں کی تھیں۔ صدف بھابھی نے کہا تھا کہ وہ میرے ہوسٹل آئیں گی اور شام کو وہ آئیں اور رات گئے تک مجھ سے باتیں کرتی رہیں۔ ناظمہ، ثناء وغیرہ کو ان سے متعارف کرا دیا گیا تھا۔

چونکہ بھابی دو دن کے لئے آئی تھیں اس لئے تیسرے دن روانہ ہوتے وقت مجھ سے ملنے آئیں اور پھر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد میں نے سکون کی گہری سانس لی تھی۔ گویا اب یہاں میری تعلیمی حیثیت مستحکم ہوگئی تھی اور میری آگے کی پڑھائی میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی۔ ویسے تو لاہور کا چپہ چپہ حسین ہے، لیکن موسم برسات میں اس کا حسن اور بھی نکھر جاتا ہے، ہریالی اس طرح پھیلتی ہے کہ بس دیکھتے ہی رہو اور ان دنوں بادل چھائے ہوئے تھے۔

تیز بارش تو ابھی تک نہیں ہوئی تھی، لیکن ہلکی ہلکی پھوار کئی بار پڑ چکی تھی کالج

کی اور پھر ہوسٹل کی زندگی میں بھی موسم برسات کی آمد سے کچھ جولانیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ میں اپنے کمرے میں تھی۔ موسم تو بارش کا چل ہی رہا تھا۔ باہر کچھ ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے پانی برس رہا ہو۔ اتفاق سے میرے پاس کوئی موجود بھی نہیں تھا۔ سہیلیاں کہیں نکل گئیں تھیں۔ ویسے دوسرے کمروں میں لڑکیاں خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ کھڑکی کھول کر دیکھا تو چھما چھم بارش ہو رہی تھی، پھوار اندر آئی اور میرا چہرہ بھگو گئی...... میں نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی۔ طبیعت میں خواہ مخواہ ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ کھڑکی بند کر کے دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ سامنے کی راہداری میں رخسانہ باجی تیز تیز قدموں سے چلی آ رہی تھیں۔ بھیگ گئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر میرے ہی کمرے میں گھس آئیں۔

''توبہ ہے بارش ایسے شروع ہوئی ہے جیسے آسمان پر رکھا ہوا پانی کا کوئی برتن اچانک لڑھک گیا ہو۔ بھاگتے بھاگتے بھیگ گئی۔ توبہ......''

''آئیں میں آپ کے بال وغیرہ صاف کر دوں......'' میں نے تولیہ اٹھا کر کہا اور انہوں نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا، تولیہ میرے ہاتھ سے لے لیا اور اپنا چہرہ اور لباس خشک کرنے لگیں پھر بولیں......

''موسم واقعی بہت عمدہ ہو رہا ہے، لڑکیاں پیچھے پڑ رہی ہیں کہ راوی کی سیر کی جائے کہ اجازت لینا پڑے گی......''

''جی......''

''ویسے تمہیں سیر و سیاحت سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں معلوم ہوتی؟ شمائل کیا بات ہے؟''

''نہیں کوئی بات نہیں ہے رخسانہ باجی بس اپنے طور پر مصروف رہتی ہوں۔ اگر کبھی اس کا موقع آ جائے تو انکار بھی نہیں کروں گی......''

''یہ ساری لڑکیاں نجانے کدھر ہوں گی، ایک دوسرے کے کمرے میں گھسی ہوں گی......'' رخسانہ باجی نے کہا پھر بولیں۔

''اس وقت چائے کا موڈ ہو رہا ہے، بندوبست ہو سکتا ہے؟

''کیوں نہیں، میں ابھی انتظام کراتی ہوں'' میں نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آئی...... میں جانتی تھی کہ چائے کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں گرم چائے کے لیے کہہ کر واپس کمرے میں آ گئی رخسانہ باجی آرام سے بیٹھ گئیں۔ وہ سامنے کی ایک دیوار کو گھور رہی تھیں اور ان کے چہرے پر کسی قدر افسردگی کے آثار نظر آ رہے تھے...... مجھے دیکھ کر سنبھل گئیں اور پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

''کچھ ہوا......''

''ابھی آتی ہے......''

''زندہ باد......'' انہوں نے مسکرا کر کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بدستور مسکراتی رہیں، میں نے ان سے کہا۔

''ابھی آپ کچھ سنجیدہ سی نظر آ رہی تھیں رخسانہ باجی، خیریت کوئی خاص بات تو نہیں ہے؟''

''نہیں نہیں بس ایسے ہی بارش سے بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔ کوئی نہ کوئی یاد کسی وجہ سے ذہن میں سرک ہی آتی ہے......''

''رخسانہ باجی آپ یہاں سے کہیں جاتی نہیں ہیں، نہ کوئی آپ سے کبھی ملنے آتا ہے آپ کے اہل خاندان، عزیز و اقارب تو ہوں گے؟''

انہوں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھا اور کہنے لگیں۔

''تم لوگ ہو تو سہی یہ ساری بچیاں میری عزیز ہی تو ہیں''

''نہیں میرا مطلب ہے جس طرح ہوتے ہیں لوگ......''

"ہاں جس طرح لوگ ہوتے ہیں اس طرح میرا کوئی نہیں ہے......"

"کوئی بھی نہیں......؟" میں نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"ہاں شمائل کوئی نہیں اب تو کوئی نہیں ہے جو ہیں انہیں خدا رکھے مگر......" میں ان کی آواز میں ایک کرب محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"رخسانہ باجی! آپ مجھے اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گی۔؟"

"کیا فائدہ دبی ہوئی چنگاری کریدنے سے؟"

"یونہی بس ظاہر ہے اس موسم میں کچھ نہ کچھ تو کیا جائے ویسے اگر آپ پسند نہ کریں تو کوئی ہرج نہیں ہے"

"ناپسند کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ بہت مختصر سی کہانی ہے میری کوئی لمبی چوڑی زندگی نہیں ہے۔ بس یوں سمجھو تقدیر نے کچھ ایسے لکھ دیئے تھے۔ وہ ہو گئے اور شاید اب آگے کچھ نہ ہو"

میں ان کے اس الجھے الجھے انداز کو دیکھتی رہی میری نگاہوں میں سوالیہ کیفیت تھی۔ انہوں نے ایک بار پھر میرا چہرہ دیکھا پھر آہستہ بولیں۔

"بس یوں سمجھو کہ بچپن بیتا، ہوش سنبھالا، ہوش کی نجانے کون سی منزل تھی غالباً چودھویں سال میں تھی جب والدہ کا انتقال ہو گیا اور اس سے پہلے کی اگر بات کرتی ہوں تو گھر کا ایک عجیب ماحول دیکھا۔ ابا تھے، کیسے تھے کیا بتاؤں سمجھ لو کہ انہوں نے زندگی میں کبھی ماں بیٹیوں کو سکھ نہیں دکھایا۔ دکھوں کی آغوش میں پرورش پائی، پر جیتے رہے ماں بے چاری نجانے کیا کیا کرتی رہی۔ اسی طرح میری پرورش ہو رہی تھی اور گھر کا خرچ چل رہا تھا۔ ابا کی حالت یہ تھی کہ مارے باندھے کبھی کہیں جا کر کچھ نوکری وغیرہ کر لی، سو پچاس روپے کما لئے لے کر واپس آئے۔ گھر میں بیٹھ گئے اور اس کے بعد اس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلے جب تک وہ پیسے ختم نہ ہو گئے۔ انہیں کام کاج کرنے

کا شوق نہیں تھا اور بس ایسے ہی لوگوں میں ان کا اٹھنا بیٹھنا تھا جو اچھی صحبتوں والے نہیں تھے۔ ماں کی تقدیر میں آنسو لکھے گئے تھے اور یہی آنسو اسے گھلا کر بالآخر اس دنیا سے لے گئے، اور اب باپ کے ساتھ صرف میں رہ گئی تھی۔ ماں جو کچھ بھی کر لیا کرتی تھی اس سے باپ کا بھی بھلا ہو جاتا تھا اور گزرنے والی عمر نے اس کے اعضاء اور کمزور کر دیئے تھے۔ چنانچہ وہ کچھ کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ مجھے معاف کرنا میرے لہجے میں اپنے باپ کے لئے احترام نہیں ہے۔ کہاں تک جھوٹ بولوں کہاں تک مصنوعی لہجہ اختیار کروں جو میری آنکھوں نے دیکھا اور اس کے بعد جو میرے حال نے دیکھا اس نے مجھے باپ سے متنفر کر دیا تھا۔ باپ نے نجانے کیا کیا جتن کر ڈالے، زندگی گزارنے کے لیے، لیکن اسے کچھ آتا ہی نہیں تھا۔ آتا تو مجھے بھی نہیں تھا بس آنسوؤں میں ڈوبی رہتی تھی۔

کئی کئی دن کے فاقے ہو جاتے تھے، پڑوس کی کچھ ہمدرد عورتیں اگر کچھ خیال کر لیتیں تو کر لیتیں ورنہ اور کچھ نہیں تھا میرے پاس۔ پھر زندگی کے کچھ سال اور گزر گئے۔ غالباً اٹھارواں سال شروع ہوا تھا کہ والد صاحب نے ایک اور گل کھلایا جن صاحب کو لے کر وہ گھر آئے تھے ان کی عمر کسی بھی طرح چالیس بیالیس سال سے کم نہیں تھی۔ صحت البتہ بہتر تھی۔ گھر میں آئے مہمان کے طور پر رہے، مجھے دیکھا پرکھا اور والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ میری شادی ان سے ہونے والی ہے۔ میرے ذہن میں تو کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ زندگی جن مصائب میں گزر رہی تھی ان کے علاوہ اور کچھ دل میں آتا ہی نہیں تھا۔ شادی کا مفہوم جانتی تھی لیکن اس کے عوامل سے واقف نہیں تھی...... والد صاحب نے کہا کہ میری شادی کی جا رہی ہے میں خاموش ہو گئی۔ جو کچھ وہ کرنا چاہتے تھے بھلا میں کیسے روک سکتی تھی، آج تک نہ روک پائی تھی، چنانچہ افراد کو جمع کر کے ان صاحب سے میرا نکاح کر دیا گیا اور اس کے بعد میں اس گھر سے نکل آئی جہاں

مجھے رکھا گیا وہ ایک اچھا مکان تھا اور وہاں مجھے پیٹ بھر کھانا اور زندگی کی آسائشیں حاصل ہوئیں تو میں نے سوچا کہ درحقیقت میری تقدیر کے ستارے گردش سے نکل چکے ہیں، لیکن انسانی فیصلے پائیدار نہیں ہوتے، ستاروں کا حال ستارے ہی جانتے ہیں۔

مجھے وہاں رہتے ہوئے تقریباً چھ ماہ گزرے تھے اور یہ چھ ماہ یقیناً زندگی کے خوش گوار لمحات میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میری اور ان کی عمر میں کتنا فرق ہے......؟ وہ کس قسم کے انسان ہیں اور مجھے ان کے ساتھ کس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے بس یوں سمجھو شائل کہ ناواقفیت کے دور میں تھی...... اور دنیا کے بارے میں صحیح طور پر سوچنا بھی نہیں جانتی تھی کہ ایک شام کو کچھ لوگ اس گھر میں داخل ہوئے، ایک خاتون پیش پیش تھیں اور ان کے ساتھ تین یا چار مرد تھے...... انہوں نے آتے ہی میرے شوہر کو مارنا شروع کر دیا۔

خاتون دہاڑ رہی تھیں اور میرے شوہر کی اچھی خاصی پٹائی ہو رہی تھی۔ میں ہکا بکا رہ گئی، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں، کیا چاہتے ہیں......؟

پڑوس کے لوگ جمع ہو گئے تب خاتون نے بتایا کہ وہ میرے شوہر کی پہلی بیوی ہیں...... اور یہ خفیہ شادی میرے شوہر نے اس سے چھپا کر کی ہے۔ خاتون نے بتایا کہ ان کے کئی بچے ہیں اور پچھلے ماہ سے وہ بھوکے مر رہے ہیں اور میرے شوہر انہیں کچھ بھی نہیں دے رہے۔ محلے والوں نے لعن طعن کی اور کافی برا بھلا بھی کہا، میرے شوہر شرمندہ ہو گئے اور انہوں نے اپنی پہلی بیوی سے معافی مانگتے ہوئے کہا...... کہ وہ ان کے ساتھ چل رہے ہیں اور ان کے لیے وہ سب کچھ کریں گے جو ان کی ذمہ داری ہے، مجھ سے انہوں نے کہا کہ میں یہاں آرام سے رہوں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، وہ میرا بھی خیال رکھیں گے، اور اس کے بعد وہ وہاں سے چلے گئے......

تقریباً دو ماہ تک ان کی واپسی نہ ہوئی اس دوران بے شک میرے لئے کوئی

پریشانی نہیں تھی۔ کھانا پینا سب کچھ تھا لیکن تنہائی تھی۔ اور میں اکیلی زندگی گزارنا نہیں جانتی تھی۔ دو ماہ کے بعد وہ واپس آئے اور انہوں نے کہا کہ یہاں سے چلنا ہوگا اور اس کے بعد خاموشی سے انہوں نے یہ گھر چھوڑ دیا...... میں اب تھوڑی بہت سمجھدار ہوگئی تھی جس نئے گھر میں وہ مجھے لے گئے وہ ایک فلیٹ تھا جس کے تین کمرے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ پرانا گھر کیوں چھوڑ دیا وہ کہنے لگے......

دیکھو رخسانہ تمہیں اب معلوم ہو چکا ہے کہ میری پہلی بیوی موجود ہے۔ نہایت بدتمیز، جاہل اور پھوہڑ قسم کی عورت ہے وہ پانچ بچوں کی ماں ہے میرا اس کے ساتھ کس طور گزارہ نہیں ہوسکتا، وہ لوگ جو اس کے ساتھ آئے تھے جنہوں نے یہاں آکر مار پیٹ کی تھی اس کے رشتے دار ہیں، میں دو مہینے تو گزار آیا ہوں ان کے پاس، لیکن موقع ملتے ہی پھر سے بھاگ آیا ہوں، جانتی ہو وہ لوگ کیا کہتے ہیں......

''کیا کہتے ہیں......؟ میں نے سہم کر پوچھا......

''وہ کہتے ہیں کہ میں تمہیں طلاق دے دوں، چھوڑ دوں اور وہیں آکر رہوں، ایک پیسہ بھی تمہیں نہ دیا جائے اور میں اپنا سارا کاروبار اس کے نام پر کردوں...... لیکن میں یہ نہیں چاہتا۔ اس لئے میں نے گھر بدل لیا ہے، فی الحال ہم دونوں یہاں رہیں گے اس کے بعد اس شہر کو بھی چھوڑ دیں گے......

میں پریشان ہوگئی تھی...... بہرطور میرے شوہر میرے ساتھ رہے کچھ عرصے کے بعد ہمارے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی اور میں خوشی سے پھولی نہ سمائی دوسرے سال پھر میرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اب ہم دو بچوں کے ماں باپ بن گئے تھے۔ لیکن میں نے اس کے بعد یہ محسوس کیا تھا کہ میرے شوہر مجھ سے بد دل ہوتے جارہے ہیں'' وہ اکثر مجھے جھڑکتے تھے ڈانٹتے تھے اور گالیاں دیتے رہتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ میں بالکل غیر معیاری عورت ہوں اور کسی بھی طرح ان کی حیثیت کا مقابلہ نہیں کرسکتی، حالانکہ ان

کی عمر اچھی خاصی ہوگئی تھی، لیکن صحت اچھی ہونے کی وجہ سے وہ اب بھی خاصے اسمارٹ نظر آتے تھے۔ پھر ایک دفعہ میں نے ان کے ساتھ ایک اور خاتون کو دیکھا...... عمر تقریباً چھبیس ستائیس سال ہوگی بنی ٹھنی ان کے ہمراہ جا رہی تھی۔

میرے پورے وجود میں شعلے دہکنے لگے، رات کو جب گھر واپس آئے تو میں نے ان سے اس خاتون کے بارے میں پوچھا۔ غرا کر بولے کہ مجھے اس سے غرض نہیں رکھنی چاہئے، صرف اپنے روٹی کپڑے سے غرض رکھوں۔ دو بچوں کی ماں تھی، اب روٹی میرے لئے اتنی اہم نہیں رہی تھی، خدشوں نے مجھے بری طرح گھیر لیا، میں نے دل میں سوچا کہ یہ شخص تو عادی مجرم ہے ہوسکتا ہے اس عورت سے بھی اس نے شادی کر لی ہو۔ غرض یہ کہ میں خاصی پریشانیوں کا شکار رہی وقت گزرتا چلا گیا۔ بچے اب چار اور پانچ سال کے ہو چکے تھے، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے شوہر کی مشغولیات کیا ہیں۔ وہ بچوں کے پاس کبھی کبھی ہی آتے تھے۔ پھر ایک دن جب وہ آئے تو میں نے لجاجت سے ان سے پوچھا۔ تب انہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے تیسری شادی کر لی ہے اور اب وہ اپنی نئی بیگم کے ساتھ رہتے ہیں۔ انہوں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ اس کے ہاں اولاد نہیں ہوئی، وہ بانجھ ہے اور اسی وجہ سے افسردہ رہتی ہے۔

بہرحال بڑا ظالم تھا یہ شخص بالکل میرے باپ کی مانند، پہلی بیوی کو تو وہ بھول ہی چکا تھا...... اور اب نہایت سادگی سے مجھے بتا رہا تھا کہ اس نے تیسری شادی کر لی ہے۔ پانچ بچے پہلی بیوی کے تھے، دو میرے...... پہلی بیوی اور بچوں کو تو وہ بالکل ہی نظر انداز کر چکا تھا اور اب تھوڑے عرصے کی بات تھی کہ میرے بچوں کو بھی نظر انداز کر دیا جائے گا......

میں نے پہلی بار سختی کا برتاؤ کرتے ہوئے اس سے کہا کہ میں اس کی پہلی بیوی اور بچوں کو تلاش کر کے اس کی ساری حرکات ان کے گوش گذار کروں گی، بس

جناب وہ آگ بگولہ ہوگیا، مجھے مارا پیٹا اور اس کے بعد یہ ان کا معمول بن گیا۔ بچے سہمے سہمے رہتے، باپ کی محبت انہیں حاصل نہیں تھی، ایک عجب سی بے کسی کا ماحول طاری ہوگیا تھا مجھ پر اور اب مزید تفصیلات میں کیا جاؤں شائل، بس یوں سمجھ لو ان حالات میں جتنے دن گذار سکی گذارے اور ایک دن انہوں نے طلاق لکھ کر میرے ہاتھ میں تھما دی اور دونوں بچوں کو اپنے ساتھ لے گئے، مجھے پتہ نہیں چل سکا کہ میرے بچوں کو لے کر کہاں گئے، سالہا سال انہیں اور اپنے بچوں کو ڈھونڈتی رہی کوئی نہیں ملا، ادھر میرا اس دنیا میں کوئی اور بھی نہیں تھا چنانچہ بے در بے گھر ماری ماری پھرتی رہی، بہت سے گھروں میں ملازمت کی۔ حلیہ بگاڑ لیا تھا اپنا، تاکہ بری نگاہوں کا شکار نہ بن سکوں، بہت سے حادثے بھی گذرے اور بالاخر عمر آگے بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ اس ہوسٹل میں ملازمت مل گئی اور اب طویل عرصے سے یہیں رہتی ہوں۔ بس یہ ہے میری کہانی، اس دن کے بعد سے میں نے اپنے بچوں کو کہیں نہیں دیکھا...... اور وہ ظالم سنگدل شخص بھی مجھے کہیں نظر نہیں آیا کبھی کبھی بچوں کو یاد کرتی ہوں تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور بارش کا موسم تنہا انسانوں کے لئے یادوں کا موسم ہوتا ہے۔ بارش کے ان چھینٹوں کے ساتھ ساتھ یادیں بھی آسمان سے برسنے لگتی ہیں بس ایسے ہی خیال آ گیا تھا ان ساری باتوں کا......

رخسانہ باجی کی پلکوں پر آنسو لرز رہے تھے اور میں انہیں سحر زدہ سے انداز میں دیکھ رہی تھی، کچھ دیر کے بعد وہ چلی گئیں، لیکن میرے لیے بہت سے دل گداز احساسات چھوڑ گئیں، یہ کیا بات ہے، انسانی زندگی پر اتنے بوجھ کیوں ہیں، مرد عورتوں پر مظالم کیوں کرتے ہیں، یہ مرد اتنا ظالم کیوں ہوتا ہے، کیا ہر حالت میں وہ صرف ظلم کرنا ہی جانتا ہے......؟ اسے حاکمیت کا اتنا شوق کیوں ہوتا ہے، اور اگر حاکمیت کا شوق رکھنا بھی ہے تو اپنے جیسوں پر حکومت کیوں نہیں کرتا، صرف یہی ایک کمزور مخلوق کیوں اس

کے ہاتھ آ گئی ہے اور کیا یہ مخلوق واقعی اتنی ہی کمزور ہے کہ مرد کے ان مظالم کے خلاف آواز نہیں بلند کر سکتی۔ کیوں آخر کیوں......؟''

میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھا، میں کسی بھی طرح کسی عام نوجوان سے کمزور نہیں تھی، بچپن ہی سے اچھی صحت کی مالک تھی، تندرست وتوانا جسم رکھتی تھی اور بعض اوقات میں نے طاقت کے چھوٹے موٹے مظاہرے بھی کیے تھے لیکن ان کی کوئی حیثیت اس وقت میرے ذہن میں نہیں آئی تھی، البتہ اس وقت میں نے بڑے ٹھنڈے دل سے سوچا کہ یہ صنف صرف مظالم سہنے والوں میں سے کیوں ہے۔ یہ ظلم کیوں نہیں کرتی ان لوگوں پر جو اس پر ظلم کرتے ہیں، وہ ان لوگوں کی اجارہ داری کیوں نہیں ختم کر دیتی، وہ ان کے احساسات کو کیوں نہیں توڑ دیتی...... کیا یہ جنس ایسا نہیں کر سکتی، کیوں آخر کیوں......

میری نگاہوں میں بہت سے ایسے واقعات اور مضامین آ گئے جن میں حقوق نسواں کا ذکر کیا گیا تھا۔ بے شمار افراد جن میں مرد بھی شامل ہوتے تھے حقوق نسواں پر مضامین لکھتے تھے، بہت سی ایسی باتیں منظر عام پر آئی تھیں شاید کوئی ادارہ حقوق نسواں کا عالمی دن بھی مناتا تھا، لیکن یہ حقوق نسواں کیا ہیں......؟ عورت کا حق اس دنیا پر کیا ہے، مرد کو اس قدر برتری کیوں حاصل ہے کہ وہ صرف مظالم کرتا ہے۔

ابتدا اپنے گھر ہی سے دیکھی تھی۔ جناب قبلہ غازی صاحب تھے جنہوں نے کمال الدین اور جلال الدین کو صرف اس لیے فوقیت دی ہوئی تھی کہ وہ ان جیسے مرد ہیں۔ انہیں سینہ تان کر گھروں میں رہنا چاہیے۔ ماں سے لے کر ہم ساری بہنوں تک انہوں نے ہمارے پیروں میں غلامی کی زنجیریں ڈال رکھی تھیں۔ نعیمہ آپا کو ان کی مرضی کے خلاف ایک موٹر مکینک کے حوالے کر دیا تھا۔ عرفانہ باجی کو مولوی صاحب کے سر باندھ دیا تھا۔ اور اگر ماموں احتشام میری مدد نہ کرتے تو میرے لیے بھی ایسا ہی کوئی

احمق پکڑ لیا جاتا۔'' یہ مظالم ہر شکل میں کیے جا رہے ہیں، شوہر کی حیثیت سے بیوی پر۔ باپ کی حیثیت سے بیٹی پر، یہ...... یہ سب کچھ تو درست نہیں ہے آخر اس کے خلاف کوئی موثر آواز کیوں بلند نہیں ہوتی۔

دنیا کے عالمی ادارے انسانیت کے تحفظ کے لیے بڑے بڑے کارنامے سر انجام دیتے ہیں، اربوں ڈالروں کا فنڈ جمع کیا جاتا ہے، حقوق نسواں کے لیے کوئی ایسا ادارہ کیوں نہیں قائم کیا جاتا، جو واقعی عورتوں کے حقوق کا تحفظ کرے۔ تب میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا جتنے اداروں کا قیام عمل میں آتا ہے ان میں مرد کا ہاتھ پیش پیش ہوتا ہے۔ ظاہر ہے وہ اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی تو نہیں مار سکتا۔ اپنی ہی گردن تو نہیں کاٹ سکتا۔ طریقہ کار ہی غلط ہے یہ ادارے تو صرف خواتین کے ہاتھ ہونے چاہئیں اور ان میں پورے طور پر ان مردوں کا محاسبہ ہونا چاہیے۔ بہت سنگدلی کا اظہار کیا جاتا ہے یقینی طور پر کوئی ایسا موثر طریقہ کار عمل میں لایا جائے جس سے عورت کو صحیح معنوں میں مرد کی برابری کا درجہ حاصل ہو۔ میں نجانے کب تک ان خیالات میں ڈوبی رہی تھی۔

دو تین دن گزر گئے، موسم بھی صاف ہو گیا تھا اور کلاسیں باقاعدہ لگ رہی تھیں۔ ابتدا میں تو میں کئی دن ان احساسات کا شکار رہی لیکن رفتہ رفتہ پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی تھی۔ دراصل میری اپنی فطرت میں جو سیمابیت تھی وہ مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی......لیکن حقیقت یہ تھی کہ سیالکوٹ سے نکل کر لاہور تک پہنچ جانے کی امید کبھی خواب میں بھی نہیں کی تھی۔ پہلے اس ماحول سے متفق ہو جاؤں یہ یقین کر لوں کہ قبلہ غازی صاحب نے مجھے حقیقی معنوں میں وہ آزادی بخش دی ہے جو اس وقت مجھے حاصل ہے، ہو سکتا ہے یہ صرف ماموں احتشام کا دباؤ ہو اب ذہنی طور پر وہ ان تمام چیزوں سے متفق نہ ہوں، حالانکہ جب وہ چودھری الٰہی بخش صاحب کے ساتھ آئے تھے تو انہوں نے زیادہ برہمی کا اظہار نہیں کیا تھا، لیکن اپنے باپ کو مجھ سے زیادہ اور کون

جان سکتا تھا۔ ان کے دل میں کیا ہوگا۔ میں ہی سمجھ سکتی تھی۔ چنانچہ ابھی اپنے قدم ادھر ادھر نہیں اٹھائے تھے۔ وہ بات میرے ذہن میں کسی قدر مدہم پڑ گئی تھی ہاں جب بھی کبھی رخسانہ باجی کو دیکھتی تو دل میں ساری کہانی ابھر آتی۔ میں انتہائی درد سے سوچتی کہ انہیں اپنے بچے کس طرح یاد آتے ہوں گے۔ پھر ایک دن ایک اور تماشہ ہوا جس نے میرے ذہن میں ایک بار پھر آگ لگادی۔ ناظمہ سانولی سلونی دبلے پتلے بدن کی مالک، آنکھوں میں گہری سنجیدگی لئے ہوئے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لانے والی ناظمہ جو سب سے پہلے اس ہوسٹل میں میری دوست بنی تھی اس دن بہت زیادہ پریشان نظر آرہی تھی۔ اس کا سانولا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ میں نے ایک ہی نظر میں بھانپ لیا اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ دروازہ بند کیا اور اس سے احوال پوچھنے لگی......

''خیریت تو ہے ناظمہ، کیا عشق کا تیر دل کو گھائل کر گیا ہے۔ بھئی یہ اڑی اڑی سی رنگت، یہ کھلے کھلے سے گیسو ایسی ہی کہانیاں سناتے ہیں۔''

ناظمہ نے ایسی بے کسی کی نگاہوں سے مجھے دیکھا کہ میرا دل لرز کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''باؤلی دوست کس لئے ہوتے ہیں اس دنیا میں، کیا ہوگیا تجھے دیوانی، کچھ بتا کیا میرا خیال درست ہے۔

''کیسی باتیں کرتی ہو شمائل ہم جیسے کم نصیب کہیں زندگی کی ان لطافتوں سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ یہ تو بہت دور کے لوگوں کی بات ہے۔ ہماری زندگی تو بس ان مسافتوں میں متوازن سانسوں کے ساتھ گزر جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ خوب گزری''

ناظمہ کے لہجے میں ایسی یاسیت تھی کہ میں پریشان ہوگئی۔

''بھئی کچھ بتاؤ تو سہی مجھے، بات کیا ہے۔

''چھوڑو شمائل بس دنیا بہت بری ہے، بہت بری ہے شمائل یہ دنیا، پتہ نہیں جینے سے اتنی دلچسپی کیوں ہوتی ہے انسان کو، میں تو کہتی ہوں کہ اگر جینا ممکن نہ رہے تو بہتر یہ ہے کہ موت کو اپنا لیا جائے یہ سہارا تو حاصل ہے زندگی کو کہ جب وہ اپنی مشکلات کا کوئی حل نہ پائے تو موت کی آغوش میں پناہ لے لے، لیکن خودکشی بھی حرام قرار دے دی گئی ہے۔ مذہب سے خارج ہو جاتا ہے انسان، کیوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ جب جینے کے راستے ہی بند ہو جائیں، اتنی مشکلات سامنے آجائیں کہ ان کے حل کا تصور مٹ جائے تو پھر انسان کیا کرے موت کے سوا''

''ناظمہ مجھے نہیں بتاؤ گی کیا بات ہے، کیا پریشانی ہے تمہیں؟

''امی بیمار ہیں......'' ناظمہ نے ایک سسکی سی لے کر کہا......

''اوہ کیا بات ہے خیریت......؟''

''بس بیمار ہیں وہ۔ میرے پاس خط آیا ہے ان کا......''

''اتفاق کی بات ہے ناظمہ کہ کبھی میرے اور تمہارے درمیان گھریلو گفتگو ہی نہیں ہوئی۔ میں نے بھی تم سے کچھ نہیں پوچھا...... تم نے بھی مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔ حالانکہ میں نے خود تمہیں اپنے گھر کے بارے میں ساری تفصیلات بتا دی تھیں۔ بلکہ میرے والد صاحب سے بھی تم مل چکی ہو؟'' میرے خیال میں یہ زیادتی ہے تمہاری، براہ کرم مجھے تفصیل بتاؤ، قصہ کیا ہے۔

ناظمہ نے ایک لفافہ نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دیا اور میں کھلے ہوئے لفافے میں سے پرچہ نکال کر پڑھنے لگی، لکھا تھا۔

''پیاری بیٹی، خوش رہو، کیسے کہوں کہ ٹھیک ہوں، ٹھیک نہیں ہوں، بہت دن سے بیماری چل رہی ہے۔ آنکھوں میں بھی کچھ تکلیف ہوگئی ہے جس کی وجہ سے اب کام نہیں کر پا رہی۔ ان کا وہی حال ہے جو ہمیشہ سے تھا۔ بہت کم آتے جاتے ہیں اور

جب آتے ہیں تو برا بھلا ہی کہتے رہتے ہیں جو کچھ ہوتا ہے لے جاتے ہیں۔ کوئی تبدیلی نہیں ہے ان کے انداز میں، اب اپنی شرمندگی کا اعتراف کتنی بار کروں۔ جو ہوا غلط ہوا۔ میں اس پر روز اول سے شرمندہ ہوں بار بار یہی باتیں لکھتے ہوئے یا کرتے ہوئے مجھے خود غیرت آتی ہے۔ بس تمہارا احساس ہے۔ تمہاری پریشانیوں کا اندازہ ہے۔ ان حالات میں مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ تمہیں پیسے بھی نہیں بھیج سکتی کیونکہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں، کھانسی رہتی ہے ہر وقت بخار کی سی کیفیت طاری رہتی ہے، ناظمہ میں بہت شرمندہ ہوں۔ ذرا سی صورت حال بہتر ہوئی تو تمہیں کہیں نہ کہیں سے پیسے حاصل کر کے بھیجوں گی۔ اس دوران جس طرح بھی بن پڑے اپنا کام چلا لو......

تمہاری بدنصیب ماں

میں نے خط پڑھ کر ناظمہ کے حوالے کر دیا اور افسردہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی پھر آہستہ سے کہا۔

''مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی ناظمہ......'' ناظمہ رو پڑی، کہنے لگی۔

''کیا بتاؤں بس یوں سمجھ لو ماں سے ایک غلطی ہوگئی۔ ہم لوگ گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ بہت عرصے سے ہمارے خاندان والے وہیں آباد تھے۔ میرے والد ملازمت کیا کرتے تھے بہت معمولی سی زندگی گزار رہے تھے۔ ہم لوگ جس میں بس گزر بسر ہو جایا کرتی تھی۔ پھر تقدیر کی ہواؤں نے ہم سے ہمارا سکون چھین لیا۔ والد صاحب بیمار ہو گئے اور یہ بیماری ایسی جان لیوا ثابت ہوئی کہ ان کی جان لے کر ہی ٹلی۔ ہم بے سہارا ہو گئے۔ میں نے میٹرک پاس کر لیا تھا اور میرا آگے پڑھنے کا ارادہ تھا، لیکن والد صاحب کی موت کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، ماں باپ کی اکلوتی تھی ان کے دلوں میں میرے لئے آرزوئیں تھیں، لیکن ساری آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور ہم لوگ شدید پریشانیوں کا شکار ہو گئے۔ بالآخر جب غم کا طوفان کم ہو گیا اور زندگی ایک صبر بن گئی تو

ماں نے ہی صورت حال سنبھال لی۔ پاس پڑوس کے کپڑے وغیرہ سی کر گزارہ کرنے لگی۔ گھر کی دال روٹی ہی چل رہی تھی بس پڑھائی وغیرہ کا تصور ختم ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس طرح تقریباً دو تین سال گزر گئے۔ ماں کے ایک دور کے عزیز تھے غالباً رشتے کے بھائی ہی لگتے تھے لاابالی سے آدمی تھے شاہد حسین نام تھا...... ہمدردی کرنے کے لئے ہمارے پاس آئے تھے لیکن اس کے بعد بضد ہو گئے کہ میری امی سے نکاح کر لیں۔ ابتداء میں تو امی نے ان کے ساتھ خاصا برا سلوک کیا لیکن بعد میں کچھ ایسے لوگوں نے جو ہمارے رشتے دار تو نہیں تھے، لیکن پاس پڑوس کے بزرگ تھے اور ہم سے ہمدردی رکھتے تھے، امی کو مجبور کیا کہ پہاڑ سی زندگی کاٹنے کے لیے اگر کوئی سہارا مل رہا ہے تو اسے کیوں نہیں قبول کر لیتیں۔ بہت سوچا سمجھا اور بالآخر امی تیار ہو گئیں۔ میں نے نہ خوشی کا اظہار کیا تھا نہ افسوس کا۔ میں خود بھی اب اتنی بے وقوف نہیں تھی سمجھتی تھی کہ دو بے سہارا عورتوں کے لیے کسی مرد کا سہارا کتنا ضروری ہے۔ امی نے مجھ سے سوال کیا تو میں نے خاموشی اختیار کر لی اور اس سلسلے میں اپنی رائے محفوظ رکھی۔ بالآخر نکاح ہو گیا۔

شاہد صاحب نے ابتداء میں تو ہمیں نہال کر دیا۔ ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔ میری تعلیم کے سلسلے میں بھی وہ بڑی سرگرمی سے گفتگو کیا کرتے تھے، لیکن تھوڑے عرصے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ان کی نظر کرم امی سے زیادہ میری جانب ہو گئی ہے میں تو بھونچکی رہ گئی۔ ٹھیک ہے وہ میرے باپ نہیں تھے، لیکن باپ کا ہی درجہ دیا تھا میں نے انہیں، کبھی بھول کر بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ باپ کے علاوہ بھی اور کوئی حیثیت ہو سکتی ہے ان کی، لیکن ان کی باتوں سے مجھے احساس ہونے لگا کہ دال میں کچھ کالا ہے کتنا ہولناک تھا یہ مسئلہ۔ امی کو بھی کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔ ساری زندگی جہنم بن کر رہ جاتی۔ لیکن امی بیوقوف نہیں تھیں، دنیا کی نگاہیں پہچانتی تھیں، کچھ ایسی باتیں انہوں نے بھی محسوس کیں جن سے انہیں یہ احساس ہو گیا کہ شاہد صاحب شیطان صفت آدمی ہیں۔

انسانی اقدار اور انسانی معیار سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ اس تصور نے امی کو بدحواس کر دیا اور بے حال ہو کر وہ میرے سامنے ہی زبان کھول بیٹھیں۔

انہوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے سرد لہجے میں انہیں تفصیلات بتا دیں اور شاہد صاحب کی تنہائی میں کی جانے والی حرکتوں کی پوری تفصیل ان کے گوش گزار کر دی۔ امی کو چکر آ گیا تھا، کہنے لگیں۔

''اب کیا ہوگا ناظمہ، اب کیا ہوگا......؟''

''میرا تجربہ آپ سے زیادہ نہیں ہے امی۔ آپ سے زیادہ نہیں تھا، آپ اپنے فیصلوں پر قادر تھیں اور اس سلسلے میں بھی اب میں آپ ہی کا فیصلہ افضل سمجھتی ہوں......''

امی بلک بلک کر رو پڑی تھیں انہوں نے کہا کہ وہ تو یہ سب کچھ نہیں چاہتی تھیں خدا غارت کرے ان سمجھانے والوں کو جنہوں نے انہیں اس نئی مصیبت میں ڈال دیا کو سنے کچھ دے نہیں سکتے تھے۔ ہمارے سامنے ایک بھیانک مستقبل آ کھڑا ہوا تھا۔ بہت غور و خوض کرنے کے بعد امی نے فیصلہ کیا کہ مجھے لاہور بھجوا دیا جائے۔ ہوسٹل میں داخل کرا دیا جائے اور میں یہیں اپنی تعلیم پوری کروں۔ بعد میں دیکھیں گے کہ تقدیر کیا فیصلے کرتی ہے۔ یہ فیصلہ امی نے شاہد حسین صاحب کے علم میں لائے بغیر ہی کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ جو کچھ محنت مزدوری کریں گے اس کا بڑا حصہ مجھ پر خرچ کر دیں گی اور اس وقت تک خرچ کرتی رہیں گی جب تک کہ میری زندگی کو کوئی معقول سہارا نہ مل جائے سچ بات تو یہ ہے شائل کہ تعلیم تو کیا حاصل کر رہی ہوں یہاں ہوسٹل میں اپنی عزت بچانے کے لئے پڑی ہوئی ہوں۔ امی جو تھوڑا بہت بھیج دیتی ہیں اس سے گزارہ کر رہی ہوں۔ ہوسٹل کے اخراجات میرے بس کی بات نہیں ہیں۔ لیکن تم یقین کرو۔ کیا بتاؤں تمہیں، کیسے وقت گزار رہی ہوں اور اب یہ افتاد آ پڑی ہے''

میرا سینہ ایک بار پھر جہنم زار بن گیا۔ یہاں بھی مرد کی ستم افشانی موجود تھی یہ

مرد آخر ہے کیا چیز؟ تو یہ جنگل میں بسنے والے خونخوار درندوں سے بھی زیادہ خونخوار ہے، کہاں کہاں اس نے اپنی خون آشامیاں شروع کر رکھی ہیں۔ بہرحال ناظمہ کا مسئلہ مجھے حل کرنا تھا۔ میں نے اسے بہت سی قسمیں دیں اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسے ہوسٹل میں اپنے کمرے میں منتقل کر لیا تھا۔

رخسانہ باجی نے اس سلسلے میں میری مدد کی تھی، کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا، کمرہ پوری طرح میرے پاس تھا اور میں اس کی ادائیگی کیا کرتی تھی، اس کے بعد میں نے ایک اچھی خاصی رقم ناظمہ کے بتائے ہوئے پتے پر روانہ کی اور ناظمہ سے یہ بھی پوچھا کہ اگر وہ گوجرانوالہ جانا چاہتی ہے تو میرے ساتھ چلے۔ اس پر اس نے لرزتے ہوئے کہا کہ وہ وہاں نہیں جائے گی، ماں کی ہدایت تھی کہ اس وقت تک جب تک وہ خود کبھی ناظمہ کو نہ لکھے، ناظمہ ادھر کا رخ نہ کرے۔ ناظمہ نے اپنی مجبوری بتائی اور میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن اب یہ احساس میرے ذہن کی جڑوں میں بیٹھ گیا تھا کہ مرد کی ان ستم آرائیوں کے خلاف کوئی محاذ قائم ہونا چاہئے میری فطرت میں سکون نہیں تھا۔ اپنے ماضی کے بارے میں جو تفصیل میں نے بتائی ہے اس میں آپ کو میری شخصیت کی جھلکیاں مل گئی ہوں گی۔ بس یہ سمجھئے کہ جناب قبلہ غازی صاحب کے زیر ستم تھی اس لئے میری صلاحیتیں نہیں ابھر پائی تھیں لیکن خدا بھلا کرے ماموں احتشام کا کہ انہوں نے لمحاتی آزادی عنایت فرمائی تھی۔ مگر اب اس لمحاتی آزادی کو میں کسی بھی طور ختم کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ چاہے اس کے لیے مجھے بہت کچھ ختم کرنا پڑے۔ یہ منصوبہ بھی ذہن میں تھا کہ مستقبل میں مجھے کیا کرنا ہوگا اور دوسرا تصور ذہن میں یہی تھا کہ ان مظلوم عورتوں کے لئے کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کیا جائے جس میں انہیں تحفظ حاصل ہو سکے، بہت سی سوچیں دامن گیر تھیں۔ بہت سے احساسات ذہن میں آتے رہتے تھے۔ اپنی پہنچ کا بھی اندازہ کر رہی تھی اور ابھی تک میں نے اپنی اس تصوراتی دنیا

میں کسی اور کو نہیں آنے دیا تھا بس کسی ایسے الہ دین کے چراغ کی تلاش میں تھی جو میری ان مشکلات کا حل مجھے پیش کر دے اور میں اپنے مقصد کی جانب قدم بڑھا دوں۔ دل میں اگر کسی چیز کی لگن پیدا ہو جائے تو قدرت وسائل مہیا کر دیتی ہے۔ کچھ دن کے بعد حقوق نسواں کا عالمی دن منایا جانے والا تھا۔ یونیورسٹی اور کالجوں میں اس سلسلے میں تیاریاں شروع ہو چکی تھیں مباحثے اور مذاکرے منعقد کئے جانے والے تھے۔

آفتاب حسین شاہ صاحب نے بھی ہمارے کالج میں انتظامات کئے تھے اور لڑکیوں سے کہا گیا تھا کہ جو لڑکیاں ان مباحثوں میں حصہ لینا چاہیں وہ تیاریاں شروع کر دیں اور ضروری امور طے کر لیں۔ میں نے فوراً ہی اس سلسلے میں اپنا نام پیش کر دیا اور اس کے بعد میں فاضل اوقات میں دل کی بھڑاس کاغذ پر نکالنے میں مصروف ہو گئی۔ یہ کوئی اتنا اہم مسئلہ نہیں تھا جسے میں اپنی متعین کردہ راہوں کے لیے سنگ میل سمجھ لیتی لیکن کم از کم ابتداء کا موقع مل رہا تھا جو کچھ کہنا چاہتی تھی وہ کہنے کا موقع تو حاصل ہو رہا تھا۔ میں دن رات تیاریوں میں مصروف رہی اور بالآخر میں نے اپنی تقریر تیار کر لی......

دن آ گیا کالج کے بڑے سے ہال میں انتظام کیا گیا...... مہمان خصوصی لاہور کی ایک معزز خاتون مسز شاہانہ غوری کو بنایا گیا تھا۔ مسز شاہانہ غوری سوشل ورکر تھیں اور مقامی طور پر ادارہ حقوق نسواں کی ڈائریکٹر تھیں انہوں نے اپنے طور پر جو کچھ بھی کیا تھا اس کی تھوڑی بہت تفصیلات مجھے بھی معلوم ہو چکی تھیں۔ لیکن مجھے ان سے غرض نہیں تھی۔

-----☆☆☆☆☆-----

میری دوست لڑکیاں بھی ان مباحثوں میں حصہ لینے کے لیے تیار تھیں۔

بہر طور وہ وقت آ گیا جب کالج کا ہال نوجوان عمر طلبہ وطالبات سے بھر گیا بہت سے بیرونی لوگ بھی آئے تھے۔ پھر مسز شاہانہ غوری تشریف لے آئیں۔ بڑی پر وقار اور شاندار شخصیت کی مالک تھیں...... چہرے پر ایک انوکھی متانت اور بردباری چھائی ہوئی تھی۔ آفتاب حسین شاہ صاحب اور دوسرے افراد بھی آ گئے اور تقاریر کا دور شروع ہوا۔ مجھ سے پہلے پانچ لڑکیوں نے تقریریں کیں۔ اچھی تقریریں تھیں لیکن میں نے جو تقریر کی تھی وہ میرے کچے ذہن کی پیداوار تھی اور میں نے اس میں دل کھول کر رکھ دیا تھا...... یہ سوچے سمجھے بغیر کہ میں کیا کہوں گی اور جو کچھ کہوں گی اس کے نتائج کیا ہوں گے۔

لڑکیوں کی تقریروں پر ہوٹنگ بھی ہوتی رہی تھی اور اس میں لڑکے ہی پیش پیش تھے۔ لڑکیوں نے ان تمام تقاریر کی تائید میں تالیاں بجائی تھیں اور مسز شاہانہ غوری نے بھی ان کی ہمت افزائی کی تھی...... پھر میرا نام پکارا گیا اور میں ڈائس پر پہنچ گئی...... میرے اندر ایک طوفان اٹھ رہا تھا اور اس وقت میں اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال دینا چاہتی تھی...... یہی وجہ تھی کہ میرے اندر بے پناہ اعتماد جاگ اٹھا تھا میں نے مائیکروفون پر کہا۔

"جناب صدر! معزز مہمان خصوصی اور حاضرین۔ سب سے پہلے میں یہ عرض

کرنا چاہتی ہوں کہ میں جو تقریر کروں گی وہ انعامی مقابلے کا حصہ نہیں ہوگی۔ اگر صاحبان فکر میری تقریر پسند کریں اور اسے کوئی انعام دینا چاہیں تو میں ان سے درخواست کروں گی کہ میری اس تقریر کو اضافی تقریر میں شامل نہ کریں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انعامی تقریر صرف لفاظی کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہے اور جب حقوق نسواں کا ذکر آتا ہے تو کم از کم ہم لڑکیاں صرف لفاظی نہیں کر سکتیں کیونکہ ہمارے سامنے ہمارا پورا مستقبل پڑا ہوتا ہے۔ مستقبل کی مشکلات کا اظہار کرتے ہوئے اگر ہم صرف لفظوں کا سہارا لے کر خوبصورت تقاریر کرنے پر ہی انحصار کریں تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ بات مسئلے کا حل نہیں ہے بلکہ ہم اپنا مذاق اڑاتے ہیں چنانچہ میں درخواست کروں گی کہ میری اس تقریر کو انعامی مقابلے سے خارج کیا جائے''

تالیوں کی گونج ابھری اور اس کے بعد میں نے تقریری سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''معزز مہمان خصوصی میں آپ کو خاص طور سے مخاطب کرتی ہوں کیونکہ آپ اس ادارے سے منسلک ہیں جس نے اپنے شانوں پر مظلوم خواتین کی ذمے داریاں سنبھالی ہوئی ہیں۔ میری عمر زیادہ نہیں ہے میرے مطالعے میں وسعت نہیں ہے لیکن اپنی ان کمزور نظروں سے میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کی تصویر میرے ذہن میں موجود ہے۔ میں ایک بار پھر عرض کروں گی کہ میرے الفاظ میرے اپنے ہیں اور میری سوچ کا نتیجہ ہیں۔ ان میں یقینی طور پر کچا پن ہوگا، لیکن میں ان کی ادائیگی سے گریز نہیں کروں گی۔ بنیادی طور پر میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مرد کو عورت کے حق میں بھیڑیا بنانے میں پیش پیش عورت ہی ہے۔ اس کا موقع عورت ہی نے مرد کو دیا ہے، زمانہ قدیم قبل از اسلام کی باتیں میں اس طور پر نہیں جانتی جس طور پر تحقیق کرنے والے جانتے ہیں اور انہوں نے جو کچھ پیش کیا ہے میں نے اسی سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ جناب صدر!

ہم جب مسلمان گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں تو دنیا کی باتوں پر توجہ دینے کے بجائے صرف اسلامی عقائد کے مطابق گفتگو کریں تو ہمارا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

خصوصاً عورت کو برابری کا درجہ دینے میں اسلام نے خاص ہدایات دی ہیں۔

اگر صرف انہیں ہدایات پر عمل کر لیا جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ ہمارے مسائل حل ہو جاتے ہیں، لیکن جہاں بہت سے نظریات سے روگردانی کی گئی وہیں عورت کے معاملے میں بھی چشم پوشی اختیار کر لی گئی۔ میں سمجھتی ہوں کہ حقوق نسواں کا عالمی دن منا کر یہ سوچ لینا کہ ہم نے بہت بڑا تیر مار لیا ہے باطل خیال ہے۔ ہر تحریک خون کی قربانی چاہتی ہے لیکن آج تک اسلامی تحریک کو خون کی قربانی کیوں نہیں دی گئی۔ یہ مسئلہ بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا ملکوں کی آزادی کا مسئلہ ہوتا ہے۔ ان کے لئے لاتعداد قربانیاں دی جاتی ہیں۔ جنگیں لڑی جاتی ہیں میں سمجھتی ہوں عورت کو بھی اپنے حقوق کے لئے جنگ کرنی چاہئے۔ خون کی قربانی دینی چاہئے اور آپ جانتے ہیں کہ آج تک ان تحاریک میں یہ جذبہ کیوں نہیں پیدا ہوا تو اس کی بنیاد بھی مرد ہی ہے۔ مرد نے اس تحریک کو اپنے لئے ایک ذریعہ تفریح تو بنا لیا لیکن اپنے طور پر اس کے آگے بڑھنے کے تمام راستے روک دیئے گئے، آپ ان بیگمات کے شوہروں سے سوالات کریں جو حقوق نسواں کے ادارے چلا رہی ہیں پتہ یہ چلے گا کہ ان کے شوہر ان سے مکمل تعاون کرتے ہیں۔ انہیں دفتر بنانے کی اجازت دی گئی ہے انہیں مالی وسائل مہیا کیے گئے ہیں، لیکن اگر خود انہی گھروں سے آپ معلومات حاصل کریں تو پتہ یہ چلے گا کہ شوہر صاحب کی مرضی کے بغیر عالمی حقوق کا مطالبہ کرنے والی خواتین بھی اپنے قدم آگے نہیں بڑھا سکتیں۔ جانتی ہیں آپ کہ ان خواتین کے شوہروں نے اپنی بیگمات کو یہ موقع کیوں دیا ہے۔ صرف اس لئے کہ ان کے مشغلے الگ کریں اور بیگمات اپنے مشغلوں میں مصروف ہو کر یہ سوچیں کہ وہ حقوق نسواں کی حفاظت کر رہی ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ کمزوری بھی ہم

خواتین ہی کی ہے میں بہت سے مسائل کی نشاندہی کرنا چاہتی ہوں۔ مرد نے ابتداء ہی
سے عورت کو کمزور کرنے کا گر سیکھ لیا ہے وہ اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ کر اسے
اس کے حسن کا یقین دلا کر اس کی شان میں قصیدہ خوانی کر کے اسے میک اپ سے رنگین
کر کے درحقیقت اپنی تفریح طبع چاہتا ہے۔ یہ میک اپ کس نے ایجاد کیا ہے۔ مرد اپنے
ذوق نگاہ کی تسکین کے لئے عورت کو رنگین لباسوں سے رنگین چیزوں سے رنگ کر اپنی
خواہش کے مطابق بنالیتا ہے۔ اس نے عورت کو بندر یا بنا رکھا ہے۔ مقابلہ حسن ہوتے
ہیں اور پھر ایک ملکہ حسن منتخب کر کے اس کے سر پر سونے کا ایک تاج رکھ دیا جاتا ہے اور
حسن کا یہ انتخاب کرنے والے مرد ہوتے ہیں۔ آپ سمجھ رہے ہیں کہ یہ سب کیا ہے یہ
عورت پر حاوی ہونے کے وہ ہتھکنڈے ہیں جو مرد نے ابتدا ہی سے اپنے ہاتھ میں
رکھے ہیں۔

میں مطالبہ کرتی ہوں کہ اس کو بھی خون کا رنگ دیا جائے، اگر مرد یہ سوچتے
ہیں کہ وہ صنف قوی کہلا کر درحقیقت بہت طاقتور ہیں تو یہ ان کی بھول ہے۔ خواتین کو یہ
سوچنا چاہیئے کہ وہ کسی بھی طور جسمانی طریقے سے مرد سے کمزور نہیں ہوتیں، سوائے اس
کے کہ مرد کی حرکتوں نے انہیں اس کمزوری کا احساس دلا دیا ہے اس کا تعین کسی بھی
طرح اپنی موت کو آزما کر کیا جا سکتا ہے۔

میں نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ ہال کے مختلف گوشوں سے تین چار لڑکے سر پر
ہاتھ رکھ کر باہر نکل بھاگے، وہ خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے باہر گئے تھے۔ ہال
میں چاروں طرف قہقہے بلند ہوئے، اور چند لمحات کے لئے مجھے خاموش ہونا پڑا۔ میں
جانتی تھی کہ ان کی شرارت ہے اور وہ مجھے نروس کرنا چاہتے ہیں؛ کیونکہ میں نے جسمانی
قوت کی بات کی تھی۔ خون کی قربانی کی بات کی تھی۔ قہقہے دیر تک جاری رہے، لوگ حلق
پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہے تھے اور پھر جب قہقہوں کا یہ طوفان رکا تو میں نے نروس ہوئے

بغیر کہا......

''بظاہر یہ ایک شرارت ہے اور کالج کے نوجوان لڑکوں نے ازراہ مذاق یہ
حرکت کی تھی، لیکن آپ یقین کیجیے اس کے پس پردہ ایک نفسیاتی عمل بھی ہے۔ یہ وہ
ہیں جنہوں نے اپنا کل آج دیکھ لیا ہے۔ اس طرح بھاگ جانے سے کام نہیں چلے گا،
آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں، انہیں اس کا اعتراف کرنا ہوگا کہ عورت ابتدا ہی سے
اتنی کمزور نہیں تھی اور ان کے ہتھکنڈے اب ناکام ہو جائیں گے۔ ہر عورت مرد سے اپنا
حق طلب کرے گی میں یہ نہیں کہتی کہ کسی ایک گھر میں ایک ماں، ایک بہن، اور بیوی
اور ایک بیٹی اپنے اہل خاندان اپنے گھر کے مردوں سے انحراف کرے، لیکن شوہر کو بیوی
کے ساتھ بے جا مظالم کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ بھائی بہن کو برابر کا درجہ دے کر،
باپ بیٹی کو، شوہر بیوی کو اور بیوی کے سپرد جو خدمات کی جاتی ہیں یا جو قدرتی طور پر اس
کی ذمہ داریاں ہیں وہ اسی انداز میں پوری کرے، لیکن باعزت اور باوقار رہ کر ہم حقوق
نسواں کا عالمی دن آواز عام نہیں کر سکتے؟ چنانچہ میری رائے ہے کہ ہم حقوق نسواں کے
اس دن کو علاقائی دن کہیں۔ لاہوری دن کہیں، یہاں کچھ کر کے دکھائیں۔ اور اس کے
بعد جو عمل ہم یہاں کریں وہ آہستہ آہستہ اپنی جڑیں یہاں سے باہر نکالے قریب کے
شہروں میں ہر جگہ اور جب ملکی پیمانے پراہم اپنا یہ کام مکمل کرلیں تو پھر بڑے پیمانے پر
اس تحریک کو آگے بڑھائیں۔

میں حقوق نسواں کے اس دن کو علاقائی دن کا نام دیتی ہوں، اگر ہم اپنے شہر
اپنے محلے، اپنے گھر سے اس کا آغاز کریں تو میں سمجھتی ہوں کہ اس عمل کو درحقیقت عمل کہا
جا سکتا ہے، بس اس سے زیادہ میرے پاس کہنے کے لیے اور کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے
شکریہ......

تالیوں کا وہ طوفان اٹھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ لوگ

میری تقریر پر تبصرے بھی کر رہے تھے، بیگم شاہانہ غوری کو میں نے گہری نگاہوں سے اپنی جانب دیکھتے ہوئے پایا۔ ان کے چہرے پر ایک انوکھا تجسس، ایک لمحے کے لیے نظر آیا تھا، پھر دوسری مقررہ کو تقریر کے لئے طلب کیا گیا، اور اس نے اپنا موقف بیان کیا۔ تقاریر ہوتی رہیں اور پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ بیگم شاہانہ غوری نے کالج کی لڑکیوں کو خوب سراہا اور دلچسپ فقروں سے ان تقاریر پر اپنے تبصرے کیے، اس کے بعد انعامی سلسلے کا آغاز ہوا۔ بیگم غوری نے کہا۔

''درحقیقت یہ تقریر برائے تقریر ہی نہیں بلکہ ہر صاحب فکر نے دیکھا کہ موجودہ نسل کی لڑکیاں جو بھی اپنی عملی زندگی میں نہیں داخل ہوئی ہیں کم از کم مؤثر پیمانے پر یہ محسوس کرتی ہیں کہ خواتین کے بھی وہی حقوق ہونے چاہئیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ ان میں سے کسی مقررہ نے یہ نہیں کہا۔ کہ وہ مردوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتی ہیں۔ بلکہ اس نے اپنے فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ اپنے حقوق کا تذکرہ کیا ہے جو مذہبی طور پر بھی اسے حاصل ہونے چاہئیں بہرحال میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مجھے یہاں اتنی بصیرت افروز تقاریر سننے کو ملیں گی۔ بچیوں سے میں اس ذہنی ارتقاء کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن سچائی ہمیشہ پیدا ہوتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اس کی تخلیق صحیح پیمانے پر نہ ہونے پائے۔ میں کالج کی تمام لڑکیوں کو ان کی شاندار تقاریر پر مبارکباد دیتی ہوں۔ دعا کرتی ہوں کہ حقیقی زندگی میں انہیں اپنے حقوق اسی انداز میں ملیں۔ جس میں وہ ان کی طلب گار ہیں۔

میں خصوصاً شمائل غازی کا تذکرہ کروں گی۔ اس لڑکی نے جن پر جوش الفاظ میں اور جس پرزور انداز میں اپنا موقف بیان کیا ہے، اس نے مجھے ششدر کر دیا بلاشبہ یہ ایک انوکھی فکر ہے۔ تحریک میں خون کا رنگ شامل ہو تو اس میں جوش اور جذبہ بڑھ جاتا ہے اور اب یہ رنگ کس طرح شامل ہو، اس کا تجزیہ ابھی نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس

لڑکی نے درحقیقت ذہنوں میں آگ لگا دی ہے۔''

یہ ایک نئی فکر ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے اگر جان کی قربانی دینا پڑے تو دینی چاہیے اس طرح صاحب فکر لوگ اس جانب متوجہ ہو سکتے ہیں۔ اگر مجھے پہلے اور دوسرے اور تیسرے انعام دینے کا تعین کرنے کا حق دیا جاتا تو میں پہلا انعام شمائل غازی ہی کو دیتی، لیکن اس نے اپنی تقریر کو ایک سچ کے طور پر بیان کیا ہے ایک انعامی مقابلے کے لیے نہیں چنانچہ اب میں پہلے انعام کی مستحق دوسری شاندار مقررہ فضیلہ نقوی کو قرار دیتی ہوں۔

دوسرے اور تیسرے انعام کے ناموں کا بھی اعلان کیا گیا اور اس کے بعد بیگم شاہانہ غوری نے کہا۔

''اور اپنے جذبات کی تسکین کے لئے اپنی محبت کے اعتراف کے طور پر شمائل غازی کو یہ گولڈ میڈل پیش کرتی ہوں جو ادارہ حقوق نسواں کی طرف سے خصوصی انعام کے طور پر رکھا جاتا ہے اور مجھے اس کا حق حاصل ہے کہ میں اپنی پسندیدہ مقررہ کو خصوصی طور پر گولڈ میڈل دوں شمائل غازی براہ کرم آئیے اور یہ گولڈ میڈل وصول کیجیے......''

میں ایک بار پھر اسٹیج پر پہنچ گئی۔ میرے بدن میں آگ لگ رہی تھی۔ ذہن نجانے کون کونسی سوچوں کا حامل تھا۔ میں نے بڑے احترام سے وہ گولڈ میڈل قبول کیا اور پھر کہا۔

''محترمہ بیگم شاہانہ غوری، آپ نے مجھے سونے کے اس تحفے سے نوازا۔ اس کے شکریہ کے طور پر جو کچھ بھی کہوں کم ہے، لیکن اگر آپ واقعی اپنے اس انعام کو مؤثر بنانا چاہتی ہیں تو براہ کرم مجھے اس گولڈ میڈل کی قیمت ادا کر دیجیے جو قیمت بھی آپ متعین کریں گی مجھے قبول ہوگی...... میں یہ رقم اپنی ان دوشناسا خواتین کو دینا چاہتی ہوں جو شدت سے ضرورت مند ہیں، ان کا نام میں قیامت تک نہیں لوں گی۔ لیکن میری یہ

درخواست اگر آپ قبول کرلیں تو میں آپ کا بے حد شکریہ ادا کروں گی۔

بیگم شاہانہ غوری نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ آفتاب حسین شاہ صاحب نے پہلو بدلا...... یہ خلاف آداب تھا۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا، لیکن میں اس وقت ذہنی طور پر مکمل آزاد تھی اور ہر وہ قدم اٹھا سکتی تھی جو میرے اپنے ذہن میں آئے۔ بیگم شاہانہ غوری نے اپنا پرس طلب کیا اور اس میں سے چھ ہزار روپے کی رقم نکال کر اسی وقت میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

''گولڈ میڈل خریدے یا بیچے نہیں جاتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمہارے ان جذبوں کی تسکین کے لیے میں یہ رقم بھی پیش کرتی ہوں......''

میں نے شکریہ کے ساتھ رقم قبول کی اور اس کے بعد اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔ بڑا شاندار فنکشن رہا تھا اور بڑی تعریفیں ہو رہی تھیں بیگم شاہانہ غوری نے رخصت ہوتے ہوئے خصوصی طور پر مجھ سے ملاقات کی تھی اور کہا کہ وہ آفتاب حسین شاہ صاحب کے ذریعے دوبارہ مجھ سے ملاقات کریں گی......

کالج میں میرے بارے میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں......

چوتھے دن میں نے سب سے پہلے رخسانہ باجی سے گفتگو کی۔ انہیں تنہائی میں اپنے پاس بلایا اور آہستہ سے کہا۔

''رخسانہ باجی میری کسی جرات کا برا تو نہیں مانیں گی آپ؟''

''کیا بات ہے خیریت......؟''

''پہلے مجھ سے وعدہ کیجیے کہ میں آپ سے کچھ کہوں گی تو اپ مخلصانہ طور پر قبول کرلیں گی......''

''کیا بات ہے کہو تو سہی......؟''

''آپ وعدہ نہیں کریں گی......''

''نہیں بھئی میں وعدہ کرتی ہوں۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو میں تمہارا دل سے احترام کرتی ہوں......'' میں نے تین ہزار روپے انہیں دیتے ہوئے کہا۔

''یہ حقیر سی رقم میری طرف سے بطور نذرانہ قبول کر لیجئے میں جانتی ہوں کہ آپ کے مسائل پورا کرنے کے لئے آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے، یہ رقم میں اپنی جیب سے نہیں دے رہی بلکہ یہ میں نے آپ کے لئے حاصل کی ہے''

رخسانہ باجی مجھے دیکھتی رہیں پھر انہوں نے ہاتھ آگے بڑھا کر رقم لے لی اور میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

''مجھے واقعی ان کی ضرورت تھی، اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہوں گی''

رخسانہ باجی کے بعد میں نے ناظمہ سے رابطہ قائم کیا اور جب تین ہزار روپے اسے دیئے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے سسکتے ہوئے کہا کہ ماں کا دوسرا خط آیا ہے وہ مسلسل بیمار ہے اور اس کا سوتیلا باپ پچھلے کئی ہفتوں سے اس کے گھر نہیں پہنچا ہے۔ میں نے ناظمہ سے کہا کہ یہ رقم وہ ماں کو فوراً بھیج دے اس کے اپنے مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔ ماں کو مطمئن کرنا اس کا کام ہے۔ ناظمہ نے بھی خلوص دل سے میری یہ پیشکش قبول کر لی تھی۔ وہ میری فطرت سے واقف ہو چکی تھی۔ مجھے یہ دو کام کر کے جس قدر مسرت حاصل ہوئی تھی میں اسے الفاظ میں نہیں بیان کر سکتی، لیکن تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ اب میرے ذہن میں یہ مسئلہ بھی شدت سے سر ابھارنے لگا تھا کہ درحقیقت دنیا میں عورت کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں کچھ ترمیم ہونی چاہئے۔ میں نے اس دن تقریری مقابلے میں جو کچھ کہا تھا وہ فوری طور پر میرے ذہن میں آیا تھا۔ ظاہر ہے ہم دنیا بھر میں تو یہ لاگو نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے تو عالمی تنظیمیں درکار ہوتی ہیں۔ حقوق نسواں کی تنظیم بے شک عالمی حیثیت رکھتی تھی لیکن میں یہ بات جانتی تھی کہ ایسی تحریکوں میں کچھ رسمیات لازمی ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ ہی آگے بڑھنا پڑتا

ہے۔ ہاں بنیادی طور پر کسی ایک گھر کے سلسلے میں کچھ کرنا ہے تو عمل ذرا مختلف چیز ہے اور میں اسی عمل سے گزرنا چاہتی تھی، لیکن میری یہ کوشش تعلیمی معاملات میں بالکل مداخلت نہیں کر رہی تھیں اول تو میں نے کیا ہی کیا تھا جو کچھ کرنا چاہتی تھی اپنے فاضل وقت میں کرنا چاہتی تھی۔ ظاہر ہے یہاں تعلیم حاصل کرنے آئی تھی یہ کام بھی پوری محنت کے ساتھ جاری رہنا چاہئے۔ چنانچہ ہر پیریڈ اٹینڈ کرتی اور جو کچھ بھی حاصل ہوتا اسے پوری طرح ذہن نشین کرنے کی کوشس کرتی۔ تفریحات سے بھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھیں اس دوران چند ایسی باتیں بھی ہوئیں جو خصوصی طور پر قابل ذکر نہیں۔

پھر اس دن چودھری الٰہی بخش صاحب آفتاب حسین شاہ صاحب کے ساتھ خود میرے کمرے میں پہنچ گئے۔ پرنسپل کی آمد میرے لئے بڑے خوشگوار تجربے کا باعث تھی اور پھر چودھری الٰہی بخش بھی ساتھ تھے۔ میں نے بڑے احترام سے ان کا استقبال کیا آفتاب حسین شاہ صاحب کہنے لگے۔

''کہو بیٹے یہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے، یہ چودھری الٰہی بخش صاحب میرے پرانے دوستوں میں سے ہیں، بہت بے تکلف اور نفیس انسان ہیں۔ تم سے ملنے آئے تھے میں بھی ان کے ساتھ چلا آیا......''

''نہیں آپ جیسے مہربان سرپرستوں کی موجودگی میں مجھے بھلا کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔ بے حد شکریہ اس خصوصی توجہ کا۔''

''وہ بیٹی شمائل میں بنفس نفیس تمہیں دعوت دینے آیا ہوں۔ کل اتوار ہے صبح ہی سے میرے گھر آجاؤ۔ گاڑی تمہیں لینے کے لئے آجائے گی، کل کا دن وہیں گزارو''

''اوہو، چچا جان کیا صدف بھابھی آئی ہوئی ہیں؟''

''نہیں وہ تو نہیں آئیں اور بھی کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔ تم شاید میرے بڑے بھائی سے ملی ہو۔ چودھری غلام بخش فیصل آباد میں رہتے ہیں وہ اور ان کے بچے

بھی آئے ہوئے ہیں، بات یہ ہے بیٹی کہ تم نے ہوسٹل میں رہنا پسند کیا...... غازی میرا سمدھی ہی نہیں دوست بھی ہے۔ اگر تم گھر میں رہتیں تو یقیناً تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ لیکن چلو تمہاری ضد ہے۔ میں نے بھی مان لی۔ پچھلے کئی دنوں سے سوچ رہے تھے تمہیں بلانے کے لئے۔ بس کل آجاؤ اور اس میں کوئی معذرت قبول نہیں کی جائے گی......'' میں نے ہنستے ہوئے گردن ہلا دی اور بولی۔

''نہیں چچا جان معذرت کا کیا سوال ہے۔ میں حاضر ہو جاؤں گی۔''

''گاڑی آجائیگی، میں تو آج ہی رات کو تمہیں اپنے ساتھ لے چلتا مگر چلو ٹھیک ہے کل صبح آجانا۔ دن بھر رہنا ہوسکتا ہے رات کو وہاں تمہیں کوئی تکلیف ہو۔ شفق موجود ہے، کل گاڑی میں وہ بھی آجائے گی تمہیں لینے کے لئے......''

''کل آپ گاڑی بھیج دیجئے گا......'' میں نے خلوص سے کہا......

کوئی ہرج بھی نہیں تھا ظاہر ہے وہ میری بھابھی کا گھر تھا۔ ذرا سی تبدیلی ہو جائے گی ویسے بھی کل کوئی خاص کام نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے سچے دل سے ان کے ہاں جانا قبول کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں چلے گئے۔ میری دوست لڑکیاں مجھ سے چودھری الٰہی بخش کے بارے میں سوالات کرنے لگیں اور میں انہیں ان کے بارے میں بتاتی رہی......

-----☆☆☆☆☆-----

دوسرے دن صبح ساڑھے نو بجے شفق ڈرائیور کے ساتھ آ گئی۔ شفق بھی بھابھی ہی کی طرح خوش مزاج اور نرم و نازک سی لڑکی تھی۔ صدف بھابھی کی چھوٹی بہن تھی۔ بس یہ دونوں ہی بہنیں تھیں۔ میں نے اس کا بڑا پر تپاک خیر مقدم کیا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہاں رکے اور اس کے بعد میں تیار ہو کر شفق کے ساتھ چل پڑی۔

چودھری الٰہی بخش کی کوٹھی میں میرا بڑا اچھا استقبال کیا گیا تھا۔ بہت سے نئے چہرے وہاں موجود تھے۔ بڑے سے ہال کمرے میں ایک بہت ہی موٹی تازی خاتون بیٹھی ہوئی تھیں جنہیں میں نے بھائی کی شادی میں دیکھا تھا۔ لیکن تعارف باقاعدہ نہیں ہو سکا تھا۔ فوراً ہی انہیں دیکھ کر سمجھ گئی کہ چودھری صاحب کے بڑے بھائی کی بیگم ہیں۔ دو ترو تازہ پھول جیسی رنگوں کی مالک نوجوان لڑکیاں بھی تھیں۔ سادہ سے لباسوں میں لیکن حسن کے معیار پر مکمل طور سے پوری اترنے والی البتہ زیور تعلیم سے نا آراستگی ان کے حسن پر اثر انداز ہوئی تھی...... جھینپی جھینپی سی، لجائی لجائی سی بیگم الٰہی بخش بھی موجود تھیں، سب ہی نے میرا پر تپاک خیر مقدم کیا اور مجھے اپنے درمیان بٹھایا...... خاص طور سے موٹی اور فربہ خاتون کی نگاہیں تو مجھ پر جم ہی گئی تھیں۔ عجیب سا انداز تھا۔ کچھ دیر کے بعد چودھری غلام بخش صاحب چودھری الٰہی بخش صاحب کے ساتھ اندر آ گئے۔ چودھری غلام بخش نے برہم لہجے میں کہا۔

''او الٰہی بخش! تیری اتنی بڑی کوٹھی میں اس بچی کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی جو تو نے اسے ہوسٹل میں چھوڑ دیا......''

''نہیں بھائی جی میں نے تو بہت کہا مگر بس تھوڑا سا تکلف کیا غازی نے......''

''ارے میں اس سے بات کروں گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بچی ہوسٹل میں رہے، ہم کوئی ایرے غیرے ہیں......''

میں ان لوگوں کے محبت اور خلوص کا اندازہ لگا رہی تھی۔ سارا دن ہی بڑا اچھا گزرا۔ شفق نے ان دونوں لڑکیوں سے تعارف کرایا۔ ایک کو چھیمو کے نام سے پکارا جاتا تھا دوسری نوری کہی جاتی تھی پتہ چلا کہ چھیمو کا نام شمیم جہاں ہے اور دوسری کا نام نور جہاں، مگر دونوں بے چاریاں چھیمو اور نوری بنا کر رکھ دی گئی تھیں۔

شام کو ایک نئی شخصیت سے تعارف ہوا، سلک کے شلوار کرتے میں ملبوس ہاتھ میں سرخ رومال لئے ہوئے، موٹے موٹے ہونٹوں پر پان کی دھڑی جمائے، خوش شکل نوجوان تھا...... عمر کوئی چھبیس ستائیس سال کے قریب ہو گی، لیکن جسامت بہت شاندار تھی، سینہ انتہائی چوڑا اور بال بے حد خوبصورت، لیکن ناک کے نیچے نوکیلی مونچھوں نے اس کی شخصیت سے ہم آہنگ ہونے سے انکار کر دیا تھا...... بڑی شان سے اندر آیا تھا اور سب اسے دیکھ کر مسکرانے لگے۔ چودھری الٰہی بخش نے کہا۔

''اوئے احسان کہاں دن گزارا بھئی تو نے پورا، پتہ تھا گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں اور غائب رہا......''

''جی چاچا جی۔ یہاں لاہور میں میرے بڑے دوست ہیں، پیچھا ہی نہیں چھوڑا انہوں نے، دوستوں سے مل رہا تھا......''

''بھئی اس سے بھی ملو شائل یہ احسان الٰہی بخش ہے، میرا بھتیجا فیصل آباد کی ساری زمینیں اس نے اکیلے ہی سنبھالی ہوئی ہیں۔ بڑا اچھا لڑکا ہے۔ اللہ کے فضل

سے......'' میں نے احسان الٰہی بخش کو سلام کیا تو وہ شرمائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگا...... چودھری غلام بخش کہنے لگے۔

''زمینیں ہی نہیں سنبھالی ہوئی ہیں، بڑا تیز آدمی ہے یہ، اور یہ بڑا ہی جاندار ٹریکٹر لے کر نکل جاتا ہے۔ مربے کے مربے کھود کر پھینک دیتا ہے۔ بس دو ہی کام ہیں اس کے زمینوں کی دیکھ بھال اور پہلوانی کرنا، ایک بھینس پی جاتا ہے اکیلا......''

چودھری غلام بخش ہنسنے لگے......

میں نے بھینس پی جانے کا محاورہ غور سے سنا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا......

بہرحال شخصیت یہ بھی بہت اچھی تھی۔ اگر زمینداری کی چھاپ نہ ہوتی تو یہ نوکیلی مونچھیں نہ ہوتیں۔ احسان الٰہی بخش بھی ایک جگہ بیٹھ گئے اور بات چیت شروع ہو گئی۔ میں نے دو تین بار محسوس کیا تھا کہ احسان الٰہی بخش صاحب بڑی گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہے ہیں۔ چھیمو اور نور جہاں بار بار انہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھیں اور آپس میں کچھ اشارے بازی بھی ہو رہی تھی۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ شفق البتہ سلیقے کی لڑکی تھی۔ اس کی اب تک کی گفتگو میں نہایت شائستگی پائی جاتی تھی۔ پھر میں نے ان لوگوں سے اجازت طلب کر لی۔ تائی صاحبہ جلدی سے بولیں......

''لو یہ کیسے ہو سکتا ہے، رات کا کھانا کھا کر جانا۔ تمہیں کون سی اب جاتے ہی پڑھائی کرنی ہے......''

''نہیں نہیں بالکل نہیں، رات کا کھانا تو میں کھاتی ہی نہیں ہوں اور اس کے علاوہ ہوسٹل واپس پہنچنا بھی ضروری ہے۔ دن بھر اتنا کھایا پیا ہے، شام کی چائے پر ہی آپ لوگوں نے اتنا اہتمام کر لیا تھا......''

''رات کا کھانا نہیں کھاتی ہو، کیوں......؟''

''بس تائی جی، عادت نہیں ہے......''

''لو بھئی سنا تم لوگوں نے، اسے میں کہتی ہوں آج کل کی لڑکیوں کو کیا ہو گیا ہے کھانا نہیں کھاتیں اور بدن دیکھو، دھان پان جیسے، او بی بی کھایا پیا کرو۔ کھایا پیا ہی آخر تک کام آتا ہے، ورنہ کیا رہ جاتا ہے......''

''جی تائی جی بس عادت ہی نہیں ہے۔ گھر میں بھی نہیں کھاتی تھی......''

''مگر بیٹا کچھ تو کھانا پینا۔ چلی جانا جلدی کیا ہے؟'' چودھری الٰہی بخش نے کہا۔

''چچا جان اگر آپ مجھے واپس پہنچا دیں تو زیادہ اچھا ہو گا پورا دن گزار لیا ہے۔ پھر بھی تو آؤں گی کبھی......''

''اچھا بھئی تیری مرضی......'' اس کے بعد ان سب نے بڑی محبت کے ساتھ مجھے رخصت کیا تھا۔ چودھری الٰہی بخش صاحب نے مجھے ایک بہت قیمتی سوٹ بھی دیا تھا۔ میں نے تھوڑے سے تکلف کے بعد اسے قبول کر لیا تھا۔

ہوسٹل واپس پہنچ گئی۔ اپنے کمرے میں آ گئی۔ لڑکیوں سے باتیں کرتی رہی لیکن رات کو جب بستر پر لیٹی تو ایک عجیب سی بے کلی اور بے چینی کا احساس ہوا۔ میں نے نجانے کیا کیا سوچا تھا۔ مجھے ان لوگوں کی اشارہ بازی بے چین کر رہی تھی۔ کیا قصہ تھا اور پھر خصوصی انداز میں مجھے بلایا گیا تھا۔ چھٹی حس کسی خطرے کا اعلان کر رہی تھی اور یہ خطرہ احسان الٰہی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا، لیکن اگر ایسا ہے تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔ کیسے پتہ چلے اس بات کا۔ پھر آخری فیصلہ میں نے یہی کیا کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ کون سا کوئی مجھے زبردستی اپنے چکر میں پھنسا سکتا ہے۔ اور پھر ہو سکتا ہے میرا یہ خیال غلط ہی ہو۔ لیکن یہ سب کچھ اچھا نہیں لگا تھا مجھے اور دل میں میں نے یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ اگر چودھری الٰہی بخش صاحب کے ہاں سے کوئی ایسا پروگرام سامنے آیا تو اس سے گریز کروں گی۔ ہفتہ پندرہ دن اور پھر بیس دن گزر گئے۔ اس

دوران شفق صرف دو تین بار مجھ سے ملنے آئی تھی۔ وہ بار بار مجھے اپنے ہاں آنے کے لئے کہتی تھی اور میں بڑے محبت بھرے انداز میں انکار کر دیتی۔

اس کے بعد ایک اور واقعہ ہوا جو میری زندگی میں انتہائی اہمیت کا حامل قرار پایا...... تقریری مقابلے کے بعد سے اب تک کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی تھی جسے قابل ذکر کہا جا سکے، لیکن وہ بھی اتوار کا ہی دن تھا اور بیگم شاہانہ غوری کی آمد ہمارے لئے انتہائی باعث حیرت تھی کیونکہ سماجی طور پر انہیں ایک بڑی شخصیت سمجھا جاتا تھا۔ سفید ساڑھی میں ان کا پروقار وجود اس وقت بھی انہی تمام کیفیات کا حامل تھا جو میں نے پہلے دن محسوس کی تھیں...... یہ جان کر تو میں ششدر ہی رہ گئی تھی کہ وہ مجھے پوچھتی ہوئی آئی ہیں اور سیدھی میرے کمرے تک پہنچی ہیں۔ میں نے ان کا استقبال کیا مسکرا کر مجھ سے خیریت پوچھی اور بیٹھتے ہوئی بولیں۔

''بھئی کچھ چائے وغیرہ پلوا سکو تو پلواؤ۔ ذرا تنہائی میں تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں''

جو لڑکیاں میرے پاس موجود تھیں ان کے لیے یہ الفاظ کافی تھے ایک ایک کر کے سب باہر نکل گئیں۔ ناظمہ نے فوراً ہی چائے کا بندوبست کر دیا تھا۔ بیگم شاہانہ غوری نے چائے کے گھونٹ لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس دن سے آج تک تم سے ملاقات کے بارے میں سوچتی رہی، لیکن مصروفیات اس طرح چمٹی رہتی ہیں کہ اپنی خواہش پر عمل ہی نہیں کر پائی۔ آج فیصلہ کر لیا تھا کہ تم سے ملنا ہی ہے......''

''مجھے بلوا لیا ہوتا۔ آپ نے کیوں زحمت کی......''

''دل تو یہی چاہا تھا لیکن تمہارے مزاج کا اندازہ نہیں تھا میں نے سوچا اسے طلبی نہ سمجھو، برتری کا انداز نہ سمجھو......''

''نہیں میڈم۔ آپ مجھ سے بڑی ہیں عمر میں۔ رتبے میں اور ذاتی طور پر بھی آپ مجھے پسند آئی تھیں......''

''یہ ہوئی اصل بات۔ دنیا کی ہر بات ذاتی پسند کے سامنے ہیچ ہے۔ کسی کو کائنات کی ہر شے دے دو اور اس کا پیار حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ناکام رہو گے اگر اس کی ذاتی پسند حاصل نہ ہو سکے۔ خیر میں نے آج کا دن تمہارے نام لکھا ہے اور تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔''

''ضرور میں حاضر ہوں......''

''یہ پوچھے بغیر کہ ہم کہاں جائیں گے......''

''بات ذاتی پسند کی ہے......'' میں نے کہا اور بیگم غوری ہنس پڑیں۔ انہوں نے کہا۔

''تیار ہو جاؤ۔ واپسی شام تک ہوگی......''

''جی......'' میں نے جواب دیا۔ لباس تبدیل کرتے ہوئے میں نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا تھا کہ اس قدر خود اعتمادی مناسب ہے یا نہیں۔ اندر سے ایک قوت ابھری تھی اور مجھے فیصلہ کرنے میں دقت نہیں ہوئی تھی۔ وہ ایک نیک نام اور صاحب حیثیت خاتون تھیں۔ اور میں تو موم کی نہیں ہوں۔ چلتے ہوئے میں نے ناظمہ سے کہا۔

''ناظمہ میں میڈم کے ساتھ کام سے جا رہی ہوں۔ شام یا رات تک واپسی ہوگی، رخسانہ باجی کو بتا دینا......''

باہر آ کر ہم ایک کار میں بیٹھ گئے۔ ایک نہایت خوش شکل باوردی ڈرائیور نے سب سے پچھلا دروازہ کھولا تھا...... راستہ بالکل خاموشی سے طے ہوا پھر کار ایک متمول علاقے کی عظیم الشان کوٹھی میں داخل ہوگئی۔ کار سے اتر کر مسز غوری مجھے ایک خوبصورت

کمرے میں لے گئیں جسے ان کی خواب گاہ کہا جا سکتا تھا۔ پھر انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''صرف تین منٹ کی اجازت چاہتی ہوں، لباس بدل آؤں.....'' وہ چلی گئیں اور میں اس قیمتی خواب گاہ کا جائزہ لینے لگی۔ ٹھیک تین منٹ کے بعد وہ واپس آ گئیں تھیں۔

''کیا سوچ رہی ہو......؟''

''آپ کی خوابگاہ بہت حسین ہے......''

''شکریہ، کیا پیو گی۔؟''

''آپ کے ساتھ چائے پی تھی......''

''اسی لئے میں نے کچھ دیر کے بعد چائے لانے کے لئے کہہ دیا ہے، ہم دنیا جہاں کی باتیں کرنے سے پہلے میرے خیال میں ہمیں وہ باتیں کرنی چاہئیں جن کے لیے میں نے تمہیں زحمت دی ہے۔ تمہارے ذہن میں بھی یقیناً تجسس ہوگا، کیا خیال ہے''

''نہیں جناب'' میں نے جواب دیا۔

''اس دن تمہاری تقریر نے مجھے بہت متاثر کیا۔ الفاظ کچھ بھی تھے لیکن اس میں جذبوں کی کاٹ تھی۔ تمہاری تقریر ایسی تھی جیسے کوئی تیز دھار تلوار سخت پتھر پر پڑ کر چنگاریاں بکھیر رہی ہوں۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ بالآخر یہ پتھر کو چیر کر رہے گی۔ تم سے میری دلچسپی کی یہی وجہ ہے تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتی ہوں......''

''جی......''

''اس موضوع پر پہلی بار تقریر کی تھی......''

''جی ہاں، وہ تقریر تو نہیں تھی۔ اپنے احساسات کے اظہار کا موقع ملا تھا جو دل میں بھرا ہوا تھا کہہ دیا۔ الفاظ کی ترتیب و تشکیل کے بغیر......''

''تمہارا ایک جملہ مجھے خصوصاً متاثر کرنے کا باعث تھا۔ تم نے کہا ''ہر تحریک خون چاہتی ہے، قربانی چاہتی ہے'' تم نے یہ بھی کہا کہ ''مرد زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے اور وہ اس تحریک کو بھی ''لولی پاپ'' دے دیتا ہے''

''میں نے بالکل درست کہا......''

''اگر تمہیں حقوق نسواں کے لیے اہم ترین اختیارات دے دیئے جائیں تو عورتوں کے حقوق سلب کر کے انہیں جانوروں سے بدتر زندگی دینے والے مردوں کے ساتھ تم کیا سلوک کرو گی......؟''

''یہ اختیارات پر منحصر ہے، اگر ان اختیارات کو کوئی قانونی حیثیت حاصل ہو تو میں ایسے مردوں کے لئے سزائے موت منتخب کروں گی جس کی کوئی اپیل نہ ہو۔ ہمارے معاشرے میں خونی بھیڑیوں کی مانند دندناتے پھرتے ہیں اور انہیں کوئی سزا نہیں ملتی۔ میں قانون کے ہاتھوں معاشرے کو ان کے وجود سے پاک کر دوں اور اگر یہ حقوق قانونی نہ ہوں۔ تو پھر میں اپنی ایک خفیہ عدالت قائم کروں جس میں یہ سب کچھ ہو......

''گویا تمہاری نگاہ میں ایسے مردوں کے لیے بدترین سزا ضروری ہے......''

''بے شک......''

''کیا تمہاری اس تحریک کو خون پیش کیا جا سکتا ہے......''

''کیوں نہیں''، لیکن صرف مردوں کا خون......''

''کیا بیگم غوری اچھل پڑیں......''

''عورت تو صدیوں سے قربانی دیتی آ رہی ہے، اب کچھ ان قربانیاں لینے والوں کا بھی حساب ہونا چاہئے......'' میں نے کہا اور مسز غوری نے بے اختیار قہقہہ لگایا، وہ بری طرح ہنستی رہیں، پھر ہنستے ہوئے بولیں......

''بھئی خدا کی قسم لطف آ گیا، اس تحریک کے خون رنگ ہونے کا یہ تصور

میرے ذہن میں نہیں آیا تھا ...... مگر آئیڈیا شاندار ہے ویری گڈ...... ویری گڈ......
خوب...... پھر سنجیدہ ہو گئیں۔ اور بولیں۔

"تمہارے بارے میں میرا اندزہ درست تھا۔ اور خدا کرے کہ تم ......تم میرے ساتھ شامل ہو جاؤ، حالانکہ......وہ خاموش ہو گئیں۔ کچھ سوچنے لگیں۔ پھر انہوں نے کہا......"

"نام......شمائل جمال الدین غازی......"

"پیدائش سیالکوٹ......"

"حیثیت۔ انتہائی دولت مند گھرانے سے۔

"رشتے۔ دو، بھائی بشمول، تمھارے تین بہنیں۔ والد، والدہ اور دوسرے۔

"بھائیوں کے نام کمال الدین، جلال الدین۔"

"بہنیں۔ توحید غازی، عرفانہ غازی، دونوں کی شادی جاہلانہ طور پر دو گھٹیا نوجوانوں سے کر دی گئی اور انہیں دولت سے گھر بسا دیا گیا۔

"والد۔ بدترین ڈکٹیٹر۔

"والدہ مرنجان۔ یہی ہے تمہارا خاندان۔

"میری آنکھیں پھیل گئیں۔ آپ......آپ......آپ ہم سب لوگوں کو جانتی ہیں......"

"اب جانتی ہوں، اس سے اس کا اظہار ہوتا ہے کہ مجھے تم سے کس قدر دلچسپی ہے......"

"انوکھی بات ہے، واقعی بے حد انوکھی۔" اتنی دیر میں ایک ملازم ٹرالی دھکیلتا اندر داخل ہو گیا۔ اس کے جسم پر بھی وردی تھی۔ ٹرالی پر بہت کچھ نظر آ رہا تھا۔ مگر مجھے ایک اور حیران کن چیز نظر آئی تھی وہ یہ کہ جو ڈرائیور ہمیں یہاں تک لایا تھا۔ یہ اسی

نوجوان کا ہمشکل تھا، ہوبہو اسی شکل کا مالک، لیکن جسم کچھ ہلکا تھا۔ اس کا ورنہ میں اسے ڈرائیور ہی سمجھتی۔

"شہاب نئے پودے لے آیا۔ بیگم صاحبہ نے سرد لہجے میں اس سے پوچھا......"

"جی...... جی میڈم لگا رہا ہے۔" نوجوان نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا......"

"آؤٹ!" مسز غوری نے کہا۔ اور نوجوان جلدی سے باہر نکل گیا۔ میں پوچھے بغیر نہ رہ سکی......

"میڈم...... یہ ملازم کیا آپ کے ڈرائیور کا بھائی ہے، دونوں کی صورتیں یکساں ہیں......"

"ایں۔ ہاں۔ آؤ تمہیں ایک اور چیز دکھاؤں۔ آؤ" وہ اٹھیں اور کھڑکی کے قریب پہنچ گئیں۔ انہوں نے کھڑکی کھولی۔ باہر خوبصورت لان تھا، جس پر پھول سجے ہوئے تھے، ایک مالی کچھ پودے ترتیب سے لگا رہا تھا۔ بیگم صاحبہ نے کہا......اس مالی کو غور سے دیکھو......

"جی......اوہ......اوہ میرے خدا۔ یہ بھی...... یہ بھی......اس کا ہمشکل ہے۔ یہ کیا قصہ ہے میڈم۔

"ہے نا دلچسپ۔ تم نے جڑواں بھائی دیکھے ہوں گے، عموماً ہمشکل ہوتے ہیں، لیکن یہ تین ہیں، تینوں ایک ساتھ پیدا ہوئے تھے۔ تینوں کی شکلیں ایک ہیں۔ ایک کا نام "فاخر" ہے جو ڈرائیور ہے، اس کا نام "عامر" ہے اور جو مالی ہے اس کا نام شہاب ہے......"

"واقعی...... دلچسپ آپ نے تینوں کو خوب اکٹھا کیا۔ تینوں آپ کے ہاں

کام کرتے ہیں۔ بڑا لطف رہتا ہوگا......

"بہت لطف رہتا ہے۔" مسز غوری مسکرا کر بولیں۔

"یہ تینوں میرے بیٹے ہیں......"

"جی......" شمائل جمال الدین غازی حیرانی سے بولی۔

"ہاں......" مسز غوری نے کھڑکی بند کر کے کہا، پھر پلٹ کر صوفوں کی طرف بڑھتی ہوئیں بولیں۔

"انہیں میں نے لندن کے ایک ہسپتال میں جنم دیا ہے۔ فاخر غوری، عامر غوری، اور شہاب غوری۔

ایک لمحے تک تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا، لیکن جب مسز غوری کے الفاظ کا مفہوم ذہن تک پہنچا تو دماغ کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ میری آنکھیں پھیل گئیں، میں نے تعجب سے مسز غوری کو دیکھا اور ایکبار پھر یقین نہ کرنے والے انداز میں پوچھا۔

"جی" کیا فرمایا آپ نے؟ فاخر، عامر، شہاب آپ کے بیٹے......"

شاہانہ غوری غالباً مجھ سے اس حیران کن سوال کی توقع رکھتی تھیں، مسکرا کر بولیں......

"ہاں، یہ تینوں میرے بیٹے ہیں۔ میں نے انہیں لندن کے ایک ہسپتال میں جنم دیا تھا اور وہاں کے اخبارات میں اس کی خبر بھی چھپی تھی۔ ابتدا میں اس کی امید نہیں تھی کہ یہ تینوں بچ جائیں گے کیونکہ ان کے وزن بہت کم تھے لیکن تقدیر کے کھیل ہوتے ہیں، تینوں جی گئے اور دیکھ لو، اب تندرست، توانا اور جوان ہیں"

"لل لیکن میڈم، میڈم یہ، یہ سب کچھ، میرا مطلب ہے؟"

"یقیناً تمہیں مسرت ہونی چاہئے، نہ ہونا غیر فطری ہوتا لیکن اس سے تمہیں کم از کم ایک بات کا اندازہ ضرور ہو جانا چاہئے"؟

"کس بات کا میڈم؟" میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا......

"یہ کہ میں اپنے مشن سے کتنی مخلص ہوں۔ میں نے مردوں کی ذات کو کس طرح پیس ڈالنے کے منصوبے بنائے ہیں۔ تم اس کا اندازہ اس بات سے لگا لو کہ میں نے اپنے تینوں بیٹوں کو بھی پاؤں کے نیچے دبا کر رکھا ہے۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ ڈیئر شمائل اور اگر کوئی مجھ سے میرے خلوص کا ثبوت طلب کرنا چاہے تو میں یہ ثبوت دے سکتی ہوں۔"

"لیکن میڈم آپ نے .... میرا مطلب ہے آپ نے ان تینوں کے ساتھ یہ سختی کیوں کی؟ ہم تو اپنے اس مشن کے سلسلے میں ایک خاص نظریہ رکھتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حقوق نسواں کے لیے جو آسانیاں حاصل کی جا سکتی ہیں، انہیں حاصل کریں، وہ مرد جو عورتوں کو پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کی تقدیر کا مالک، انہیں ہمارے ہاتھوں سزا پانا چاہیے۔ لیکن ایسا کچھ کرنے سے پہلے کیا ہم کسی کو اس طرح پس ماندہ کر سکتے ہیں؟ میری مراد آپ کے ان تینوں بیٹوں سے ہے"

شاہانہ غوری کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ میں نے ان تاثرات میں ایک درندگی کی سی کیفیت دیکھی۔ کسی کی آنکھوں کا رنگ یوں تبدیل ہوتے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں ایک وحشیانہ سرخی ابھرتی چلی آ رہی تھی۔ انہوں نے سامنے رکھے ہوئے مشروب کے چند گھونٹ لے کر کہا۔

"بہت سی مثالیں دی جاتی ہیں، گربہ کشتن روز اول کی بات میں نہیں کروں گی، چونکہ یہ مثال یہاں صادق نہیں آتی۔ البتہ سانپ کے بچے کو سنپولا کہا جاتا ہے اور یہ بات درست ہے کہ وہ جوان ہو کر سانپ بنتا ہے اور، اور یہ ہمیں......" شاہانہ غوری نے اچانک گردن اٹھائی اور کھوئے کھوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ میری طرف

خاموشی سے دیکھتی رہیں، ان کی کیفیت سے اندازہ ہوتا تھا کہ چند لمحات کے لیے وہ ماحول کی سچوایشن بھول گئی ہیں۔ انہیں یاد نہیں رہا کہ وہ کہاں ہیں۔ پھر جیسے فوراً ہی انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا، آنکھوں کی زندگی واپس آ گئی۔ انہوں نے ایک لمحے کے لیے غور کیا جیسے اندازہ لگا رہی ہوں کہ موضوع کیا چل رہا ہے اور انہیں یاد آ گیا، مسکرا کر بولیں......

''میرا مطلب ہے کہ اس بات کے امکانات تھے کہ بڑے ہو کر جوان ہو کر، کہیں یہ سرکشی کی راہ پر نہ چل پڑیں اور بستیوں کے لیے نقصان کا باعث نہ بنیں۔ اس لیے میں نے ان کے ذہن میں عورت کی غلامی کا تصور پیدا کیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ عورت ایک ماں ہے، ان کی ماں۔ وہ ڈرتے ہیں مجھ سے، دہشت زدہ ہوتے ہیں، کم از کم تین انسانوں کو میں نے حیوان بننے سے روکا ہے......''

میں نے غور سے ان کا چہرہ دیکھا، ذہن میں لاتعداد سوالات ابھر آئے تھے، گو انہوں نے اپنے منہ سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن کچھ کچھ صورتحال میری سمجھ میں آ رہی تھی، میں نے آہستہ سے کہا......

''مسٹر غوری کہاں ہیں؟'' وہ مسکرا دیں اور سرد لہجے میں بولیں......

''جہاں بھی ہیں مجھے ان کے بارے میں علم نہیں ہے۔''

''تم......مطلب یہ ہے کہ آپ کا ان سے رابطہ نہیں ہے؟''

''نہیں''، انہوں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔

''کوئی اختلاف''

''ہاں''

''اس حد تک کہ اس کے بعد ان کے بیٹوں کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے''،

شاہانہ غوری ہنس پڑیں۔ انہوں نے مجھے ٹرالی کی جانب متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

''تجسس کی ایک عمر ہوتی ہے اور یقینی طور پر تم ایک خالص انسان ہو۔ حیرت ہوئی ہوگی تمہیں میرے ان الفاظ پر، خالص انسان سے میری مراد یہ ہے کہ جو دل میں آتا ہے اسے آئندہ کے لیے ملتوی نہیں کر دیتیں۔ اپنے آپ کو گھونٹ کر نہیں رکھتیں بلکہ سادا دلی سے سوال کر ڈالتی ہو۔ یہ تمہارے اندر کی سچی ہونے کا اظہار ہے اور مجھے ایسے لوگ پسند ہیں۔ میں ان کی پوجا کرتی ہوں، جو باہر سے زیادہ اندر سے صاف ستھرے ہوں۔ لیکن کچھ چیزیں ذرا بعد کے لیے رکھ چھوڑی جاتی ہیں۔ اگر ہم گفتگو کا خزانہ ابھی ختم کر لیں گے تو مستقبل میں کیا ہوگا؟ بہت سی باتیں تمہیں رفتہ رفتہ بتاؤں گی، محسوس نہ کرنا۔

''نہیں مسز غوری، ویسے واقعی میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا ہے اور اب تو جی یہ چاہتا ہے کہ آپ کا انٹرویو ہی کر ڈالوں''

''ظاہر ہے یہ انٹرویو منظر عام پر نہیں آئے گا بلکہ میں اپنی ایک ایسی دوست کو جس نے مجھے متاثر کیا ہے اپنے بارے میں بتاؤں گی۔ لیکن بہتر یہ ہوگا کہ اس سلسلے میں بہت زیادہ سوالات نہ کرو۔ میں بھی تمہاری طرح اندر اور باہر سے یکساں ہوں۔ بتا دوں گی تمہیں سب کچھ، لیکن وقفے وقفے سے''

''صرف ایک سوال کرنا چاہتی ہوں۔ ماں کی حیثیت سے آپ کے دل میں لڑکوں کے بارے میں کیا جذبات ہیں؟''

''قدرت جو فطری جذبے دیتی ہے، وہ کبھی نہیں مرتے، میرا خیال ہے یہ جواب تمہیں مطمئن کر دے گا''

''بہت مختصر ہے میڈم''

''براہ کرم اسے اتنا ہی رہنے دو''

''چلئے ٹھیک ہے، اب یہ فرمائیے کہ میری طلبی کا کیا مقصد تھا؟''

’’ہاں ،یقینی طور پر تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتی ہوں۔‘‘

’’جی‘‘

’’بہت اچھے گھرانے کی فرد ہو، زندگی عیش وعشرت میں گزاری ہے۔ بے شک کالج کے اس فنکشن میں تم نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے، وہ انتہائی قابل قدر ہیں۔ مجھ سے زیادہ ان جذبوں کو کون سمجھ سکتا ہے۔ تمہاری اپنی کیفیت نے تمہارے اپنے الفاظ نے یہ ثابت کیا کہ صرف ایک مقررہ انعام لینے کی غرض سے تقریر نہیں کر رہی ہے بلکہ اس کے اندر جو کچھ بول رہا ہے اس میں سچائی ہے۔ وہ صرف جوش یا جذبات نہیں تھے۔ کیا میں اپنی اس سوچ میں حق بجانب ہوں؟‘‘

’’ہاں میڈم، آپ یقین کیجئے کہ وہ میرے دل کی سچائی تھی۔ میں اپنے گھر میں اپنے باپ کے زیر اثر رہی ہوں۔ میری فطرت میں جو کچھ بھی تھا، لیکن میں نے اپنے اطراف میں جو کچھ بھی دیکھا، آپ نے خود ہی مختصر سے الفاظ میں اس کا تذکرہ کر دیا ہے۔ ٹھیک ہے، غازی صاحب میرے والد ہیں۔ تمام تر حقوق ہیں ان کے مجھ پر، لیکن اپنے حقوق کی یہ وصول یابی اس طرح مناسب نہیں ہے، جیسے انہوں نے کی۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ تو میرا گھر ہے لیکن ہر گھر میں ایسے المناک واقعات رونما ہوتے ہوں گے۔ حقوق نسواں کا نام لیتے ہوئے اگر واقعی اس کی پذیرائی کی جاسکتی ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ اسے مکمل طور پر ذہن میں رکھا جائے، وہی دیا جائے جو موجودہ دور کی عورت کی طلب ہے۔ بجائے اس کے کہ تفریحی طور پر اسے ان حقوق کے نام پر کچھ فضول چیزیں دے کر نہ صرف اپنے آپ کو مطمئن کیا جائے بلکہ عورت کی تذلیل بھی کی جائے‘‘

’’بے شک، بے شک، لیکن بعد کے الفاظ بہت قیمتی تھے۔ یعنی حقوق کے لیے خون کی قربانی اور یہ ایک بہت بڑا سچ ہے کہ ہر تحریک جدوجہد کے ساتھ ساتھ

سرفروشی بھی چاہتی ہے۔ یہ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے آج بھی عورت کو چوہے اور چھپکلی سے ڈرایا جاتا ہے۔ اور عورتیں ڈرتی ہیں۔ میں ایک اہم مقصد کے لیے انتہائی اہم طریقے سے کام کرنا چاہتی ہوں اور اس کے لیے مجھے اچھے، مضبوط اور دلیر ساتھیوں کی ضرورت ہے، جیسے تم......‘‘

میں نے مسکرا کر انہیں دیکھا اور کہنے لگی......

میڈم صرف میری اسی تقریر سے آپ نے مجھے اپنے مقصد کے قابل سمجھ لیا‘‘...... شاہانہ غوری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ غالباً کوئی مناسب جواب سوچنے میں مصروف ہوگئی تھیں، پھر انہوں نے کہا......

’’میں بہت زیادہ تعریف وتوصیف نہیں کروں گی تمہاری لیکن نجانے کیوں تم مجھے بھاگئیں اور انسان اپنی پسند کی چیز کی جانب لپکتا ہے۔ بہرحال بہت زیادہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کروں گی۔ اب مجھے اپنے تعلیمی معاملات کے بارے میں بتاؤ۔ سنو، تم ہر طرح صاحب اختیار ہو، جیسا کہ میں نے کہا، لیکن اس کے باوجود اگر تمہیں یہاں لاہور میں کوئی پریشانی لاحق ہو تو تم وعدہ کرو کہ پہلے اس سلسلے میں مجھ سے بات کرو گی۔ اس کے بعد اپنے والد کے اختیارات استعمال کرو گی‘‘

’’آپ کا بے حد شکریہ، میں ان الفاظ کی قیمت سمجھتی ہوں، بہت بڑی محبت دی ہے آپ نے مجھے، بے حد شکریہ، لیکن میڈم میرے ذہن میں تجسس کے جن جذبوں نے سر ابھارا ہے، ان کی تسلی آپ کبھی نہ کبھی ضرور کر دیجیے گا۔‘‘

’’وعدہ پورا، پورا وعدہ، بتاؤں گی تمہیں اپنے بارے میں، کیوں نہیں بتاؤ گی، ظاہر ہے ہر انسان کو ایک رازداں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے، لیکن اتنی جلدی نہیں ڈیئر، آج تو تمہیں زحمت دے کر اپنے ساتھ لے آئی ہوں، میں اس دن کا انتظار کروں گی جب تم خود میرے پاس پہنچو گی، مجھ سے رابطہ قائم

کر کے کہوگی کہ تم میرے مقصد سے متفق ہو اور میرے ساتھ کام کرنا چاہتی ہو۔''

''کیوں نہیں، میں آپ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گی۔ آج کل امتحانات کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور میں بہتر طور پر تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ یہ میرا شوق ہے''

''اور میں اس شوق میں کبھی حائل نہیں ہوں گی۔ کیونکہ عورت کے لیے تعلم بے حد ضروری ہے۔'' کافی دیر شاہانہ غوری کے ساتھ گزری۔ پھر میں نے اجازت طلب کر لی، وہ اٹھیں اور کہنے لگیں......

''آؤ، میں تمہیں تمہارے ہوسٹل تک چھوڑ آؤں''

''آپ صرف مجھے ٹیکسی منگوا دیجیے، میں چلی جاؤں گی''

''نہیں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر میں یہ نہ کر پاتی تو تمہیں پیشکش نہ کرتی''، میں خاموش ہو گئی۔

اس بار میں نے اس ڈرائیور کو بغور دیکھا، پہلے بھی وہ خوش شکل نوجوان مجھے اچھا لگا تھا اور میں نے دل میں سوچا تھا کہ شکل وصورت سے یہ اتنی معمولی حیثیت کا نوجوان نہیں لگتا۔ پتہ نہیں کس مجبوری کے تحت ڈرائیوری کی ملازمت کرتا ہے، لیکن اب منظر ہی بدل گیا تھا، وہ شاہانہ غوری کا بیٹا تھا، حیرت ہے، تعجب ہے، میں ہوسٹل پہنچ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ ناظمہ کہیں گئی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے ہر وقت وہ میرا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ باقی لڑکیاں بھی اپنے اپنے معاملات میں مصروف تھیں۔ چنانچہ مجھے تنہائی مل گئی اور یہ تنہائی شاہانہ غوری کے تصورات سے پر تھی۔ حیران کن بات ہے پراسرار کردار ہے، مالی اعتبار سے بہت مستحکم، لیکن وہ اس کے تین بیٹے۔ تین جڑواں بیٹے اور اس نے ان کے ساتھ یہ سلوک کر رکھا ہے! مسٹر غوری لاپتہ ہیں۔ کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ بس وہی ایک کہانی، کوئی ایسی کہانی جس میں عورت پر مرد کے ستم کا قصہ ہو اور اس کے بعد عورت

کے ذہن میں ابھر آنے والی بغاوت۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ظلم انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو سر خود بخود اٹھ جاتا ہے اور اس کے بعد ان اٹھے ہوئے سروں کو جھکانا ممکن نہیں ہوتا۔

حالانکہ یہ ایسی باتیں تھیں جو ذہن میں کھلبلی پیدا کر رہی تھیں اور بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی تھیں، لیکن نجانے کیوں میں نے انہیں ذہن سے آگے بڑھنے نہ دیا اور فطرت کے مطابق ہر ایک سے اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا یہاں تک کہ ناظمہ سے بھی نہیں۔ جس سے مجھے بے حد محبت اور دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔

وقت گزرنے لگا، درحقیقت ان دنوں تمام ہی لڑکیاں پڑھنے میں مصروف ہو گئیں تھیں اور بہت سے فضول مشاغل بند کر دیئے گئے تھے۔ میں اور ناظمہ بھی تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف تھے اور ہوسٹل سے زیادہ باہر نکلنا نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن رخسانہ باجی نے کسی کے ہاتھ مجھے پیغام بھجوایا کہ میرے عزیز مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں ایک دم خوش ہو گئی، یقینی طور پر سیالکوٹ سے کوئی آیا ہے۔ میں خود تو باہر نہیں گئی بلکہ آنے والے ہی کو اندر بلوا لیا، تصور کر رہی تھی کہ کون ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جلال بھائی ہوں، کمال بھائی ہوں، کسی مرد کا تذکرہ کیا گیا تھا، بھلا ان کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن آنے والے کو دیکھ کر میں بھونچکی رہ گئی، میں نے فوراً ہی اسے پہچان لیا تھا۔

چوہدری الٰہی بخش کے بڑے بھائی غلام بخش کے صاحبزادے احسان الٰہی بخش تھے۔ وہ نوجوان جو اس دن مجھے الٰہی بخش صاحب کی کوٹھی میں ملا تھا اور مجھے دیکھ کر ذہن میں کوئی اچھا تاثر نہیں ابھرا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہی وہ اپنی نوکیلی مونچھوں کو بل دیتا ہوا آگے بڑھ آیا۔

''اب جی، ایسی بھی کیا بات ہے کہ آپ ہمیں پہچاننے سے انکار کر رہی ہو۔ بولو پہچانی یا نہیں؟'' اس نے بڑے بھونڈے انداز میں کہا۔

''جی ہاں، کیوں نہیں؟''، میں نے صدف بھابی کا خیال کرتے ہوئے کہا۔

صدف بھابھی کا کزن تھا اور صدف بھابھی ایسی شخصیت تھیں کہ ان کے لیے سب کچھ برداشت کیا جا سکتا تھا۔

''چلو جی خدا کا شکر ہے، تو پھر اب ہم بیٹھ تو سکتے ہیں نا؟''

''جی ہاں، جی ہاں، تشریف رکھیے براہ کرم''

''او بھئی! تم لڑکیاں اتنی سرکش کیوں ہوتی ہو؟ کوٹھی پڑی ہوئی ہے، پوری چاچا جی کی اور تم ہو کہ اس کال کوٹھڑی میں پڑی ہوئی ہو۔ اور یہ بھی کوئی رہنے کی جگہ ہے، یہاں کیسے جی لیتے ہوں گے لوگ اور پھر کبوتر کی طرح ایک ڈربے میں کئی کئی اور خدا کی بندی اپنے آپ پر رحم کرو، چاچا جی کی کوٹھی میں چل کر رہو۔ آرام سے رہو گی وہاں''

بڑا شدید غصہ آ رہا تھا اس بے وقوف آدمی پر مجھے، گفتگو کرنے کا انداز بے حد گھٹیا تھا اور شخصیت وہ بھی ایسی کہ مجھے اسے اپنا عزیز کہتے ہوئے شرم آئے۔ کیا سوچیں گے دوسرے لوگ'' بہر حال میں نے نہایت صبر سے مسکرا کر کہا......

''نہیں احسان صاحب، ہم لوگ یہاں بہت خوش رہتے ہیں۔''

''او خاک خوشی رہتی ہوگی! کھانا پینا کیسا ہوتا ہے یہاں؟ ذرا آئینے میں اپنی صحت دیکھو''

''کمال'' ہے، آپ تو ایسی باتیں کر رہے ہیں جیسے بچپن سے مجھے جانتے ہوں، میری صحت آپ نے کب خراب دیکھی اور کب بہت اچھی دیکھی؟ خیر چھوڑیے ان باتوں کو میں یہاں مطمئن ہوں آپ سنائیں آپ کی دونوں بہنیں کیسی ہیں؟

''وہ ایسی ہی ہیں۔ وہ بھی کوئی انسان ہیں، جاہل زمانے بھر کی، دنیا کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتیں، بے وقوف ہیں پوری اٹھ کی اٹھ......''

''آپ لوگوں نے انہیں تعلیم کیوں نہیں دلائی؟''

''او بھئی کتابیں گدھے پر لاد دی جائیں تو کیا وہ انسان بن سکتا ہے؟ بہت پڑھانے کی کوشش کی گئی انہیں، مگر ایسی ٹھس کھوپڑیاں ہیں ان کی کہ کچھ پڑھ کے نہ دیا، پھر بھی چھ چھ جماعتیں پڑھ لی ہیں۔ اپنا نام لکھنا جانتی ہیں۔ چیک بکوں پر دستخط کر لیتی ہیں۔ بس اتنا ہی کافی ہے''

''ہوں، اور آپ نے کتنی تعلیم حاصل کی ہے؟''

''او بی بی، سارا انٹرویو اسی وقت لے ڈالو گی؟ چھوڑو ذرا باہر کا ماحول دیکھو، آیا ہوا تھا میں فیصل آباد سے، تمہارا پتا معلوم کیا شفق سے، بڑی چالاکی سے اور وہاں سے یہ کہہ کر نکل آیا کہ واپس فیصل آباد جا رہا ہوں۔ مگر ادھر تم سے ملنے چلا آیا چلو، کہیں گھومنے چلتے ہیں، راوی میں کشتی کی سیر کراؤں میں تمہیں، اور اس کے بعد کسی بڑھیا سے ہوٹل میں کھانا کھائیں گے، چلو تیار ہو جاؤ''

''جی'' میں نے آنکھیں پھاڑ کر کہا......

''ہاں بھئی، ہمارا نام ہے چوہدری احسان الٰہی اور ہم جو فیصلہ کر لیتے ہیں وہ آخری ہوتا ہے۔ بس اٹھو، اٹھ جاؤ......''

''چوہدری صاحب، آپ نشہ کرتے ہیں؟ میں نے سوال کیا۔

وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر ایک دم ہنس پڑا۔

''بڑی تیز نگاہ ہے تمہاری۔ ہاں بس کبھی کبھار کر لیتے ہیں، اپنا یار ہے ادھر فلم انڈسٹری میں بس اس کے گر گے ہیں ادھر ادھر کے کھانے پینے والے لوگ ہیں۔ بیٹھ جاتے ہیں۔ کبھی ان کے ساتھ، پھر جم جاتی ہے پیسا ہمارا لگتا ہے، عیش وہ کرتے ہیں۔ ہم بھی سوچتے ہیں کہ چلو کیا جاتا ہے ہمارا''

''اور کیا خدمت کروں میں آپ کی''

''او...... بھئی کمال کرتی ہو، ابھی تک تیار ہونے نہیں گئیں۔ ہم باہر چلے

جائیں کیا؟''

''جی بہتر ہی ہوگا کہ آپ چلے جائیں۔ میں نے نشے کی بات اس لئے کی تھی
کہ آپ مجھے اس وقت بھی نشے میں ہی معلوم ہوتے ہیں''

''او خدا کی قسم بھئی، کل سے کچھ نہیں کھایا پیا، میرا مطلب ہے کوئی نشہ نہیں
کیا''

تو پھر آپ باتیں ایسے ہی لوگوں کی سی کرتے ہیں جو نشے میں ہوں میرا بھلا
آپ سے کیا رشتہ ہے؟ کیا واسطہ ہے؟ کون سی دس بیس ملاقاتیں ہیں جو میں آپ کے
ساتھ راوی کی سیر کرنے چلوں؟ پہلا سوال تو میں آپ سے یہ کرتی ہوں کہ آپ یہاں
آئے کس کام سے ہیں؟ یہ لڑکیوں کا ہوسٹل ہے اور لڑکیوں سے ملنے کے لیے آنے
والے ان کے قریب ترین عزیز ہو سکتے ہیں، کوئی ایرا غیرا ان کے پاس نہیں آ سکتا۔ میں
نے یہ سوچ کر آپ کو بلوا لیا کہ ہو سکتا ہے میرے بھائیوں میں سے کوئی بھائی مجھ سے
ملنے آیا ہو، مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ تشرف لائے ہیں۔ ایک درخواست کرتی ہوں
آپ سے، آئندہ یہاں تشریف لانے کی زحمت نہ کریں، آئیں گے تو خود رسوا ہو
جائیں گے، کیونکہ میں آپ سے ملنے سے انکار کر دوں گی''

''بھئی کمال کرتی ہو، رشتے داری ہے ہماری تمہاری ایرے غیرے کہہ رہی ہو
ہمیں۔ تمہاری بھابی کے تایا کے بیٹے ہیں''

''آپ جا سکتے ہیں احسان الٰہی صاحب، بہت بہت شکریہ''

''مطلب یہ کہ تم ہماری پیش کش کو ٹھکرا رہی ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے ہم
دھمکی نہیں دے رہے تمہیں، تمہیں کیا دھمکی دیں گے، ہماری رشتہ دار ہو۔ مگر، مگر ہم بڑے
مخلص آدمی ہیں۔ دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن''

میں نے محسوس کیا کہ ابھی وہ ایک بڑک لگائے گا، سلطان راہی کے سے

انداز میں سینہ تان کر بدن کو جھٹکے دے رہا تھا۔ وہ تو خیر اداکاری ہوتی ہے، مگر یہ بگڑا ہوا
دشمن! میں نے پھر بھی احترام سے کہا۔

''آپ تشریف لے جا سکتے ہیں، جناب احسان الٰہی صاحب''

''اچھا بھئی، اچھا وہ جو ایک شعر تھا، نکلنا خلد سے پتا نہیں آدم کا یا کسی اور کا،
خیر ہوگا چھوڑو، شعر و شاعری تو آدمی اس وقت کرتا ہے، جب راوی میں کشتی پر بیٹھا ہو۔
اوپر چاندنی پھیلی ہو، نیچے پانی ہو۔ اچھا اللہ حافظ، چلتے ہیں مگر، مگر''

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، دروازے پر رک کر مجھے دیکھا اور باہر نکل گیا۔
دماغ بھنا کر رہ گیا تھا۔ میں دیر تک دروازے کو گھورتی رہی اور اس کے بعد کتاب اٹھا کر
نگاہوں کے سامنے کر لی، مگر الفاظ ناچ رہے تھے۔ یہ شخص آخر یہاں آیا کیوں؟ صورت
ہی سے اوباش فطرت معلوم ہوتا ہے۔ صدف بھابھی سے تذکرہ کروں گا، کسی اور سے
کہنا تو مناسب نہیں۔ آنا نہیں چاہئے اسے، اور اگر دوبارہ کبھی آیا تو...... تو اچھا نہیں
ہوگا۔ لیکن صرف بھابھی کی وجہ سے ذرا خاموشی اختیار کیے لیتی ہوں۔ جب بھی ان سے
رابطہ ہوا بات کر لوں گی۔ بہت مشکل سے میں اپنے آپ کو ایک بار پھر کتابوں میں یکسو
کر سکی تھی۔

اس کے بعد کئی دن گزر گئے، کوئی ایسی اہم بات نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہو۔
پڑھائی شدید تیزی کے ساتھ ہو رہی تھی اور خاصا کام ہو چکا تھا۔ ذہن پر اس دن کچھ
اکتاہٹ سی سوار تھی۔ سیالکوٹ سے بھی کوئی رابطہ نہیں ہو سکا تھا ویسے بھی وہ لوگ بہت کم
مجھ سے رابطے کرتے تھے۔ یہ بات تو میں اچھی طرح جانتی تھی کہ یہاں میرا داخلہ غازی
صاحب کی مرضی کے خلاف ہوا ہے۔ میرے پیچھے بہت سی کہانیوں نے جنم لیا ہوگا اور
ابھی تک غازی صاحب مجھ سے مطمئن نہیں ہیں۔ حالانکہ ملاقات کر کے گئے ہیں۔ میں
اپنے باپ کی فطرت کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ دل چاہا کہ کسی سے ملاقات کروں۔

چوہدری الٰہی بخش ذہن میں آئے۔ شفق بہت اچھی لڑکی تھی لیکن ذرا دبی دبی شخصیت کی مالک تھی اور اس پر خاصی پابندیاں بھی تھیں۔ اس لیے مجھ سے زیادہ ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اس گھر میں ایسا کوئی کردار نہیں تھا جس سے ملنے کو جی چاہے۔

ان ہی سوچوں میں گم تھی کہ شاہانہ غوری یاد آ گئیں اور میں اچھل پڑی۔ انہوں نے کہا تھا کہ اب وہ اس وقت تک مجھ سے رابطہ نہیں قائم کریں گی، جب تک میں خود ان سے ملاقات نہ کروں۔ پتا پوری طرح ذہن میں تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان کے پاس جاؤں، چنانچہ تیار ہوئی اور رخسانہ باجی کو اطلاع دے کر باہر نکل آئی۔ میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ اپنی ایک عزیزہ سے ملاقات کرنے جا رہی ہوں۔ انہیں مجھ پر مکمل اعتماد تھا۔ بس چند سوالات کیے انہوں نے، اور اس کے بعد جانے کی اجازت دے دی۔ میں نے ہوسٹل سے کافی دور نکلنے کے بعد ایک آٹو رکشہ لیا اور اس میں بیٹھ کر ڈرائیور کو پتا بتا دیا، بڑے اطمینان سے شاہانہ غوری کی کوٹھی پر پہنچ گئی، رکشہ ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور کوٹھی کے اندر داخل ہو گئی۔ ایک ملازمہ نے مجھے خوش آمدید کہا، غالباً اس دن بھی اس نے مجھے دیکھا تھا جب میں پہلی بار مسز غوری کے ساتھ یہاں آئی تھی۔

میں نے اس سے شاہانہ غوری کے بارے میں پوچھا تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''جی اندر موجود ہیں، آپ میرے ساتھ آ جائیے، وہ مجھے ڈرائینگ روم میں لے گئی، وہاں بٹھایا، پھر اطلاع کرنے کے لیے اندرونی دروازے میں چلی گئی، میں ڈرائینگ روم میں رکھی ہوئی جانی پہچانی اشیاء کا جائزہ لینے لگی۔

دفعتاً میرے کانوں نے ایک وہشتناک چیخ سنی اور میں اچھل پڑی۔ کچھ ایسی اضطراری کیفیت جسم پر طاری ہوئی کہ میں کھڑی ہو گئی، دلدوز چیخ دوبارہ سنائی دی اور اس کے بعد کوئی وزنی چیز گرنے کی آواز، اور پھر دوڑتے ہوئے قدم۔ میں حیران

نگاہوں سے دوسرے اندرونی دروازے کی طرف دیکھنے لگی، اسی دروازے سے وہ ملازمہ اندر گئی تھی۔ لیکن جو چیخ مجھے سنائی دی تھی، وہ نسوانی نہیں تھی۔ بلکہ کسی مرد کی تھی؟ چنانچہ یہ بات نہیں سوچ سکتی تھی، کہ چیخنے والی ملازمہ ہو سکتی ہے، پھر...... پھر...... ادھر کیا ہو رہا ہے! ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ دروازے سے داخل ہو کر صورت حال معلوم کروں، لیکن ہمت ساتھ نہیں دے سکی تھی۔ ویسے ہی مناسب نہیں تھی۔ میں دوسری ہی بار یہاں آئی تھی۔ یہ کوئی بالکل ذاتی معاملہ ہو سکتا ہے، لیکن میرے کان اسی سمت لگے رہے، پھر میں نے سڑاک سڑاک کی مسلسل آوازیں سنیں اور ہلکی ہلکی مردانہ آوازیں آئیں''

''نہیں...... نہیں، خدا کے لئے...... آہ...... ہائے...... ہائے!'' پھر یوں لگا کہ جیسے چیخنے والی آوازیں گھونٹ دی گئی ہوں۔

میرے خدا، یہ کیا ہو رہا ہے، کوئی کسی کو بری طرح مار رہا ہے، مگر کون؟ کیوں؟ ایک دل ہلا دینے والا خیال دل میں آیا۔ کہیں یہ مسز غوری کے بیٹے سے نفرت کا کوئی پہلو تو نہیں ہے؟ کہیں پٹنے والا ڈرائیور، کک یا مالی تو نہیں ہے؟ تین ایک جیسے چہرے میری آنکھوں میں گردش کرنے لگے۔ دل میں دہشت بڑھتی جا رہی تھی'' مسز غوری ابھی تک نہیں آئیں تھیں۔ مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ نکل جاؤں، کس طرح نکل جاؤں...... یہاں سے...... کیا کروں...... سمجھ نہیں آ رہا تھا، کیسے نکلوں نکلنے کی ہمت نہ ہو سکی۔

آوازیں بند ہو چکی تھیں، اور اب خاموشی طاری تھی، میرا گلا خشک ہونے لگا۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر انتظار کرنے لگی۔ اب آ گئی ہوں تو رکنا ہوگا۔ خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتی رہی اور کافی حد تک خود کو سنبھال لیا، پھر بیرونی دروازے پر آہٹ ہوئی، اور میں اچھل گئی۔ میں نے سہمی ہوئی نظروں سے دروازے کی طرف

دیکھا۔ آنے والی شاہانہ غوری تھی۔ ان کے جسم پر ساڑھی تھی لیکن اتنے سلیقے سے بندھی ہوئی نہ تھی جیسا کہ وہ لباس پہننے کی عادی تھیں۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ انہوں نے عجلت میں ساڑھی باندھی تھی۔

''ہیلو! شائل ڈارلنگ! شرمسار ہوں تم سے، ایک بے حد ضروری کام میں مصروف تھے، ٹھیک سے کپڑے بھی نہیں پہن سکی۔ پلیز دل میں کوئی بھی خیال نہ کرنا۔''

''نہیں میڈم ایسی کوئی بات نہیں ہے'' میں نے انہیں بغور دیکھتے ہوئے کہا...... ''ان کے چہرے پر ایک سفاکی سی چھائی ہوئی تھی'' آنکھوں میں بھی سرخی جھلک رہی تھی......''

''کہو، پڑھائی کیسی ہو رہی ہے......''

''اطمینان بخش......''

''کئی بار تمہیں یاد کیا...... پھر ضبط کر گئی، اس خیال سے کہ تم پڑھ رہی ہو گی......''

''جی ہاں'' پچھلے دنوں خوب محنت کی ہے......''

''تمہارے چہرے سے پتہ چل رہا ہے، پہلے یہ بتاؤ کیا پیو گی''

''آپ یقین کیجیے کہ کوئی حاجت نہیں ہے......''

''او کے، جب کوئی حاجت نہ ہو تو اورنج جوس پینا چاہیے۔'' انہوں نے صوفے کے پاس رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ وہی ملازمہ اندر داخل ہوئی، جو مجھے یہاں لائی تھی۔

''اورنج جوس......'' انہوں نے کہا اور ملازمہ باہر نکل گئی......

''آپ کیسی ہیں میڈم'' میں نے پوچھا......''

''بہت خراب'' انہوں نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا......''

''خیریت......''

''اس ہفتے میں نے بہت کام کیا ہے......''

''اوہ، تب تو میرا آنا درست نہیں ہے''

''میں نے اس ہفتے کہا ہے، آج کے لیے نہیں کہا۔ اور پھر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے آنے سے تھکن اترتی ہے'' تم ان ہی لوگوں میں سے ہو...... سمجھیں؟'' وہ پرزور لہجے میں بولی......''

''شکریہ''

''اس روز میرے پاس سے جانے کے بعد تم نے میرے بارے میں بہت کچھ سوچا ہوگا......

''بے شک''

''فطری بات ہے، تم انکار کرتیں تو مجھے تمہاری شخصیت میں جھول محسوس ہوتا'' ویسے سچ بتانا اس دن تمہیں کیسی بات نے حیران کیا''؟

''جی۔ میڈم!''

''بتانا پسند کرو گی، کون سی بات نے؟''

''خاص طور سے دو باتوں نے، نمبر ایک، آپ کے تین بیٹے، جو بیک وقت پیدا ہوئے، پھر ان کے ساتھ آپ کے رویئے نے، عموماً کیسے ہی حالات ہوں، مائیں اولاد کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتیں۔

''ہاں یہ سچ ہے''

''دوئم یہ کہ آپ نے میرے بارے میں اتنی چھان بین کیوں کرائی، میرے اندر ایسی کوئی خوبی تو نہیں ہے''

''ہے'' انہوں نے پرزور لہجے میں کہا......''

"مجھے اندازہ نہیں ہے"

"مجھے ہے، مزید دو بھائی اور دو بہنیں......مگر کسی کی جرات نہیں ہوئی کہ پانی کے تنازع پر اپنے دشمن کے کھیت جلا دے۔ یہ کسی جرات مند کا کام ہے اور پھر ایک لڑکی اگر اس عمل کی محرک ہو تو اس لڑکی کے بارے میں غور کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے......"

"خدا کی پناہ!" آپ کو یہ بھی معلوم ہے؟" میں نے حیران ہو کر ان سے کہا......"

"ہاں......"

"اس کا مطلب ہے کہ ابھی میرے بارے میں تحقیق جاری ہے......"

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے......"

"پھر یہ نئی معلومات......"

"پہلے کی معلومات کا ایک حصہ ہے، اس وقت تذکرہ نہیں کیا تھا تم سے......"

"خوب معلومات حاصل کی ہیں آپ نے۔ حالانکہ یہ بہت پرانی بات ہے" میں نے مسکرا کر کہا......

"مگر اس سے تمہاری شخصیت روشنی میں آتی ہے، سرکشی، ضدی، عمل کر ڈالنے والی۔ ہاں تم کسی چوٹ سے عاری ہو۔ شیرنی ہو، مگر زخمی ہو" ابھی اس سے زیادہ گفتگو نہیں ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"آ جاؤ" مسز غوری نے کہا اور وہی نوجوان اندر آیا۔ خاموش، گردن جھکائے ہوئے، معمولی سے لباس میں، تھکا تھکا چہرہ لئے ہوئے، ملازموں کی طرح مؤدب زندگی کی کوئی خوشی نہیں تھی، اس کے چہرے پر۔ ایک نہایت دولت مند عورت کے بیٹے تھے وہ، اگر واقعی مسز غوری سچ بول رہی ہیں، تو کیا ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے،

پھر میں نے نوجوان کو گہری نظروں سے دیکھا؟ ابھی کچھ دیر قبل سنائی دینے والی چیخیں، اس کی تو نہیں تھیں؟ لیکن ایسا لگتا نہیں تھا، ٹرالی پر اورنج جوس کا بھرا ہوا جگ رکھا تھا۔ دو گلاس تھے، اس نے گلاسوں میں جوس انڈیلنے کے لئے ہاتھ بڑھائے تو مسز غوری نے اسے روک دیا۔ "نہیں......جاؤ......، اور وہ باہر نکل گیا۔

"اس کا نام عامر ہے" مسز غوری نے کہا۔

"جی"

"امتحان کے بعد تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"سیالکوٹ جاؤں گا......"

"کتنے عرصے کے لیے؟"

"چھٹیاں وہاں گزاروں گی......"

"اوہ! کافی وقت لگے گا......"

"جی ہاں کیوں......؟

"نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ ظاہر ہے یہ تو مجبوری ہوگی۔ تمہیں ایسا کرنا پڑے گا۔ شاید میں ہی جلد بازی کر رہی ہوں، فرصت ہے تمہیں رکو گی میرے پاس یا جلدی جاؤ گی......"

"اتنی جلدی بھی نہیں......"

"فیصلہ نہیں کر پاتی ہوں کہ تم سے کیا بات کروں۔ نہیں میرے خیال میں آج بات کر ہی لی جائے......"

"کس بارے میں......"

"تمہیں دیکھ کر میرے دل میں جو خیالات ابھرے ہیں ان کے بارے میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں"

''جی ضرور......اب تو میرے دل میں تجسس جاگ اٹھا ہے......''

''تمہیں معلوم ہے، میں سوشل ورکر ہوں......''

''اچھی طرح......

''حقوق نسواں کے ادارے کی سربراہ ہوں، عالمی ادارے کے تعاون سے میں نے یہاں لاہور میں ایک دارالامان قائم کر رکھا ہے جس میں بے سہارا عورتوں کی نگہداشت اور کفالت کی جاتی ہے......''

''مجھے ان کی تفصیل نہیں معلوم......''

''وہاں اس وقت دو سو عورتیں ہیں، جو عزت سے زندگی گزار رہی ہیں لیکن وہ جگہ ان تمام عورتوں کے لئے ہے جن کی انسپکشن رفاہی اداروں کے وفد کرتے رہتے ہیں۔ وہاں سے انٹرویو دیتے ہیں، ہر طرح کی معلومات حاصل کرتے ہیں اور ان کی کہانیاں منظر عام پر آتی رہتی ہیں''

''خوب۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا......

''بہت خوب عمارت ہے جہاں انہیں ہر سہولت فراہم کی گئی ہے لیکن وہ دنیا کو دکھانے کے لیے ہے۔ میرے کچھ خفیہ دارالامان بھی ہیں جو مختلف علاقے کے بنگلوں اور مکانوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ صرف لاہور میں ہی نہیں بلکہ دوسرے شہروں میں بھی ہیں۔ وہاں ان عورتوں کو سہولت ہے اور جو عورتیں کسی بھی مشکل میں مردوں کے مظالم کا شکار ہوتی ہیں، وہ مرد باپ ہوں، بھائی ہوں، شوہر ہوں یا کوئی بھی رشتہ ہو، ان سے یہ وہ عورتیں ہوتی ہیں جن پر ان کے مظالم کا شکار ہوتی ہیں، اور ہر طریقے سے ان پر ہر تسلط قائم رکھتے ہیں اور انہیں ان کے پنجہ سے نکلنے کے مواقع مہیا نہیں ہوتے۔ میں ان عورتوں کی مدد کرتی ہوں۔ انہیں کسی نہ کسی طریقے سے اٹھا کر لاتی ہوں، اور اس کے بعد ظلم کرنے والے سے حساب کرتی ہوں، ہر طرح سے ہر زبان میں، انہیں ٹھیک کر دیتی۔ اپنی

اصلاح کرنے پر مجبور کر دیتی ہے، اس طرح مجھے کافی کامیابیاں حاصل ہوئیں ہیں، لیکن تمہیں اندازہ ہے کہ یہ سب کچھ قانونی نہیں ہے، اس میں، قانون کی دخل اندازی کا خطرہ رہتا ہے، کئی بار ایسا ہوا بھی ہے۔ لیکن میں نے طریقہ کار ایسا رکھا ہے کہ قانون مجھے تلاش نہ کر سکے۔

''اوہ، میرے خدا......

''اوہ میں نے تمہیں اس راز سے بلاوجہ آگاہ نہیں کیا......''

''جی'' میں نے آہستہ سے کہا......

''بے شمار کارکن ہیں میرے، جن میں بے شمار مرد بھی ہیں لیکن صرف وہ مرد جو جرائم پیشہ ہیں۔ جو معاوضہ لیتے ہیں۔ یہ سوچے بغیر کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ وہ صرف مشین ہیں۔ اور ان مشینوں کو کارکن لڑکیاں آپریٹ کرتی ہیں۔ ان کا آپریٹر کوئی مرد نہیں ہے، سمجھ رہی ہو؟''

''جی ہاں......''

''ان کاموں میں میرا معاون کوئی نہیں ہے، میری معیار کی ایسی کوئی لڑکی مجھے نہیں ملی ہے جو میرے جیسی سوچ رکھتی ہے۔ میری طرح عمل کر سکتی ہو۔ مجھے ایک شیرنی کی تلاش رہی ہے۔ میری آنکھیں اسے ہر جگہ کھوجتی رہتی ہیں اور پہلی بار وہ مجھے نظر آئی ہے وہ تم ہو شائل، میں ایسی بینائی پر ناز کرتی ہوں، میں نے جو کچھ دیکھا، جو کچھ پرکھا، اسے ویسا ہی پایا جیسے سوچا۔ میں نے تم میں وہ شیرنی غراتے دیکھ لی ہے، ہاں بس تم زخمی نہیں ہو۔ کاش تم زخمی ہوتیں...... خیر...... دراصل میں نے یہ سب کچھ بڑی محنت سے کیا ہے، بڑی محنت سے...... لیکن...... لیکن'' اس کے انداز میں کچھ افسردگی پیدا ہو گئی تھی......''

''لیکن میڈم؟''

”یوں لگتا ہے جیسے وقت مجھے زیادہ مہلت نہیں دے گا۔ مجھے...... مجھے کینسر ہو گیا ہے......“

”جی“ میں اچھل پڑی۔

”بہت پرانا ہے یہ...... بہت پرانا ہے۔ ظاہر اب ہو رہا ہے، مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ہے، افسوس یہ ہے کہ میرے بعد کوئی میری طرح اس ادارے کو نہیں چلا سکے گا......“

”میڈم“! میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

”میں تمہیں تربیت دینا چاہتی ہوں، کاش یہ تینوں میری بیٹیاں ہوتیں۔ کاش! میرے بدن کے کسی حصے سے کوئی لڑکی تراشی جا سکتی تو......تو......“ وہ حسرت بھرے انداز میں خاموش ہو گئیں۔ کچھ دیر خاموش رہی، پھر چونک کر بولیں......“

”اوہ! اوہ! شائل تم بھی تو کچھ بولو......“

”آپ مجھے حکم دیں میڈم......“

”کیا حکم دیں......“

”میرا مطلب ہے، میں کیا بولوں......“

”تمہارا کیا خیال ہے، میری اس کارکردگی کے بارے میں“؟

”میڈم۔ آپ...... آپ بہت عظیم ہیں۔ مجھے آپ کے بارے میں اس قدر اندازہ نہیں تھا۔ میں آپ سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔

”میں نے تمہیں اپنا راز دار بنایا ہے شائل......“

”جی میڈم......“

”اور تم جانتی ہو کہ“

راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

”جی میڈم......“

”تم اس راز کو راز رکھ سکو گی......؟“

”آپ کو مجھ سے خدشہ ہے میڈم......؟“

”ہاں......“

”میڈم“ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کی شخصیت سے منسوب ہر راز کو اپنی زندگی کی طرح محفوظ رکھوں گی۔ میں صرف یہ کہہ سکتی ہوں اس کے آگے مطمئن ہونا آپ کا کام ہے......“

”ہوں مجھے تم پر یقین ہے۔ اب میں تم سے دوسرا سوال کرتی ہوں......“

”جی......“

”میرے اس مشن کو سنبھالنا پسند کرو گی......“؟

”اب مجھے اس قابل سمجھتی ہیں میڈم......“

”بتا چکی ہوں کہ مجھے اپنی پرکھ پر ناز ہے......“

”مگر میں خود سے زیادہ مطمئن نہیں ہوں میڈم......“

”وجہ“؟

”آپ میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہیں......“

”ہاں۔ اس کے لیے کوئی ایسا طریقہ کار منتخب کر لیں گے، جس سے تمہیں پریشانی نہ ہو......“

”میڈم! آپ اگر ایسا کوئی حل نکال سکتی ہیں تو میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔ پورے خلوص سے، پورے اعتماد سے، اور یہ بھی وعدہ کرتی ہوں کہ اگر وقت نے مجھے مہلت دی تو میں اس کی دست راست رہنے کی کوشش کروں گی“ کیا آپ میرے ان الفاظ سے مطمئن ہیں......؟“

"بہت زیادہ......" انہوں نے مسرور لہجے میں کہا......

"میں آپ سے ایک بات معلوم کرنا چاہتی ہوں......"

"کیا......؟"

"آپ نے مجھے ایک منحوس خبر سنائی ہے۔ اپنی بیماری کے بارے میں، کیا یہ صحیح ہے......"

"کینسر......"

"ہاں......"

"وہ ایک حقیقت ہے......"

"علاج نہیں کرائیں گے......؟"

"ہو رہا ہے......"

"کہاں کیسے......؟"

"جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہی میرا علاج ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی علاج میرے لئے ممکن نہیں ہے اور یقین کرو۔ یہ علاج اگر مکمل ہو جائے تو میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی......" میں خاموش ہو گئی، اب میرے پاس اور کوئی سوال نہیں تھا۔ انہوں نے خود ہی کہا۔

"فی الحال یوں کرو، ہفتے میں ایک بار مجھ سے ملتی رہو، بلکہ ابھی اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پندرہ دن یا مہینے میں ایک بار امتحان کے بعد جب تم سیالکوٹ سے واپس آؤ تو پھر کوئی موثر طریقہ اختیار کریں گے۔ دیکھیں گے کہ کیا کر سکتے ہیں۔"

"جی...... میں آپ سے ملتی رہنا چاہتی ہوں۔ ہفتے میں ایک بار کا پروگرام بالکل مناسب ہے......"

"مجھے خوشی ہوئی۔ چھٹی کے دن چار گھنٹے تم مجھے دو گی اور اس دوران میں

ایک لائحہ عمل بنا لوں گی، تمہارے سلسلے میں......"

"بہت مناسب ہے میڈم......" میں نے کہا اور ان سے اجازت طلب کر لی۔ میرے منع کرنے کے باوجود وہ خود فاخر کے ساتھ مجھے چھوڑنے آئیں۔ راستے میں میں نے فاخر کا جائزہ لیا۔

ہوسٹل کے کمرے میں ناظمہ موجود تھی۔ پڑھ رہی تھی، کتابیں رکھ کر مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ رات کو بستر پر لیٹ کر شاہانہ غوری سے اس دوسری ملاقات کی پوری تفصیلات پر غور کرنے لگی۔ آج بہت سی خطرناک حقیقتوں کا انکشاف ہوا تھا اور بلاشبہ یہ سب کچھ بے حد سنسنی خیز تھا۔ اگر گہرائی پر غور کیا جائے تو نہایت خطرناک بھی۔ لیکن میرے لئے یہ بے حد دلکش تھا میں یہی سب کچھ کرنا چاہتی تھی۔ یہ میری دبی ہوئی خواہشوں کی تکمیل تھی۔ شاید میں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا تھا کہ میں کیا چاہتی ہوں اب احساس ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ...... یہی سب کچھ میری خواہش ہے۔

-----☆☆☆☆☆-----

کئی دن تک یہ سب کچھ میرے ذہن میں چکراتا رہا۔ بالآخر چھٹی کا دن آیا اور میں تیار ہوگئی ایک پبلک کال بوتھ سے میں نے مسز غوری کو فون کیا تاکہ ان سے پروگرام پوچھ لوں......

"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں......" میں نے کہا۔

"تو پھر آ کر ملونا، میں انتظار کر رہی ہوں......" مسز غوری بولیں اور میں نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا...... اس کے بعد تیار ہو کر چل پڑی......ٹیکسی نے مجھے مطلوبہ پتے پر پہنچا دیا تھا......مسز غوری آج بہت اچھے موڈ میں تھیں......

خوبصورت لباس پہنے ہوئے تھیں اور بہت اچھی لگ رہی تھیں انہوں نے مجھے گلے لگا کر میرا استقبال کیا اور کہنے لگیں۔

"درحقیقت تمہارے اندر ایک ساحرانہ قوت ہے جو لوگوں کو تمہاری جانب متوجہ کر دیتی ہے اور پھر وہ تمہارا انتظار کرتے رہتے ہیں......"

"نہیں میڈم! مجھے آپ سے اختلاف ہے......" میں نے کہا......

"کیوں......؟"

"درحقیقت آپ کی اپنی شخصیت میں اس قدر پیار ہے کہ آپ ایسے احساسات رکھتی ہیں......"

"ارے نہیں بھئی، کیسی باتیں کر رہی ہو۔ میرے بارے میں جاننے کے باوجود......"

"میڈم، میں زیادہ تجربہ نہیں رکھتی، آپ کو علم ہے لیکن جتنی معلومات مجھے حاصل ہیں ان کے تحت میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتی ہوں کہ آپ کے اندر محبت کا ایک آتش فشاں بند ہے اور کبھی کبھی اس کا کوئی چھوٹا سا دہانہ کھل جاتا ہے......" مسز غوری دیر تک ہنستی رہیں پھر انہوں نے کہا......

"تمہارے لئے میں نے ایک تربیتی چارٹ تیار کر لیا ہے، درحقیقت بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میں تم سے ایک دم نہیں کہہ پاتی گو انہیں چھپانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ دوسری باتوں کے درمیان وہ تمام تصورات ذہن سے نکل جاتے ہیں، جتنا تم پر غور کرتی ہوں شمائل، اتنا ہی مجھے یہ احساس ہوتا چلا جاتا ہے کہ میں نے ایک بہت شاندار کام کیا ہے، اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے اور درحقیقت مجھے میرا نعم البدل مل گیا ہے......"

"خدا کرے کہ میں آپ کے معیار پر دس فیصد بھی پوری اتر جاؤں تو یہ میری خوش بختی ہوگی......" میں نے کہا۔

"دس فیصد نہیں، ایک سو دس فیصد، تم میرے معیار پر پوری اترتی ہو شمائل درحقیقت تم ان باتوں پر غور نہیں کرسکتیں۔ اپنی عمر دیکھو، اپنی تعلیم دیکھو، ابھی تو تم نے نوخیزیت کی منزل میں قدم رکھا ہے لیکن سوچوں کی گہرائی تمہیں تمہاری عمر سے پندرہ سال آگے ظاہر کرتی ہے اور جب تمہاری عمر مزید پندرہ سال آگے بڑھ جائے گی تو تمہارا تجربہ بھی وسیع ہو جائے گا اور یہ تجربہ جو کچھ کر سکتا ہے اس کا مجھے اندازہ ہے۔ ویسے درحقیقت اگر تمہارے گھر کے ماحول میں یہ سب کچھ نہ ہوتا تو یہ ننھی سی عمر تمہیں سوچ کی اتنی گہرائیاں نہیں دے سکتی تھی، ویسے تعلیم کے سلسلے میں تم نے کیا اقدامات کئے، میرا مطلب ہے سیالکوٹ میں رہ کر......"

''میڈم، اول تو بہت زیادہ عمر میں اسکول میں داخل ہونا نصیب ہوا، غازی صاحب قبلہ چھوٹے بچوں پر بوجھ لادنا پسند نہیں کرتے تھے اور انہوں نے جب تک میری عمر کسی قدر پختہ نہ ہو گئی مجھے اسکول نہ جانے دیا...... چنانچہ داخلہ بھی دیر سے لیا گیا اور اس طرح میٹرک کرتے ہوئے میری عمر کے بہت سے سال ضائع ہو گئے''

''ہاں میرا یہ اندازہ تھا...... بہرطور بڑی مسرت ہو رہی ہے ان دنوں مجھے تمہارے تصور کے ساتھ...... تمہاری ذات میں مجھے اپنے خوابوں کی تکمیل نظر آتی ہے بس انتظار کر رہی ہوں تمہارے تربیتی کورس کے آغاز کا...... امتحان دے لو، گھر ہو آؤ بلکہ اگر بہتر ہو تو کوئی ایسا بہانہ کر دینا جس کی وجہ سے تمہیں جلدی ہوسٹل آنے کا موقع مل جائے۔ ظاہر ہے یہاں کے معاملات ایسے نہیں ہیں کہ تمہیں وقت ہو پڑھائی وغیرہ پر خصوصی توجہ دینے کا بہانہ کر دینا اور اگر موقع نہ بھی ملے تو کوئی ہرج نہیں ہے، ہم بعد میں بھی سب کچھ دیکھ لیں گے...... جہاں تک تمہاری تعلیمی مصروفیات کا معاملہ ہے تو اس کے لیے میں تمہیں بہترین مددگار دے سکتی ہوں۔ بے فکر رہو، تمہارے ان مشاغل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ جسمانی تربیت کے لئے بھی میں نے کچھ انتظامات کیے ہیں، تمہیں ہفتے میں تین بار ایک جسمانی تربیت کا کورس کرنا ہوگا۔ اس میں جوڈو کراٹے کا کورس بھی شامل ہے۔ میں نہیں کہتی کہ تمہیں جوڈو کراٹے سیکھ کر دشمنوں سے پنجہ کشی کرنا ہے۔ بلکہ یہ صرف جسمانی فٹنس کے لیے ہوگا اور بھی بہت سے ایسے عمل ہیں جو ذہنی قوتوں کو جلا دیتے ہیں۔ تھوڑی سی نشانہ بازی اور اسلحے کا استعمال بھی سیکھنا ہوگا۔ یہ صرف ذاتی بچاؤ کے لیے ہوگا۔ میں نے حیرت سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''درحقیقت میں ایسی زندگی کے خواب دیکھتی رہی ہوں میڈم، میری فطرت میں یہ سب کچھ موجود ہے......''

''میں جانتی ہوں......'' مسز غوری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ خاصا وقت ان

کے ساتھ گزرا'' بہت سے تصورات میں نے ذہن میں سجائے اور اس کے بعد ان سے واپسی کی اجازت طلب کر لی......

''ارے ابھی سے، آج تو چھٹی کا دن ہے......''

''بس میڈم جانا چاہتی ہوں، کچھ تیاریاں کرنی ہیں، آپ سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا......

اور ویسے بھی تمہارے امتحانات کے دن بالکل قریب آتے جا رہے ہیں......''

''جی بہتر، لیکن آپ سے کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم کر لیا کروں گی......''

''اوہو بے شک بے شک، میں خود بھی تمہارے پاس آ سکتی ہوں تاکہ تمہارا وقت نہ ضائع ہو، لیکن خواہ مخواہ اس طرح تمہاری مجھ سے قربت کا اظہار ضرورت سے زیادہ ہو جائے گا اور یہ مناسب نہیں ہوگا......''

''جی جی، آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔ میں خود ہی آپ کی خدمت میں حاضری دیتی رہوں گی......''

''مجھے فون کر لیا کرو، چلو میں تمہیں چھوڑ دوں......''

''میڈم! ایک درخواست ہے آپ سے......

''وہ یہ کہ میں تمہیں ہوسٹل پہنچانے کی ضد نہ کروں......؟''

''جی میڈم، مجھے برا لگتا ہے یہ سب کچھ......''

''اچھا، جیسے تم پسند کرو......'' انہوں نے مجھے باہر تک چھوڑا اور پھر میں ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ہوسٹل واپس چل پڑی۔ آج کی اس ملاقات کا تاثر بھی میرے ذہن پر اچھا خاصا تھا۔ اور بہت خوش تھی میں۔ جو تربیتی پروگرام مسز غوری نے بنایا تھا وہ میرے لئے بھی انتہائی دلکشی کا باعث تھا۔ بہت زیادہ تو ان معاملات کے بارے میں نہیں جانتی تھی، لیکن دل میں یہ آرزو ہمیشہ ہی جنم لیتی رہتی تھی کہ میں کوئی ایسی شخصیت بن جاؤں

جو عام عورتوں سے مختلف ہو...... توحید آپا وغیرہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں ...... وہی
اولی اللہ قسم کی عورتیں ...... یا شوہروں سے دبنے والی عورتیں جو ہر گھر میں پائی جاتی
ہیں۔ انسان کے اندر کوئی تو انفرادیت ہو یہ سارے شعبے مردوں نے اپنے پاس رکھے
ہیں...... جسمانی طور پر وہ طاقتور ہوں، پہلوان ہوں، فنکار ہوں، سب کچھ وہی
ہوں...... اور ہم عورتیں صرف جھاڑ جھونکیں، کیونکہ ابتداء ہی سے ہمیں ایسی چیزوں سے
محروم رکھا جاتا ہے۔ محرومیت کے اس احساس کو میں ہمیشہ ہمیشہ
کے لئے مٹا دینا چاہتی تھی۔ اور اپنی پسند کی آزادانہ زندگی گزارنے کی خواہش مند تھی۔
ہوسٹل پہنچ گئی ناظمہ کمرے میں انتظار کر رہی تھی۔ وہ کسی حد تک متفکر نظر آ رہی تھی۔

''خیریت ناظمہ......؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں شمائل، وہ چودھری الٰہی بخش کے ہاں سے ملازم آیا تھا۔

''چودھری الٰہی بخش کے ہاں سے......''

''ہاں......''

''کیا کہہ رہا تھا......؟''

''تمہارے لیے پیغام لایا تھا۔ وہ تمہاری کوئی بھابھی ہیں سیالکوٹ میں
صدف بھابھی......''

''ہاں ہاں......''

''وہ یہاں آئی ہوئی ہیں۔ بہت زیادہ بیمار ہیں۔ انہیں اہسپتال لایا گیا تھا
جہاں سے انہیں گھر منتقل کر دیا گیا ہے......''

''اوہ میرے خدا تو......تو......''

''جی ہاں......انہوں نے ہی تمہیں بلایا ہے......''

''اوہو میں چلتی ہوں......'' میں نے کہا۔

''میں بھی چلتی ہوں......'' ناظمہ بولی......

''نہیں ناظمہ تم بیٹھو میں چلی جاؤں گی......ضد نہ کرو نجانے کیا صورت حال
ہے......''

ناظمہ میری صورت دیکھتی رہ گئی...... میں الٹے قدموں واپس پلٹی اور ہوسٹل
سے نکل آئی، چھٹی کا دن تھا اس لئے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ رخسانہ باجی کو بھی یقیناً
صورتحال کا اندازہ ہو جائے گا۔ میں نے رکشہ لیا اور چودھری الٰہی بخش کی کوٹھی کی جانب
چل پڑی۔ دل میں بڑے برے برے خیالات آ رہے تھے۔ خدا خیر کرے،
صدف بھابھی اچانک ہی یہاں آئیں، مجھے کوئی اطلاع نہیں دی، نجانے کیا بیمار ہیں وہ
ہسپتال گئیں، پھر گھر واپس آ گئیں...... خدا خیر کرے، خدا خیر کرے......''

چھٹی کے دن کی وجہ سے بازار بھی بہت زیادہ پررونق نہیں تھے۔ مجھے
چودھری الٰہی بخش کی کوٹھی تک جانے کے لیے ایک ایسی لمبی سڑک سے گزرنا تھا جس
کے دونوں اطراف میں کھیت بکھرے ہوئے تھے۔ رکشہ اسی سڑک پر جا رہا تھا کہ پیلے
رنگ کی ایک بڑی کار تیز رفتاری سے ہمیں اوورٹیک کر کے آگے نکلی اور پھر اس نے
آگے چل کر راستہ روک لیا...... رکشے والا شریف آدمی تھا گھبرا گیا اور کہنے لگا......

''بی بی جی غنڈہ گردی معلوم ہوتی ہے......'' اس سے پہلے میں کچھ سوچتی
رکشے کو رک جانا پڑا کار سے چار اوباش قسم کے آدمی اترے وہ عجیب سے انداز میں مجھے
گھور رہے تھے۔ میں نے بے چین نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا
تھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ پھر اچانک ہی وہ چاروں میری طرف لپکے اور انہوں نے میرے
بازو پکڑ لیے۔

''کدھر جا رہی ہو کبوتری...... ہم کب سے تمہاری تاک میں ہیں......''

''کیا بدتمیزی ہے چھوڑ دو میرے بازو کون ہو تم، کون ہو......؟''

"جو بھی ہیں تمہارے اپنے ہی ہیں۔ اوئے تو چل......" ان میں سے ایک نے رکشہ والے کو چاقو دکھاتے ہوئے کہا۔ اس نے گھبرا کر رکشہ واپس موڑ لیا......

"ارے ارے تم کہاں جا رہے ہو......؟" میں چلائی اور ان آدمیوں سے بولی۔

"کیا، کیا بدتمیزی ہے، تمہارا دماغ خراب ہے کیا......" میں ان چاروں سے اپنے بازو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اور رکشے والے کو بھی آوازیں دے رہی تھی۔

دفعتہً دور سے ایک گاڑی آتی نظر آئی اس پر غالباً کوئی سبز چیز لدی ہوئی تھی۔

"چلو جلدی کرو......" ایک آدمی نے کہا اور وہ مجھے اپنی گاڑی کی جانب گھسیٹنے لگے، بہت کوشش کی کہ ان کے چنگل سے نکل جاؤں لیکن ممکن نہیں ہو سکا۔ چار تھے کم بخت، وہ گاڑی جو پیچھے آ رہی تھی آن کی آن میں ہمارے نزدیک آ کر رک گئی۔ ابھی تک وہ لوگ مجھے گاڑی میں لے جانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ گاڑی سے جو شخصیت نیچے اتری وہ بھی اپنی مثال آپ تھی۔ دبلے پتلے بدن کا مالک ایک آدمی، جس کی عمر غالباً پچاس پچپن کے درمیان ہوگی۔ جینز پہنے ہوئے تھا۔ اور چمڑے کی جیکٹ تھی۔ اور سر پر کاؤبوائے اسٹائل کا ہیٹ لگائے ہوئے تھا۔ گلے میں سرخ رنگ کا رومال بھی بندھا ہوا تھا۔ چھوٹی سی داڑھی تھی۔ مقامی تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ تیزی سے قریب آیا اور ہم لوگوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا......

"کیا قصہ ہے بھئی، ہمیں بھی تو بتاؤ......"

"اے چچا میاں!" جاؤ اپنا کام کرو......" کیوں شامت آ رہی ہے تمہاری......؟"

"شامت تو بھتیجے تمہاری آئی ہے، ذرا چھوڑو اسے، آؤ پہلے چچا میاں کو سنبھال لو" اس شخص نے کہا اور چاروں آدمی کسی قدر، نروس سے ہو گئے۔ انہوں نے

ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔ پھر چاقو والے نے چاقو آگے بڑھاتے ہوئے کہا......"

"انتڑیاں باہر نکال دوں گا۔ چاچا جی، ورنہ سیدھے سیدھے پھوٹ لو......" وہ شخص اس طرح ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھا جیسے ان چاروں کو لپیٹ میں لے لے گا اور وہ چاروں ہی ایک دوسرے سے الجھ گئے معمر شخص پیچھے ہٹ گیا تھا اور چاروں ایک دوسرے سے لپٹ کر زمین میں ڈھیر ہو گئے تھے۔ جس آدمی کے ہاتھ میں چاقو تھا اس کا ہاتھ بہکا اور دوسرے کی ران پر ایک ہلکا سا چیرا لگا گیا۔ معمر شخص نے خود کچھ نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ اس انداز میں ان کو جھکائیاں دے رہا تھا کہ انہیں سنبھلنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ پھر ان میں سے ایک نے اس پر بڑے خوفناک انداز میں حملہ کیا۔ اور وہ اپنی سوزوکی سے جا لگا۔ جیسے ہی حملہ آور اور اس کے قریب پہنچا اس نے سوزوکی کے داہنے ہاتھ پر لگے ہوئے سائیڈ مرر کو کھینچ لیا اور اس کی راڈ سیدھی سامنے نظر آنے لگی، حملہ آ ر بڑی طرح اس راڈ سے ٹکرایا اور راڈ اس کے سینے کی کھال کو ادھیڑتی ہوئی غالباً کافی گہرائی میں اتر گئی۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔

معمر شخص وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ دوسرا آدمی جس نے یہ کیفیت دیکھی تھی ایک دم سے اس پر حملہ آور ہوا اور اس نے فوراً ہی سوزوکی میں لدے ہوئے لون کے ڈھیر پر چھلانگ لگا دی۔ وہ حملہ آور بھی سوزوکی کی باڈی سے بری طرح ٹکرایا۔ معمر شخص نے اپنی پوزیشن بدل دی تھی، عجیب، وغریب لڑائی ہو رہی تھی، معمر شخص کسی بھی طرح ان لوگوں کو اپنے جسم کو ہاتھ نہیں لگانے دے رہا تھا۔ اور خود اس نے بھی ابھی تک تھپڑ بھی رسید نہیں کیا تھا۔ ان کی وجہ سے کافی زخمی ہو گئے تھے، پھر اچانک ایک اور گاڑی عقب سے آتی نظر آئی۔ اور وہ چاروں اسے دیکھنے لگے۔ اس گاڑی سے جو شخص نیچے اترا تھا اس کو دیکھ کر آنکھیں بھی حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں......

یہ چودھری احسان الٰہی تھا۔ جو اپنی مونچھوں کو بل دیتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ اس

نے ان چاروں کو حیرت سے دیکھا اور پھر میری طرف.......... اور بڑے مصنوعی انداز میں بولا......''

''او بھئی تم شمائل! تم! ادھر کہاں؟ اور یہاں کیا کھیل ہو رہا ہے؟ اوئے تمہیں کیا ہو گیا؟'' تم لوگ کون ہو......؟''

''چودھری جی! وہ...... وہ اچھا نہیں ہوگا۔ ہٹ جائیے آپ یہاں سے......'' ایک آدمی بولا......'''

''اوئے سیدھے کھڑے ہو جاؤ......'' تم چودھری احسان الٰہی کو نہیں جانتے، میں تمہارے ٹکڑے کر دوں گا۔'' چودھری احسان الٰہی نے اپنے کپڑوں میں سے پستول نکال لیا۔ اور ان کی طرف تان لیا انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اپنی گاڑی کی جانب کھسکنے لگے اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر ہوا ہو گئے۔ معمر شخص اب چودھری احسان الٰہی کو دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نمودار تھے۔

''او میاں تو کون ہے'''' اس نے پوچھا......''

''ہم چودھری احسان الٰہی ہیں۔ مگر تم کون ہو......؟'' کیا لوسن بیچتے ہو......''

''ہاں چاہئے تجھے'' معمر شخص نے کہا......''

''میں اس سارے ڈرامے کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ جو کچھ بھی ہوا تھا۔ اس کا ابتدائی حصہ تو بڑا سنسنی خیز تھا۔ لیکن یہ دوسرا حصہ! اسے مضحکہ خیز کہا جا سکتا تھا۔

معمر شخص نے کہا......''

''اے بھئی وہ چاروں تو بھاگ گئے اور تو کھڑا ہے اپنا پستول لئے اب ہمیں کیا کرنا چاہئے......؟''

''تم جاؤ بھاگ جاؤ، یہاں سے اپنا کام کرو'' چلو......''

چودھری احسان الٰہی نے اسے پستول سے اشارہ کرتے ہوئے کہا......''

''ہوئے...... ہوئے...... اوئے چودھری تو بہت بڑا آرٹسٹ ہے بھئی، پستول جیب میں رکھ لے یار، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا پستول بھی باہر نکل آئے۔ بیس سال ٹیکساس میں گزارے ہیں ہم نے اور پستول بازی میں تو ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا بول کیا ارادہ ہے......''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم مجھے نہیں جانتے، میں چودھری احسان الٰہی، اس لڑکی کا رشتہ دار ہوں''

''اچھا! کیوں بھئی لڑکی، یہ تیرا رشتہ دار ہے......''

''آپ کہاں جا رہے ہیں جناب'' میں نے معمر شخص سے سوال کیا؟''

''لوسن بیچنے'' اس سے پوچھ لو اس نے چودھری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا......''

''جب آپ نے اتنی زحمت کی ہے تو براہ کرم تھوڑی زحمت اور کیجیے، مجھے یہاں تھوڑے فاصلے پر کسی ایسی جگہ چھوڑ دیجیے جہاں سے مجھے دوسرا کنونس ہی مل جائے......''

''لوسن کی گاڑی میں بیٹھ جائے گی'' بی بی''

''لوسن پر بھی بیٹھ جاؤں گی......'' بس آپ فکر نہ کریں......''

''کیسی باتیں کر رہی ہو شمائل! میں جو ہوں، جہاں چاہو لے چلوں، جہاں کہو گی پہنچا دوں گا۔ وہ دیکھو میری گاڑی کھڑی ہے'' چودھری احسان الٰہی بولا......''

''میں نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا اور معمر شخص کے قریب ہو گئی، وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر چودھری احسان الٰہی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا......

''میرا کارڈ رکھ لو چودھری جی۔ کبھی لوسن وغیرہ کی ضرورت پیش آئے تو

میرے پاس آ جانا۔ میرے نام ماے کھا جو ہے۔ جس سے بھی پوچھو گے ماے کھا جو کا گھر بتا دے گا......''

چودھری احسان الٰہی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں معمر شخص کے برابر سوزوکی میں بیٹھ گئی اور اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''اب میرے لئے آپ کا شکر ادا کرنا ضروری ہے......'' میں نے کہا......''

''ہے تو ضروری بی بی۔ مگر یہ قصہ کیا ہے، پہلے مجھے اس بارے میں بتاؤ......''

''میں کچھ نہیں جانتی'' رکشہ میں بیٹھ کر اپنے ایک رشتہ دار کے گھر جا رہی تھی کہ ان چار آدمیوں نے رکشہ روک لیا۔ رکشہ والا تو بھاگ گیا۔ اور مجھے گھسیٹنے لگے درحقیقت مجھے اپنی کمزوری کا شدید احساس ہو رہا ہے......''

''یہ چودھری جی کون تھے......''

''ایک بے وقوف آدمی ہے۔ زبردستی سر پر مسلط ہونے کی کوشش کرتا ہے جب کہ درحقیقت میرا اس کا کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے۔ لیکن کچھ ایسی شناسائیاں ہیں، جن کی وجہ سے یہ خود کو میرا رشتہ دار بتاتا ہے۔''

''کیا نام ہے تمہارا''؟

''شمائل......''

''ہمارا نام ماے کھا جو ہے۔ یہ ہمارا کارڈ لو کسی سے بھی پوچھو گی کہ ماے کھا جو کا گھر کہاں ہے، تو وہ تمہیں فوراً ہمارا گھر بتا دے گا'' اس نے وہی کہا جو چودھری سے کہا تھا......

''جی......جی'' میں نے اس سے کارڈ لیتے ہوئے کہا......''

''تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ لاہور بہت بڑی انڈسٹری ہے۔ میرا مطلب ہے فلم انڈسٹری اور یہاں ہر سڑک پر کوئی نہ کوئی آرٹسٹ نظر آ جاتا ہے، یہ آدمی بھی آرٹسٹ

ہی لگتا ہے......''

''کون؟'' میں نے پوچھا......

''ارے یہی تمہارا زبردستی کا رشتہ دار......''

''جی، جی بہت گھٹیا آدمی ہے۔

''اور اس نے بڑا گھٹیا ڈرامہ کرایا ہے بی بی......''

''جی'' میں چونک کر بولی......''

''اوئے ہوئے۔ تو تمہیں اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ یہ سب ڈرامہ تھا۔ وہ چاروں آئے، تمہارا رکشہ روکا، تمہیں اغوا کرنے کی کوشش کرنے لگے، میں تو بڑی دیر میں وہاں پہنچا تھا۔ ان میں سے جو کوئی بھی چاہتا، تمہیں اٹھا کر گاڑی میں بیٹھ جاتا، اور گاڑی ہوا ہو جاتی۔ یہ لوسن سے بھری سوزوکی اس شاندار گاڑی کا پیچھا کیسے کر سکتی تھی! مگر وہاں انتظار کرتے رہے، ہمارا نہیں بلکہ اس کا جو پیچھے آ رہا تھا۔

''جی'' میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''بیس سال میں سے پانچ سال ہالی وڈ میں گزارے ہیں، میں نے اور بہت کچھ دیکھا ہے وہاں کی فلم انڈسٹری میں۔ یہ سب ایک فلمی قسم کا ڈراما تھا۔ میرا خیال ہے یہ شخص جس کا نام احسان الٰہی ہے تم پر کوئی اثر ڈالنا چاہتا تھا۔ یہ ہم سے ذرا دیر میں پہنچا۔ پہلے آ جاتا تو ان چاروں کی پٹائی لگاتا۔ سلطان راہی کے انداز میں دو چار بڑھکیں مارتا۔ وہ چاروں بھاگ جاتے اور یہ تمہارا ہیرو بن جاتا۔

''آپ......آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟''

''صرف ایک جملے سے بی بی، صرف ایک جملے سے......''

''وہ کیا......؟''

''جب وہ نیچے اترا اور اس نے ان سے پوچھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے تو

انہوں نے اسے چوہدری جی کہہ کر مخاطب کیا تھا، یاد ہے تمہیں؟'' میں نے ایک دم سے ذہن دوڑایا تو مجھے یاد آ گیا اور میں عجیب سی نگاہوں سے اس انوکھے شخص کو دیکھنے لگا۔ جو عجیب وغریب شخصیت کا مالک تھا۔ میں نے اس سے آہستہ سے کہا۔

''آپ کا کہنا کافی حد تک درست معلوم ہوتا ہے......''

''کافی حد تک نہیں بالکل درست ہے۔ تم اس بات کو تسلیم کرو......''

''یقیناً مامے کھاجو، آپ درست کہتے ہیں......''

''اوئے، جی خوش کر دیا مامے کھاجو کہہ کر، کبھی آنا بیٹا۔ ہمارے گھر ویسے لڑکیوں کو بیٹا اکیلے نہیں نکلنا چاہئے......''

''بس آ گئی تھی......''

''کوئی لیکن ویکن نہیں، مامے کھاجو سے دوستی کرو۔ ہم نے ان بیس سالوں میں سے دو سال وہاں جسمانی تربیت لے کر بھی گزارے ہیں......'' میں ہنس پڑی...... میں نے کہا......''

''ٹیکساس میں گزارے جانے والے بیس سال سے کتنے سال کہاں کہاں گزارے ہیں آپ نے......اس کا اندازہ مجھے کب ہو سکتا ہے......''

''مامے کھاجو کے گھر آؤ، وہاں تمہاری مامی بھی ہے۔ ہم دونوں میاں بیوی اکیلے رہتے ہیں۔ میں نے لوسن کا کھیت لگا رکھا ہے ہمیں اور میری بیوی کٹائی کرتے ہیں اور یہ لوسن بیچ دیتے ہیں۔ ٹیکساس کی سی زندگی ہے۔ ہم نے لاہور میں ایک چھوٹا موٹا ٹیکساس بنا رکھا ہے......''

''میں آپ کے گھر ضرور آؤں گی۔ مامے کھاجو ضرور آؤں گی۔ ویسے آپ واقعی بے حد پھرتیلے اور شاندار آدمی ہیں۔ میں تو یہ محسوس کر رہی تھی کہ آپ نے ان کے جسموں کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور ان کا حلیہ بگاڑ دیا......''

''او بی بی کیا کہیں لوگوں کے بارے میں! جدھر دیکھو کراٹے سینٹر کھلے ہوئے ہیں۔ ہرا یرا غیرا بلیک بیلٹ بنا پھرتا ہے۔ جسے دیکھو جوڈو کراٹے ماسٹر بنا ہوا ہے انسٹرکٹر بنا ہوا ہے، جوڈو کراٹے ماسٹر، کنگ فو وغیرہ سکھاتا ہے، لیکن اس سلسلے میں ایک ایسی صنف بھی ایجاد ہوگئی ہے، بلکہ ہمیشہ سے ایجاد ہے جس کے بارے میں یہ لوگ سوچتے ہی نہیں۔ او بی بی اگر تمہارے بدن میں جان نہیں ہے تو تم جوڈو کراٹے والوں سے مقابلہ کیسے کر سکو گی۔'' یا جوڈو کراٹے کیسے سیکھ سکو گی؟ دراصل یہ سلسلہ ہی غلط ہے یہ لوگ کہتے ہیں اسے سیلف ڈیفنس مطلب یہ ہے کہ اپنی حفاظت کرو۔ اپنے آپ کو بچاؤ لیکن تم کرنے لگے ہو اوفنس یعنی جارحیت بھلا غور کرو جوڈو کراٹے ماسٹر سیلف ڈیفینس کے نام پر حملے کر رہا ہے۔ کیوں بھئی کیوں آخر کیوں......''؟ سیلف ڈیفنس کا مطلب تو یہ ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں بھی نہ ہلاؤ اور اپنے دشمنوں سے نجات بھی حاصل کر لو۔ بس تمہیں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کون سی چیز اس وقت تمہارے ڈیفنس کے کام آ سکتی ہے'' مثلاً سوزوکی کا وہ شیشہ جس کا مجھے پتہ تھا کہ وہ ڈھیلا ہے۔ وہ آدمی دوڑا تھا پوری قوت سے مجھے مارنے کے لیے میں نے رخ اسی سمت کیا اور جب وہ قریب پہنچا تو شیشہ نکال لیا۔ اس شیشے کے پیچھے نوک دار راڈ موجود ہے اسے کہتے ہیں سیلف ڈیفینس اس کے علاوہ جو باڈی میں ہک لگے ہوئے ہیں وہ بھی ایسے ہیں کہ اس پر آدمی ان سے ٹکرائے تو اس کی طبیعت خوش ہو جائے۔ میں نے دوسرا رخ اس ہک کی جانب کیا۔ اور وہ دوسرا جی دار جو مجھ پر لپکا تھا اس ہک سے ٹکرا دیا۔ بس اس کے سامنے سے ہٹنا ضروری تھا۔ اگر وہ چاروں ایک ساتھ مجھ پر حملہ کرتے تو مجھے پتا تھا کہ کہاں کہاں ان سے نمٹا جا سکتا ہے اسے کہتے ہیں، سیلف ڈیفنس''

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا......''

''درحقیقت بڑی انوکھی بات ہے یہ......''

''بی بی صحیح معنوں میں یہ اپنی حفاظت کا طریقہ ہے ہر کوئی جوڈو کراٹے کا ماسٹر نہیں ہوتا۔ اور پھر کیا فائدہ ہو ہاں کر کے ہاتھ پاؤں مارنے کا، اپنے آپ کو بچانا ہے تو پھر جس جگہ تم ہو وہاں ہر چیز تمہاری معاون ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کے زمین پر پڑا ہوا ایک تنکا یقین کرتی ہو، میری بات پر......''

''کیوں نہیں'' ماے کھاجو'' اپنی آنکھوں سے جو دیکھ چکی ہوں......''

''نہیں سوال کرو، فرض کرو تمہارے سامنے ایک طاقتور آدمی ہے اور تمہارے پاس صرف اس ایک تنکے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، کم از کم تم اس کی آنکھ میں وہ تنکا تو چبھو سکتی ہو، پھر اس کی طاقت دھری کی دھری رہ جائے گی، بس تمہارا کام ہے اس کی آنکھ میں تنکا چبھونا، کیا سمجھیں......''

''میں واقعی حیران رہ گئی تھی، جو کچھ وہ کہہ رہا تھا بالکل درست تھا، میں نے آہستہ سے کہا......''

''ماے کھاجو'' میں آپ سے بہت کچھ سیکھوں گی......''

''تو پھر آجانا، اس کارڈ پر لکھے ہوئے پتے پر، اب یہ بتاؤ تمہیں کدھر لے جاؤں......''

''بس وہ داہنے ہاتھ پر میں نے کہا اور ماے کھاجو نے سوزوکی کا رخ اسی جانب کر دیا۔ بڑا دلچسپ منظر تھا۔ میں لوسن بھری ہوئی سوزوکی میں احسان الٰہی کے گھر کے سامنے اتری، اور جو مجھے سب سے پہلے نظر آئی وہ شفق تھی۔ حیران نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی ماے کھاجو جو میرے سلام کا جواب دے کر آگے بڑھ گئے اور شفق دوڑی دوڑی میرے پاس چلی آئی تھی......

''ارے کیا کوئی کاروبار شروع کر دیا ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا......''

''صدف بھابی کیسی ہیں، میں نے سوال کیا''

''صدف بھابی وہ یہاں کہاں......؟''

''کیا وہ بیمار...... بیمار نہیں ہیں......''

''آؤ اندر نہیں آؤ گی کیا......'' مجھے تو تم بیمار لگتی ہو۔ نجانے کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو اور یہ لوسن سے بھری سوزوکی سے......''

''لفٹ لے لی تھی یار مگر...... مگر، کیا صدف بھابی اوہ......اوہ......''

''قصہ کیا ہے؟'' شفق نے راستے ہی میں سوال کیا۔ لیکن میں نے اسے صورت حال نہیں بتائی۔

-----☆☆☆☆☆-----

اندر گئی تو سب پرسکون تھا خوش وخرم تھے۔ چودھری الہی بخش سے ملاقات ہوئی۔ ماے کھاجو کی بات بار بار میرے ذہن میں آرہی تھی۔ وہ سب ایک مکمل ڈراما تھا۔ چودھری احسان الہی کا میرے اندر انتقام کا جذبہ بیدار ہوگیا۔ ماے کھاجو بالکل درست کہہ رہے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر چودھری احسان الہی کے بارے میں کچھ بولتی تو صورت حال کافی خراب ہوجاتی۔ بھائی کے سسرال کا معاملہ تھا خواہ مخواہ ایسی بات منظر عام پر آجاتی جس سے تلخیاں پیدا ہوتیں۔ یہ بات تو مجھے معلوم تھی کہ احسان الہی، چوہدری الہی بخش کے بڑے بھائی کا بیٹا تھا۔ ظاہر ہے گوشت سے ناخن جدا نہیں ہوسکتا تھا ہاں اگر اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میں جواب دوں گی اور یہ جواب دینے میں بالکل حق بجانب ہوں گی۔ بہتر ہے کہ وقت کا انتظار کروں۔ چنانچہ میں نے اس تذکرے کو گول کردیا۔ اس نے بھی غالباً مصلحت کے تحت ادھر کا رخ نہیں کیا۔ مجھے سب نے بڑی محبت سے خوش آمدید کہا۔ اور میری خاطر مدارت میں مصروف ہوگئے۔

''صدف بھابھی کی خیریت معلوم ہوئی'' میں نے پوچھا۔

''بہت دن سے کوئی خیر خیریت نہیں ملی۔ تمہارے پاس تو کوئی نہیں آیا بیٹی......'' صدف بھابھی کی والدہ نے پوچھا......

''نہیں......کوئی نہیں......''

''ہاں مصروف رہتے ہوں گے۔ زمینداروں کے کام آسان نہیں ہوتے......''

''پتا ہے یہ کیا پوچھتی آئی تھیں؟'' شفق بول پڑی؟......''

''کیا......؟''

''صدف بھابھی کیسی ہیں، کیا وہ بیمار ہیں......؟''

''کوئی خبر ملی ہے تمہیں......؟'' بھابھی کی والدہ نے تشویش سے پوچھا......؟''

''اوہ نہیں۔ خواب دیکھا تھا......''

''اللہ خیر رکھے......''

پھر دوسری باتیں ہونے لگیں۔ کافی دیر رک کر میں وہاں سے چل پڑی۔ ہاسٹل واپس آکر میں نے اس بارے میں غور کیا اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ یہ گھٹیا حرکت احسان الہی کی ہے۔ دماغ کھولتا رہا۔ اس طرح احسان الہی مجھ پر اپنی دلیری جمانا چاہتا تھا۔ وہ کرائے کے لوگ تھے جنہوں نے مجھے اغوا کرنے کا ڈرامہ کیا تھا۔ ماے کھاجو نے انہیں ٹھیک کردیا۔ میں نے اس وقت خاموشی ہی مناسب سمجھی تھی۔

پھر امتحانات شروع ہوگئے۔ میں نے یہ بات ذہن میں سے نکال دی۔ امتحانات ختم ہوگئے۔ آخری پیپر دے کر ہاسٹل واپس آئی تو بھائی جلال الدین غازی کو موجود پایا۔ ایک دم سنبھل گئی۔

''کیوں سارے پرچے ٹھیک ہوگئے......''

''جی ہاں......خدا کا شکر ہے......''

''چلو تیاریاں کرو......''

''گھر جانے کی......''

''تو اور کیا......؟''

''میرا مطلب ہے آج ہی......''

''ابھی......''

''مگر جلال بھائی......''

''کیوں کیا ہوا......''

''مجھے یہاں کچھ لوگوں سے ملنا ہے۔ بہت سے معاملات ہیں۔ کچھ وقت تو لگے گا۔ ایسے کیسے جاسکتی ہوں......''

''پہلے بڑے غازی صاحب سے مل لو۔ اس کے بعد جس سے جی چاہے ملنا۔ تمہارے خیال میں کیا میں خود آ گیا ہوں......''

''نہیں، وہ تو ٹھیک ہے مگر......''

''محترمہ......'' میری شامت کیوں لانا چاہتی ہو۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ غازی صاحب آپ سے بے خبر رہے ہیں تو یہ تو آپ کی بھول ہے۔ انہوں نے باقاعدہ آپ کے لئے جاسوسی کا نظام قائم رکھا ہے۔ انہیں یہ بھی پتہ ہے کہ آپ کا آخری پیپر کب ہوگا۔ مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کو فوراً لے کر سیالکوٹ پہنچ جاؤں۔ گاڑی کے ساتھ ڈرائیور بھی بھیجا ہے......''

''اچھی بات تو نہیں ہے یہ......''

''جیسی بھی ہے......''

''آخر میرے بھی کچھ معاملات ہیں......''

''کوئی جواب بھجوانا چاہتی ہو تو میں حاضر ہوں'' جلال بھائی نے دھمکی دی......

''میں سوچنے لگی۔ پھر میں نے کہا'' آپ جایئے گاڑی میں بیٹھیں''

''جی!'' انہوں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا اور پھر باہر نکل گئے۔ میں شدید ذہنی کوفت کا شکار ہوگئی تھی...... وہی طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا جو قبلہ والد صاحب کی فطرت کا ایک حصہ تھا۔ اپنی احساس برتری قائم رکھنا چاہتے تھے اور میں غالباً ان کے متعلق غلط فہمی کا شکار ہوگئی تھی...... میں نے سوچا تھا کہ دوبارہ ان کا ہوسٹل نہ آنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ میری تعلیم سے مطمئن ہو گئے ہیں۔ مگر کہاں غازی صاحب قبلہ ہمیشہ کے غازی تھے اور اب تو جناب جلال الدین غازی صاحب کے انداز میں جمال الدین غازی صاحب کا جمال جھلکنے لگا تھا...... پہلے تو طبیعت میں کچھ لچک، کچھ نرمی تھی بھی، لیکن آج جوان کا انداز گفتگو دیکھا تو محسوس کیا کہ باپ کی تربیت غالباً مکمل ہو چکی ہے۔ بس ایسا ہی انداز تھا ان کا جو دل کو پسند نہیں آیا تھا۔ درحقیقت پریشان ہوگئی تھی۔ غور کرنے کی بات تھی یہاں بہت سے معاملات تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ غازی صاحب ہر طرح کے مسئلے کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ لیکن یہ بھی کوئی بات ہوئی! نہ کسی سے ڈھنگ سے ملا جائے۔ بہت سی دوستیں تھیں، بہت سی ساتھی لڑکیاں تھیں۔ جنہوں نے میرے ساتھ امتحانات دیئے تھے۔ ان سے گفتگو رہتی ذرا تفریحات ہوتیں۔ ذہنی کوفت دور ہوتی۔ اس کے بعد اگر سیالکوٹ جانا پڑتا تو چلی جاتی۔ مسز غوری سے بھی ملاقات کرنی تھی اور سب کچھ بتانا تھا، لیکن یہاں حکم نامہ موجود تھا...... اور گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے تھے۔ جلال الدین صاحب دھمکیاں دینے پر تل آئے تھے۔ فرمایا تھا کہ کوئی جواب پہنچانا ہو تو پہنچا دیا جائے۔ ناظمہ کو بلوایا اور وہ میرے طلب کرتے ہی فوراً میرے پاس پہنچ گئی۔ میں نے اس سے کہا۔

''ناظمہ تم گوجرانوالہ جاؤ گی......؟'' اس نے اداس نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر آہستہ سے بولی......

''نہیں......''

’’کیوں......؟‘‘

’’ماں نے منع کر دیا ہے اور پھر وہاں جانا میرے حق میں بالکل درست نہیں ہوگا......‘‘

’’تو کیا کرو گی تم......؟‘‘

’’یہیں ہوسٹل میں رہوں گی......‘‘

’’لیکن کالج اور ہوسٹل تو بند رہیں گے......؟‘‘

’’نہیں اجازت مل جاتی ہے، جو لڑکیاں کہیں نہیں جاتیں اور یہیں رہنے کی خواہش مند ہوتی ہیں، ان کے لیے انتظامات ہیں......‘‘

’’اوہ اچھا، تب تو خیر ٹھیک ہے۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی، کبھی پوچھا ہی نہیں تھا کسی سے......‘‘

’’پچھلے سال بھی میں یہیں تھی......‘‘ ناظمہ نے جواب دیا۔

’’ہوں، اچھا ناظمہ، جلال الدین بھائی آ گئے ہیں مجھے لینے کے لیے مجھے تو سیالکوٹ جانا پڑے گا......‘‘

’’مجھے معلوم ہے‘‘ ناظمہ بولی......

’’اوہو، ہاں تمہیں علم ہو گیا ہوگا۔ ناظمہ پلیز یہ پیسے رکھ لو اور دیکھو پورے آرام کے ساتھ خرچ کرنا...... جو بھی ضرورت ہو پوری کر لینا۔ کوئی تکلف کیا تو مجھے انتہائی دکھ ہوگا......‘‘ میں نے اچھی خاصی رقم ناظمہ کو دیتے ہوئے کہا......

’’ٹھیک ہے......‘‘ وہ آہستہ سے بولی۔

’’اور ہاں اگر مسز شاہانہ غوری کی طرف سے میرے لئے کوئی پیغام آئے تو انہیں بتا دینا کہ غیر متوقع طور پر جلال الدین بھائی آ گئے تھے اور مجھے ان کے ساتھ مجبوراً جانا پڑا بلکہ یہ ٹیلی فون نمبر رکھ لو۔ کہیں سے انہیں ٹیلی فون کر کے یہ تفصیل بتا دینا......‘‘

’’وہ مسز شاہانہ غوری......‘‘ ناظمہ نے دلچسپی سے پوچھا......

’’ہاں انہی کی بات کر رہی ہوں......‘‘

’’اوہو اچھا ٹھیک ہے، میں بتا دوں گی انہیں......‘‘

’’بہت اچھی خاتون ہیں، دل چاہے تو کبھی کبھی ان کے پاس بھی چلی جایا کرو......‘‘ ناظمہ نے گردن ہلا دی۔

’’میری تمام دوستوں سے معذرت کر لینا اور کہنا کہ اب چھٹیوں کے بعد ہی ان سے ملاقات ہو سکے گی......‘‘ ناظمہ نے پھر گردن ہلا دی...... بالکل بیزاری کے سے انداز میں سوٹ کیس میں کپڑے رکھے بلکہ ٹھونسے، کوئی تبدیلی نہ کی، بس باہر نکلتے ہوئے رخسانہ باجی کو بھی تھوڑے سے پیسے دیتے ہوئے کہا۔

’’باجی یہ پیسے میرے پاس میرے جیب خرچ سے بچ گئے ہیں، آپ براہ کرم انہیں اپنے استعمال میں لے آئیے۔ ہاں ذرا ناظمہ کا خیال رکھئے گا، وہ بے چاری اکیلی ہے۔ لیکن آپ......‘‘

’’نہیں پچھلے سال بھی ہم لوگ ساتھ تھے، میں بھی اس دوران کہیں نہیں جاتی......‘‘ یہ جان کر دل خوش ہو گیا تھا کہ رخسانہ باجی بھی اس دوران یہیں رہیں گی......

ان سب سے رخصت ہونے کے بعد میں باہر نکل آئی۔ جلال الدین غازی صاحب بار بار کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھ رہے تھے۔ ڈرائیور مؤدبانہ انداز میں نیچے اترا۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور میں اندر بیٹھ گئی......

ڈرائیور نے میرا سوٹ کیس لے کر عقبی حصے میں رکھ دیا تھا...... اور گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ یہ لمحات یقیناً خوشگوار گزرے تھے۔ سارے پیپرز بھی اچھے ہوئے تھے۔ ہاں گھر سے دور رہ کر ایک اعتماد سا طبیعت میں قائم ہو گیا تھا، لیکن جلال الدین غازی صاحب اس اعتماد کو قائم نہیں رہنے دینا چاہتے تھے۔ وہ یہ احساس

دلاتے رہنے کے خواہش مند تھے کہ بہر طور میں ان کی رعایا ہوں اور ان کے حکم سے جو کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ بے شک ہو سکتا ہے۔ لیکن جہاں ان کی حکم عدولی ہوئی ہمیں نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا، اس وقت بھی ان کے انداز میں یہی سب کچھ موجود تھا...... راستہ طے ہوتا رہا حالانکہ اس طویل سفر کے لیے جلال الدین بھائی نے بہت سے انتظامات کئے تھے لیکن میں نے ان انتظامات سے ذرا بھی لطف نہ اٹھایا۔ وہ اپنے طور پر کوششیں کرتے رہے کہ میں اس سفر سے خوشی کا اظہار کروں، لیکن ایسے نہیں ہوا تھا......

مجھے اپنے اہل خاندان سے نفرت نہیں تھی اتنے عرصے دور رہنے کے بعد وہاں جا رہی تھی...... دل میں یہ خیال بھی تھا کہ سب سے ہنسی خوشی ملوں گی مجھ سے طرح طرح کے سوالات کئے جائیں گے، میں پہلی خوش نصیب تھی جسے گھر سے باہر رہنے کا موقع مل رہا تھا۔ ویسے تو توحید آپا اور عرفانہ باجی بھی چلی گئی تھیں لیکن ان پر غازی صاحب ہی کا تسلط تھا۔ اور وہ آزادی نہیں حاصل کر سکی تھیں جو مجھے نصیب ہوئی۔ میری کیفیت اس سے بالکل مختلف تھی۔ چنانچہ میں اپنے آپ کو ان پر فوقیت دے رہی تھی لیکن غازی صاحب نے سارے ریت کے محل ڈھا دیئے تھے......

بالآخر سفر طے ہو گیا اور ہم سیالکوٹ پہنچ گئے، طویل سفر سے جوڑ جوڑ دکھ گیا تھا لیکن مجھے کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد اپنے آپ کو چاق و چوبند ظاہر کرنا پڑا...... سب ہی میرے استقبال کے لئے موجود تھے اور یہ استقبال مجھے خوشگوار محسوس ہوا تھا توحید آپا تھیں...... عرفانہ باجی تھیں اور دونوں بہنوئی بھی تھے۔ گویا میرے اہتمام میں سب کا انتظام کیا گیا تھا...... البتہ قبلہ غازی صاحب باہر تشریف نہیں لائے تھے۔ کمال الدین صاحب کا بھی پتا نہیں تھا حالانکہ غازی صاحب کی گاڑی میں دیکھ چکی تھی۔ گھر میں ہی موجود تھے لیکن اپنی اہمیت برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ امی نے کہا۔

''جاؤ ابو کو سلام کر آؤ......'' میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور سب سے پہلے جناب قبلہ جمال الدین غازی کے دربار میں حاضری دی۔ بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے۔ مجھے چشمے کے عقب سے دیکھا سلام کا جواب دیا اور پھر حقے کے کئی کش لینے کے بعد اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

''بیٹھ جاؤ......'' انداز میں وہی حاکمانہ کیفیت تھی، لیکن میرے باپ تھے، مجھے یہ سب کچھ برا نہیں لگ رہا تھا...... جو برا لگنے والی باتیں تھیں وہ اپنی جگہ الگ ہی حیثیت رکھتی تھیں۔ میں بیٹھ گئی......

''ہوں! کیسے پرچے ہوئے......؟''

''بہت اچھے ابو، بہت ہی اچھے......'' میں نے جواب دیا......

''ہوں وہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تمہیں......؟''

''نہیں بالکل نہیں......''

''ہوں......'' انہوں نے پھر اپنے مخصوص انداز میں کہا پھر بولے......

''جاؤ کپڑے وغیرہ تبدیل کرو سب لوگوں کے ساتھ اٹھو بیٹھو عیش کرو......''

میں عیش کرنے کے لیے باہر نکل آئی۔ یہ میرا گھر تھا سب کچھ میرا اپنا تھا۔ مگر اب جو اس پر غور کیا تھا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ زنداں ہے صرف زنداں، جہاں بہت سے قیدی سانس لے رہے ہیں۔ سب کا رویہ عجیب سا تھا یا تو یہ لوگ بدل گئے تھے یا پھر میں ہی تبدیل ہو گئی تھی۔ سبھی کے چہروں پر عجیب سا طنز پھیلا محسوس ہوتا۔ صدف بھابھی میں البتہ کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میرے ساتھ تنہا بالکل نہیں بیٹھتیں۔ اگر اس کا موقع بھی ملتا ہے تو نکل بھاگتی ہیں کیوں؟ آخر کیوں؟ چلو نتائج پہلے ہی اخذ کر چکی تھی۔ یہ صرف ماموں احتشام ہی کا عرفان تھا کہ مجھے لاہور پہنچنا نصیب ہو گیا تھا۔ ورنہ جناب غازی آج بھی میری تعلیم سے متنفر تھے۔ امی سے میں نے ماموں

احتشام کے بارے میں پوچھا......

''بہت عرصہ سے نہیں آئے۔ آ کر بھی کیا کریں! غازی صاحب ان سے بات نہیں کرتے، یہ سب تمہاری ضد کی وجہ سے ہوا ہے''

بات صاف ہوگئی تھی اور امی سے کیا پوچھتی۔ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ فضا میں کچھ گھٹن سی تھی۔ دونوں بہنوں کا انداز بدلا بدلا سا تھا۔ اس سے پہلے ہمارے درمیان کوئی ایسی کیفیت نہیں تھی بلکہ ایک ہی کشتی کے سوار ہونے کی حیثیت سے ہم ایک دوسرے کے زیادہ قریب تھے۔ لیکن اس بار کچھ ضرور تھا۔ توحید آپا بھی کچھ بدلی بدلی سی تھیں اور عرفانہ باجی بھی...... بہنوئی امتیاز علی نے البتہ کچھ مشکل حل کر دی۔ میں اس وقت توحید آپا کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ ان سے لڑ رہی تھی۔

''یوں لگتا ہے جیسے اسی ایک سال میں جو پورا بھی نہیں ہوا آپ لوگ مجھے بھول ہی گئے......''

''کیسے یاد کرتے......'' توحید آپا نے کہا۔

''کیوں...... کیا لاہور سیالکوٹ سے اتنا دور ہے......؟''

''تم رہنے والی گرلز ہوسٹل کی، ہم غریب لوگ بھلا وہاں کیسے آتے؟''

اور میں ہنس پڑی...... آپ کے خیال میں ہوسٹل کیا ہوتا ہے......؟''

''جو کچھ بھی ہو، ہوسٹل ہوتا ہے۔

''بھئی ایمان کی بات مجھ سے پوچھ لو......'' امتیاز علی بولے۔

''بتائیے......''

''یہ دونوں تم سے جل گئی ہیں...... ان کا خیال ہے کہ تمہیں ان پر فوقیت دی گئی ہے......''

''کیا یہ سچ نہیں ہے......؟'' توحید آپا نے کہا......

''آپ دونوں...... توحید آپا، آپ دونوں اس بات سے خوش نہیں ہیں کہ میں...... کہ میں......'' میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا...... میں سچ مچ افسردہ ہوگئی تھی۔

اس کی شکایت میں نے صدف بھابھی سے کی۔ وہ مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگیں، پھر بولیں......''

''ان کا قصور نہیں ہے شمائل......''

''ہے صدف بھابھی ہے...... میں اپنے ہی گھر میں اجنبی ہو کر آئی ہوں......''

''مجھے احساس ہے شمائل۔ مگر جانی، ہم عورتوں کی تقدیر میں یہی لکھا ہے، تم نے کبھی میری حالت پر غور کیا ہے......؟ میں نے چونک کر انہیں دیکھا ان کے چہرے پر دکھ کے آثار نظر آ رہے تھے......''

''بھابھی آپ......''

''ہوتا ہے...... ایسا بھی ہوتا ہے، مگر خدا کا شکر ہے کوئی ایسی مشکل نہیں ہے بس بعض جگہ دل مارنا پڑتا ہے......''

''کیا بات ہے بھابھی......؟''

''کچھ نہیں شمائل...... کچھ نہیں......'' بھابھی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، میں بے چین ہوگئی، بھابھی بہت اچھی تھیں، مجھے اپنی بہنوں سے زیادہ پیاری تھیں، ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میں بے چین ہوگئی......''

''آپ کو میری قسم ہے بھابھی، مجھے بتائیے کیا بات ہے......؟''

''شمائل کچھ نہیں۔ یقین کرو کوئی خاص بات نہیں ہے......''

''میری قسم پر بھی نہیں بتائیں گی۔ آنکھوں میں آنسو یونہی تو نہیں آ جاتے......''

''بس یہاں سختیاں بہت ہیں......'' ابو بعض اوقات بہت سخت پابندیاں لگا

دیتے ہیں۔ لاہور اور سیالکوٹ کا فاصلہ اتنا بھی نہیں ہے کہ میں اپنے گھر کے کسی پروگرام میں شریک نہ ہوسکوں۔ میں رو کر رہ جاتی ہوں۔ اب دیکھو نا ماں باپ کے گھر کو اجنبی تو نہیں سمجھا جا سکتا...... خاندان سے بھی واسطہ ہوتا ہے، بچپن سے جوانی تک کی یادیں وابستہ ہوتی ہیں...... سب سے رابطے ہوتے ہیں، مگر مجھے اجازت نہیں ملتی...... قاعدے قانون بتائے جاتے ہیں، سسرال قید خانہ تو نہیں ہوتا مگر اسے قید خانہ بنا دیتے ہیں کچھ لوگ...... کمال بھی ویسی ہی زبان بولتے ہیں جو ابو کی زبان ہوتی ہے......"

میں خاموش ہوگئی...... بھابی کا دکھ سمجھ میں آ گیا تھا۔ صدف بھابھی نے خوشامدانہ انداز میں کہا......"

"کسی سے کچھ کہنا نہیں شمائل......!"

"آپ یہ سوچ سکتی ہیں بھابھی......؟"

"بالکل نہیں......"

"آپ مطمئن رہیں...... میں آپ کو اپنی بہنوں سے زیادہ چاہتی ہوں، بھابھی، مجھے آپ کے دکھ کا احساس ہے......"

"ویسے خدا کے فضل سے مجھے اور کوئی تکلیف نہیں ہے......"

"خدا کرے کبھی نہ ہو......"

"میں ایک اور مسئلے میں بھی پریشان ہوں شمائل......"

"کیا بھابھی......"

"مسلسل سوچ رہی ہوں اس پر مگر تمہیں بتانے کی ہمت نہیں پڑ رہی۔ یہ احساس بھی ہے کہ اگر میں نے تمہیں نہ بتایا تو تم مجھ سے شکایت کرو گی......"

"مجھ سے متعلق ہے بھابھی......"

"ہاں......"

"میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ کیسی بھی سنگین بات ہو، اسے بالکل ظاہر نہیں کروں گی مجھ پر اعتماد کریں......"

"مجھے تم پر اعتماد ہے......"

"تو بتائیے......"

"تم پر مشکل وقت آنے والا ہے۔ یہاں تمہارے لیے ایک فیصلہ کیا گیا ہے......"

"کیا......؟"

تمہاری شادی کا فیصلہ......"

"کیا......" میں نے سہم کر پوچھا......"

"جلد از جلد......"

"اور میری تعلیم......"

"ان سے بات کر لی گئی ہے اگر تم زیادہ ضد کرو گی تو تمہاری تعلیم ایک سال اور جاری رکھی جائے گی اور تمہیں انٹر کرا دیا جائے گا......" انہوں نے اس کا وعدہ کر لیا ہے مگر شادی فوراً ہوگی......"

"کون لوگ ہیں......"

"میرے تایا غلام الٰہی بخش...... ان کے بیٹے احسان الٰہی بخش کا رشتہ آیا ہے......

تایا اور تائی ابا جی کے ساتھ آئے تھے، اور ابو نے رشتہ منظور کر لیا ہے۔ میرا حشر کچھ بھی ہو شمائل، میں برداشت کر لوں گی مگر تمہیں یہ بتا کر اپنا ضمیر ہلکا کرنا چاہتی ہوں کہ احسان الٰہی میرا کزن ضرور ہے مگر وہ بہت بری فطرت کا مالک ہے۔ زمیندار، شوقین مزاج، اوباش طبع، کسی بھی طرح اچھا نہیں ہے وہ۔ تم ان لوگوں سے مل چکی ہو۔

تمہیں یاد ہوگا......''

''ہاں یاد ہے اور بھی بہت کچھ یاد ہے......'' میں نے گہری گہری سانسیں لے کر کہا......

''وہ لوگ دو چار دن میں پھر آنے والے ہیں اور اسی وقت بات مکمل ہو جائے گی......'' مجھ سے پوچھا بھی نہیں جائے گا......؟''

''اس کا رواج یہاں کہاں ہے'' صدف بھابی نے کہا اور میں سوچ میں ڈوب گئی، میں نے صدف بھابھی کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا......''

''میں آپ کے اس احسان کو قیامت تک نہیں بھولوں گی صدف بھابھی۔ آپ نے مجھے پہلے سے ہوشیار کر دیا۔ مجھے سوچنے کا وقت مل گیا اور صدف بھابھی خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہہ رہی ہوں کہ اس سلسلے میں کبھی آپ کا نام نہیں لوں گی۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہوں گی......''

''کیا کرو گی اس سلسلے میں......؟''

''اس خاندان کی تاریخ بدلوں گی۔ ان غازیوں کو احساس دلاؤں گی کہ ان کے علاوہ بھی اس دنیا میں انسان بستے ہیں......''

''میں خوفزدہ ہوں شائل......''

''میں نہیں ہوں......'' میں نے اعتماد سے کہا......'' پھر میں نے سوچنا شروع کر دیا۔ ان حالات کی سنگین نوعیت کا مجھے احساس تھا اس سلسلے میں اب ماموں احتشام کا سہارا نہیں لیا جا سکتا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری وجہ سے ان کا اس گھر سے تعلق بالکل ختم ہو جائے۔ غازی صاحبان یقیناً اپنی آن بان قائم رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے اور ماموں احتشام کی مداخلت سے بات کچھ زیادہ بگڑ جائے گی۔ گھر والوں کو مجھ سے سرکشی کی پوری پوری امید تھی اس لیے مجھے کچھ نہیں بتایا گیا لیکن بہنوں کے

چہروں پر پھیلتا ہوا طنز، والدہ کی تشویش بھری نظریں اور غازی صاحب کا سخت رویہ مجھے اس بات کا احساس دلا رہا تھا......

-----☆☆☆☆☆-----

بارہ دن گزر گئے۔ تیرہویں دن اچانک الٰہی بخش خاندان نازل ہو گیا، چوہدری الٰہی بخش تھے، ان کے گھر کے تمام لوگ شفق سمیت تھے۔ غلام الٰہی بخش اپنی اہلیہ، بیٹیوں اور احسان الٰہی کے ساتھ تھے۔ اتنے مہمانوں کے قیام کا پورا بندوبست کیا گیا تھا اور ان کے آتے ہی توحید آپا مجھ پر نازل ہو گئیں......

’’مہمان آئے ہیں......‘‘ انہوں نے کہا......

’’ہاں ......کون کون ہے؟ میں نے بن کر پوچھا......

’’صدف بھابھی کے گھر والے اور ان کے تایا تائی وغیرہ ہیں......‘‘

’’ارے......اچانک آ گئے یہ لوگ، بغیر کسی اطلاع کے......؟‘‘

’’نہیں......ابو کو پتا تھا......‘‘ توحید آپا نے کہا......

’’آپ کو بھی پتا تھا......؟‘‘

’’ہاں......‘‘

’’چلیں......‘‘ میں بھی ملوں ان سے، بری بات ہے مگر میں کیا کروں مجھے پتا ہی نہیں تھا......‘‘

’’نہیں نہیں، ان سے نہیں ملنا......‘‘

’’ایں...... کیوں......؟‘‘

’’تمہارا رشتہ لائے ہیں وہ......‘‘

’’میرا رشتہ......کس کے لیے......‘‘

’’یہ ابو کو پتا ہے...... بہرحال تم کمرے میں رہو، ان کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں ہے...... میں چلتی ہوں......‘‘ توحید آپا خود بھی گھبرائی ہوئی تھیں۔ جلدی سے باہر نکل گئیں......

میں ان کی بوکھلاہٹ پر ہنس پڑی تھی۔ بہرحال اب میں غیر مطمئن نہیں تھی۔ بہت غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا تھا اور اب اس فیصلے پر عمل کر کے گویا اپنے لیے مشکل کا آغاز کر رہی تھی۔ ہنسی بھی آ رہی تھی۔ فنکشن میں تقریر تیار کرتے وقت یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ حقوق نسواں کی تحریک کو خون کی پہلی جھلک میرے اپنے خون کی ہو گی......نتیجہ کچھ بھی ہو سکتا ہے...... جن لوگوں کے درمیان مجھے آواز اٹھانی تھی، انہیں میں اچھی طرح جانتی تھی۔ میں نے توحید آپا کی ہدایت پر عمل کیا ان کے درمیان نہ گئی بلکہ اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کوئی آٹھ بجے دروازہ بجایا گیا......‘‘

’’کون ہے......؟‘‘ میں نے پوچھا......‘‘

’’دروازہ کھولو شائل...... میں شفق ہوں، یہ نوری اور چھیمو بھی آئی ہیں......‘‘

’’سوری شفق مجھے منع کر دیا گیا ہے......‘‘

’’ہمارے لئے منع نہیں کیا گیا ہو گا......‘‘

’’سوری شفق......‘‘

’’کیا کہہ رہی ہو بھئی......‘‘

’’تم تنہا آ سکتی ہو......‘‘ میں نے کہا۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی......کوئی آدھے گھنٹے بعد دوبارہ دستک ہوئی......

’’کون ہے......؟‘‘

”شفق ہوں......“

”تنہا ہو......؟“

”ہاں بھئی...... بڑی بد اخلاق ہو۔ دروازہ کھولو......“ میں نے سوچ لیا تھا کہ شفق کے ساتھ کوئی اور ہوا تو واقعی بد اخلاق بن کر دکھا دوں گی۔ لیکن شفق تنہا تھی۔ اندر گھس کر آ گئی......“

”یہ تمہیں کیا ہو گیا......“

”میں کیا کروں...... مجھے یہی ہدایت کی گئی ہے......“

”ہمارے لئے بھی......“

”یہ مجھے نہیں معلوم......“

”ہم تو دوست ہیں...... سب سے پہلے تمہیں مبارک باد دے رہے ہیں۔ ہماری طرف سے پر خلوص مبارکباد قبول کرو......“

”شکریہ جناب......“ اب کچھ تفصیل تو بتایئے......“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا......

”بس اسے کہتے ہیں چٹ منگنی پٹ بیاہ...... تو چٹ تو کل ہو رہی ہے۔ کل شام پانچ بجے آپ کو منگنی کی انگوٹھی پہنا دی جائے گی اور اس ماہ کی ستائیس تاریخ کو آپ کی بارات آ جائے گی......“

”جھوٹ بول رہی ہو......“ میں نے شرما کر کہا......“

”خدا کی قسم ساری باتیں شام کو چائے پر طے ہو گئیں......“

”انگوٹھی کون پہنائے گا......“

”جسے انگوٹھی پہنانے کا حق ہے، یعنی احسان بھائی...... ویسے یہ معاملہ بڑی مشکل سے طے ہوا ہے، غازی صاحب اس پر آمادہ نہیں تھے، کہہ رہے تھے کہ کوئی

خاتون نوری یا چھیمو یہ انگوٹھی پہنا دیں...... بڑی مشکل سے تیار ہوئے......“

”گڈ...... ویری گڈ......“

”تم بھی کریک ہو پوری...... ان بے چاریوں کو ذلیل کر کے بھگا دیا اور اب اتنی خوش ہو...... آخر نندیں ہیں تمہاری...... ان سے ہی واسطہ پڑے گا......“

”منا لیں گے یار انہیں...... کون سا مشکل کام ہے......“

شفق بہت دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہی تھی...... پھر اسے کھانے کے لئے بلایا گیا، اور وہ چلی گئی اور میں نے دانت پیستے ہوئے کہا......

”کل شام پانچ بجے......“ رات کو دیر گئے تک محفل جمی رہی...... سب لوگ جاگ رہے تھے...... عرفانہ باجی شاید میرے زخموں پر نمک چھڑکنے آئی تھیں لیکن میں نے نقشہ ہی بدل دیا کہنے لگیں......“

”سنا ہے مل چکی ہو اپنے سسرال والوں سے لاہور میں......“

”ہاں...... مجھے کیا معلوم تھا کہ......“

”احسان میاں کو دیکھا ہے......؟“

”جی دیکھا ہے......“

”کسی اکھاڑے کے پہلوان لگتے ہیں......“

”مگر باجی یہ ہوا کیسے......“

”جیسے ہوتا ہے......“

”تفصیل نہیں بتائیں گی......“

”خیال تو بہت پہلے سے تھا...... پھر چوہدری صاحب کے گھر بلا کر تمہیں ان لوگوں کو دکھایا گیا۔ انہوں نے تمہیں پسند کر لیا اور پھر بات چیت طے ہو گئی......“

”ابو خوش ہیں......؟“

‘‘بہت خوش ہیں......’’ تیسرا داماد بھی انہوں نے ذراہٹ کر چنا ہے...... کیا خیال ہے تمہیں کیسے لگے، بس یوں لگتا ہے جیسے ابھی بلے بلے بلے کہہ کر بھنگڑا ناچنے لگیں گے......’’

‘‘چلیئے اس سے کیا ہوتا ہے کم از کم ناصر بھائی کی طرح پانی بھی حلق کے بل تو نہیں مانگیں گے......’’

‘‘تم تو ڈھیٹ ہو...... دوسروں میں کیڑے نکالنا آسان ترین کام ہے......’’

‘‘ارے نہیں بھائی...... جان دیتی ہوں اپنے دونوں بہنوئیوں پر ویسے باجی ماموں احتشام کو اس بات چیت میں شریک نہیں کیا گیا......؟’’

‘‘صرف تمہاری وجہ سے......’’

‘‘میری وجہ سے کیوں......؟’’

‘‘کسی کو کیا معلوم تھا کہ تم ایک ہی دھکے میں لمبی ہو جاؤ گی...... سب کا خیال تھا کہ واویلا کرو گی اور تمہیں سہارا دینے والے ہوں گے ماموں احتشام...... ابو نے صاف کہہ دیا تھا کہ ماموں کو بالکل شریک نہیں کیا جائے گا...... ویسے تم نے ماموں سے ابو کے تعلقات ختم کرا دیئے......’’

‘‘میں نے......’’

‘‘تو اور کیا......؟ اب کون سی تعلیم حاصل کر لی تم نے؟ ہم نے میٹرک کیا ہے تم نے ایک سال اور پڑھ لیا...... کیا کہلاؤ گی......’’

‘‘مگر باجی میں نے سنا ہے کہ مجھے شادی کے بعد بھی پڑھایا جائے گا......’’

‘‘بھول جاؤ بنو...... مکتب ہی بدل جائے گا۔ تعلیم ہی دوسری ہو جائے گی اور پھر پہلوان جی......’’ عرفانہ باجی مجھے چڑانے والے انداز میں کہنے لگیں......

‘‘مگر ماموں کا کیا مسئلہ ہوا ہے......؟’’

‘‘بس ابو نے ان سے ملنا چھوڑ دیا...... وہ ایک آدھ بار آئے تو ابو زمینوں پر چلے گئے اور جب تک ماموں رہے، واپس نہیں آئے...... آخر ماموں بھی صورتحال سمجھ گئے اور انہوں نے آنا جانا چھوڑ دیا......’’

‘‘ہوں...... تم لوگوں نے شادی کی تیاریاں مکمل کر لی ہوں گی......؟’’ میں نے پوچھا اور عرفانہ باجی بلبلا کر چلی گئیں...... وہ کچھ اور ہی سننا چاہتی تھیں مگر ان کی خواہش پوری نہ ہونے دی گئی تھی......

دوسرے دن گھر والے بالکل مطمئن نظر آ رہے تھے۔ غالباً شفق سے اور عرفانہ باجی سے انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ میں اس شادی سے خوش ہوں اور میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا ہے...... خوب تیاریاں ہو رہی تھیں...... زرق برق لباس پہنے جا رہے تھے...... کھانے پک رہے تھے...... میں کونے میں محدود تھی...... چار بجے مجھے تیار کیا گیا...... میں نے خاموشی سے ان سب کی ہدایت پر عمل کیا۔ پانچ بجے بالیاں مجھے لے کر چل پڑیں بڑے سے ہال نما کمرے میں سب موجود تھے، احسان میاں منہ پر رومال رکھے بیٹھے تھے۔ دولہا والے ایک طرف بیٹھے تھے، دلہن والیاں ایک طرف تھیں، مجھے بھی بٹھا دیا گیا، پھر رسموں کا آغاز ہو گیا نجانے کیا کیا اول فول کیا گیا اس کے بعد احسان میاں کو ٹھوکے دیئے جانے لگے۔ ایک تھال میں انگوٹھی رکھی ہوئی تھی۔ بڑی مشکل سے احسان الٰہی اپنی جگہ سے اٹھا اور شرماتے ہوئے آگے بڑھا۔ پھر میرے نزدیک پہنچ گیا...... سارے دولہا والے نزدیک آ گئے تھے۔ ساس صاحبہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں سیدھی کھڑی ہو گئی......’’

‘‘ایک منٹ جناب ‘‘ایک منٹ’’...... میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا اور سب بھونچکے ہو گئے......’’

‘‘میرے خیال میں اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہو جانا چاہیے۔’’ میں نے

دو قدم آگے بڑھائے اور کہا......

''بچہ لوگ دو دو گز پیچھے......شاباش......شاباش...... میں نے جھک کر کہا......

سچ مچ سب دو دو گز پیچھے ہٹ گئے، نجانے کس کس کو میرے اس انداز پر چکر آ گیا تھا میں کمرے کے درمیان آ کھڑی ہوئی پھر میں نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا......''

''آپ لوگوں میں سے جو جو مسلمان ہے ہاتھ اٹھا دے...... مسلمان بھائی ہاتھ اٹھا دیں......'' کئی ہاتھ اٹھے جن میں احسان الٰہی کا ہاتھ بھی تھا...... پھر جھینپے ہوئے انداز میں گر گئے......''

''میرے پیارے مسلمان بھائیو، بزرگوں اور ماؤں بہنوں...... ویسے تو مذہب نے ہمیں بہت سے احکامات ادا کئے ہیں اور ہمیں ان پر عمل کرنا چاہئے......لیکن اس وقت میں اپنے محترم والد صاحب، محترم چچا الٰہی بخش اور تایا غلام الٰہی بخش سے خصوصی طور پر یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اسلام نے شادی بیاہ کے سلسلے میں اس لڑکی کو کیا حق دیا ہے جس کی شادی کی جا رہی ہو......''

آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، منہ کھلے ہوئے تھے کوئی جواب کیا دیتا، میں نے کہا......''

''میں بتاتی ہوں...... میرا تھوڑا سا علم کہتا ہے کہ زندگی بھر گزارنے کے لیے لڑکی کی رضامندی لے لینا بھی ضروری ہے، نکاح کے وقت ایجاب وقبول کی رسم ادا کی جاتی ہے اور لاکھوں واقعات گواہ ہیں کہ اس وقت لڑکی کے جسم کو نوچ نوچ کر اس کا سر زبردستی ہلا کر 'ہاں' کی رسم پوری کرائی جاتی ہے کیا یہ غلط ہے......''

''بالکل نہیں......'' احسان الٰہی نے پرجوش لہجے میں کہا اور قبلہ غازی صاحب اسے گھورنے لگے......''

''شکریہ...... اس رسم کو بہت پہلے ہی ادا ہو جانا چاہیے، جیسے منگنی سے پہلے

کوئی رشتہ دینے کے بعد، افسوس مجھ سے اس بارے میں نہیں پوچھا گیا اور مجھے صرف چند گھنٹے قبل اس بارے میں بتایا گیا ہے......''

''یہ کیا بدتمیزی کر رہی ہے......'' غازی صاحب دھاڑے......''

''اسے بولنے دو غازی......'' غلام الٰہی صاحب نے کہا......

''یہ کلموہی کیا کہہ رہی ہے...... غازی صاحب پھر گرجے......''

''کسی گفتگو کے درمیان بولنا خلاف ادب ہے ابو...... اس لیے خاموشی سے سنیئے......''

میں نے سرد لہجے میں کہا......''

''تو میں کہہ رہی تھی کہ مجھ سے اس بارے میں نہ کچھ پوچھا گیا اور نہ مجھے بتایا گیا اور اب جب یہ کھیل میری سمجھ میں آ گیا تو میرا بولنا ضروری ہو گیا ہے۔ مجھے یہ رشتہ ناپسند ہے۔ میں یہ شادی کبھی نہیں کروں گی......''

محفل پر سکتہ طاری تھا اور میں نے اپنا مذہبی حق استعمال کیا ہے اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے......''

''ایک سوال کرنا چاہتا ہوں بیٹی......'' غلام الٰہی نے کہا......''

''جی محترم بزرگ ضرور......''

''اس ناپسندیدگی کی کوئی خاص وجہ ہے......''

''جی ہاں......''

''بتائی جا سکتی ہے......؟''

''جی ہاں......'' نمبر ایک، چوہدری احسان الٰہی کی شخصیت مجھے بالکل ناپسند ہے یہ بے شک ایک اچھے خاندان کے فرد ہیں لیکن ان کے عادات واطوار شریفانہ نہیں ہیں...... میں نے انہیں ایک معزز انسان کی حیثیت سے پہلی بار صدف بھابھی کے گھر

دیکھا، میری ان سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی، لیکن چند ہی روز کے بعد ایک دن یہ میرے ہوسٹل پہنچ گئے اور خود کو میرا رشتے دار کہہ کر انہوں نے مجھ سے ملاقات کی...... وہاں انہوں نے مجھے اپنے ساتھ چلنے، گھومنے پھرنے، راوی میں کشتی رانی کرنے اور ہوٹل میں کھانا کھانے کی دعوت دی جیسے کسی گرل فرینڈ کو یا دوسرے الفاظ میں سوسائٹی گرل کو دی جاتی ہے۔ میں نے احترام کے ساتھ یہ دعوت مسترد کرتے ہوئے ان سے استدعا کی کہ وہ آئندہ وہاں نہ آئیں، وہ لڑکیوں کا ہوسٹل ہے اور میں وہاں بدنام ہو سکتی ہوں۔ کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں احسان الٰہی صاحب......''

''رشتے داری...... رشتے داری تو ہے نا...... میری نیت بری تو نہیں تھی......''

''نمبر دو......'' میں نے کہا...... مزید کچھ عرصے کے بعد انہوں نے کرائے کے کسی شخص کو ہوسٹل بھیجا اور کہلوایا کہ وہ چوہدری الٰہی بخش کا ملازم ہے۔ صدف بھابھی سخت بیمار ہو کر لاہور آئی ہوئی ہیں اور مجھے فوراً بلوایا ہے۔ میں ایک رکشہ میں وہاں جانے کے لیے چل پڑی۔ تب ان کے فراہم کیے ہوئے کرائے کے غنڈوں نے میرا راستہ روک کر مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی۔ پروگرام یہ تھا کہ یہ فلمی ہیرو کی طرح عین وقت پر وہاں پہنچیں اور انہیں مار پیٹ کر میری مدد کریں...... مگر انہیں کچھ دیر ہو گئی اور ایک اور نیک انسان نے ان غنڈوں کی پٹائی کر کے مجھے بچا لیا۔ کچھ دیر کے بعد یہ بھی پہنچ گئے...... احسان صاحب کیا یہ غلط ہے......''

''نہیں...... تو...... اور کیا! غلط ہی تو ہے......'' احسان الٰہی نے گھگھیاتے ہوئے کہا مگر اس کا انداز ہزار سچ کے برابر تھا......

''آپ کے کرائے کے غنڈے کیونکہ بری طرح پٹ گئے تھے اس لیے وہ آپ کے خلاف ہو گئے، اور سب گواہی دینے یہاں آ چکے ہیں۔ میں نے پرسکون لہجے میں کہا......''

''کہاں ہیں وہ کمینے؟ میں تو کر دوں گا ان کا حشر...... مجھ سے علاج کے پیسے بھی لے چکے ہیں وہ!'' احسان الٰہی نے بپھر کر کہا......

''شفق یہ اس دن کی بات ہے جب میں تمہارے پاس صدف بھابھی کو پوچھتی پہنچی تھی اور تم نے مجھے خبط الحواس کہا تھا...... میری اتنی ہی بساط ہے رشتے داری نبھانے کی......

بس خاموش ہی رہ سکتی تھی میں...... ایک ایسے شخص سے آپ لوگ میری شادی کرنا چاہتی ہیں......؟ کاش احسان الٰہی کے لیے میں وہ سب کچھ کہہ سکتی جو میرے دل میں ہے، اس سے زیادہ کیا کہوں......''

غلام الٰہی بخش کی گردن جھک گئی...... الٰہی بخش خاموشی سے اپنی بیوی کی طرف دیکھنے لگا صدف بھابھی کے بدن پر کپکپی طاری تھی، نجانے کس کس کی کیا حالت تھی، میں نے بڑے سکون سے ایک ایک کا چہرہ دیکھا اور بولی......

''کیا مجھے اس کے بعد بھی کوئی حکم دیا جائے گا......

''نہیں بیٹی جو کچھ اس مردود نے کیا ہے، اس نے ہمیں تو ذلیل کر ہی دیا ہے، لیکن یہ اگر ایسا نہ بھی کرتا تب بھی خدا اور رسول ﷺ کے حکم سے انحراف نہیں کیا جا سکتا تمہیں اختیار حاصل ہے۔ غلام الٰہی نے کہا۔

''ابا میری نیت بری نہیں تھی، احسان الٰہی نے کہا......

''تو اگر خاموش نہ رہا تو میں تجھے یہیں ہلاک کر دوں گا......

''رکیئے غلام صاحب...... غازی صاحب کی آواز سنائی دی۔ اور دہشت پھیل گئی۔ بے شک احسان الٰہی نے اوچھی حرکت کی ہے، لیکن اسے نوعمری کی حماقت کہا جا سکتا ہے آخر آپ لوگوں کا حکم مان رہا ہے ہم اسے معاف کر دیتے ہیں اور شمائل بھی اسے معاف کر دے گی۔

''میں بھی ان کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ سکتا ہوں جی احسان الٰہی نے کہا......

''اگر ہماری بیٹی اسے ''معاف کر دے تو اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوسکتی ہے ہماری...... الٰہی بخش نے کہا۔

''وہ یقیناً اسے معاف کر دے گی، یہ خاندانی معاملہ ہے، گھر کا معاملہ ہے، ایک اپنے آدمی نے ایسا کیا ہے ہمیں بات نہیں بگاڑنی چاہیے۔

''غازی صاحب میں آپ کے پاؤں پکڑنے کے لیے تیار ہوں۔

''شمائل اسے معاف کر دو...... غازی صاحب نے مجھے گھورتے ہوئے کہا......

''آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی ابو، لیکن صرف ایک شرط پر......''

''کیسی شرط......؟ غازی صاحب گرجے......

''احسان الٰہی مجھے بہن کہہ کر مخاطب کریں اور بہن سمجھ کر مجھ سے معافی مانگیں...... میں نے بے دھڑک کہا......

''غازی صاحب غرا کر کھڑے ہو گئے......

''کیا بک رہی ہو......

''ٹھیک کہہ رہی ہوں ابو اور جو میں نے کہا ہے، وہی ہوگا، اور کچھ نہیں......

میرے ان الفاظ پر غازی صاحب کی حالت اور زیادہ خراب ہوگئی وہ بری طرح دہاڑے تھے......

''کیا بکتی ہو، تمہیں اس بدتمیزی کی جرات کس نے دلائی۔

''مجھ میں یہ جرات ہے ابو، بلکہ اس سے کہیں زیادہ جرات ہے میں نے سامنے رکھی ہوئی انگوٹھی کی تھالی کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا اور پھر نفرت سے اس پر تھوک کر باہر نکل آئی......

میں بالکل نارمل تھی...... ہر قدم پلاننگ کے مطابق اٹھایا تھا میں نے...... وہاں سے نکل کر پھرتی سے میں نے باورچی خانہ کا رخ کیا اور فریج میں سے تھوڑے سے پھل، بسکٹوں کے ڈبے پانی کی ایک بوتل اور گلاس پار کیا اور پھر دوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی...... کمرے میں آنے کے بعد میں نے دروازے کی تمام چٹخنیاں لگا لیں، قالین سمیٹا، لکڑی کی بڑی الماری کھسکا کر دروازے سے فٹ کر دی اس کے آگے صوفہ رکھ دیا...... دو کھڑکیاں تھیں جن میں گرل لگی ہوئی تھی۔ انہیں مضبوطی سے بند کیا اور مورچہ بند ہو گئی...... باقی اللہ کا شکر تھا، ملحقہ غسل خانہ موجود تھا، چنانچہ دشمن سے کوئی خطرہ نہیں تھا ساری سچوایشن کا جائزہ لے لیا تھا......

غازی صاحب دروازے سے گولی ماریں گے تو الماری اور صوفہ کام آئے گا، کھڑکیوں سے گولیاں چلائیں گے تو دیوار میں لگیں گی سونے کے لیے ایسی جگہ موجود تھی کہ فائرنگ سے محفوظ رہ سکوں...... چنانچہ اطمینان سے میں نے ایک رسالہ اٹھایا اور اپنے بنائے ہوئے مورچے میں جا بیٹھی۔

شام رات میں تبدیل ہوئی۔ دو سیب کھائے، چار چھ بسکٹ اور ٹھنڈا پانی پی کر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئی، نیند بھی بے سکون نہیں تھی، صبح ہو گئی...... دوپہر پھر شام اور تقریباً چار بجے دروازے پر دستک ہوئی میں نے شان بے اعتنائی سے دروازہ کو دیکھا

اور رسالہ پڑھنے میں مصروف رہی، اس کے بعد ہر دستک میں نے نظر انداز کر دی، یہ میوزیکل پروگرام مغرب اور عشاء کے بعد تک جاری رہا، دروازے اور کھڑکیاں بجائی جاتی رہیں...... پھر شاید دروازے پر طاقت آزمائی کی گئی اس کے بعد وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ کوئی پونے بارہ بجے ایک کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا گیا، مگر میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ ان کی نگاہوں سے بالکل محفوظ تھی، والدہ کی آواز سنائی دی......''

''سیمی! شمائل، شمائل بیٹی......''

''کیا بات ہے؟'' میں نے کرخت لہجے میں پوچھا اور باہر شور مچ گیا، وہ زندہ ہے زندہ ہے......''

''دروازہ کھول نا شدنی...... کیا کرائے گی گھر میں! کم بخت ماری دروازہ کھول دے'' والدہ نے کہا......

''پہلے آپ ماں بننے کی صحیح تربیت حاصل کریں والدہ محترمہ، اولاد کو اولاد کی نگاہ سے دیکھیں، اس کے بعد مجھ سے گفتگو کی جائے۔'' میں نے کہا......''

''اری دروازہ تو کھول'' ہم سب کو مروائے گی کیا'' تیرے باوا پستول لئے پھر رہے ہیں تیرے لئے......''

''اور آپ دروازہ کھول کر انہیں اندر داخل کرنا چاہتی ہیں۔ کیوں؟ دیکھا آپ لوگوں نے حضرات! یہ میری والدہ ہیں۔ میری زندگی کی دشمن، جایئے محترمہ جایئے، آپ کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی......''

''کمرے میں مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی جائے گی......'' والدہ صاحبہ نے غصیلے لہجے میں کہا......''

''میں غسل خانے میں داخل ہو کر سارے نل کھول دوں گی اور آگ سے محفوظ رہوں گی...... مجھے پتہ ہے کہ پانی کا بہت بڑا ذخیرہ یہاں موجود ہے......'' میں

نے جواب دیا...... باہر سے کچھ ہنسی کی آوازیں ابھریں اور والدہ صاحبہ مجھے کوستی پیٹتی وہاں سے چلی گئیں......

پھر توحید آپا کی آواز سنائی دی......''

''شمائل تو نے سارے گھر کا ناک میں دم کر رکھا ہے، باہر نکل، کوئی کچھ نہیں کہے گا تجھ سے۔ باہر نکل۔ بری بات ہے کیوں گھر میں تماشا لگا رکھا ہے تو نے......''

''توحید آپا وہ آپ کے موٹر مکینک کہاں ہیں؟ ان سے کہیے کہ وہ ایک ٹرک لے کر کمرے میں آ جائیں اور میرے کمرے کے دروازے پر چڑھا دیں، بس اس طرح آپ کا کام ہو سکتا ہے۔ جایئے آرام کیجیے۔ میں یہاں خیریت سے ہوں۔ اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب چاہتی ہوں۔ دیگر احوال کچھ نہیں ہے، چنانچہ آپ بھی آرام کریں اور میں بھی آرام کر رہی ہوں'' میرے انداز نے ان لوگوں کو کم از کم اس حد تک مطمئن کر دیا تھا کہ میں خودکشی کا ارادہ نہیں رکھتی۔ اپنے بدن پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگانا نہیں چاہتی۔ گردن میں رسی کا پھندہ نہیں ڈالنا چاہتی۔ بلکہ جس طرح ہوں آرام سے ہی ہوں میں......''

کھڑکی سے غالباً دروازے کا منظر بھی دیکھ لیا گیا تھا اور یہ اندازہ لگا لیا گیا تھا کہ دروازہ کھولنا اس وقت بڑھئی کے بس کی بات بھی نہیں ہے، میں نے مکمل مضبوطی کر رکھی ہے، البتہ میری خودکشی کے ایک طریقے سے وہ سب متفق ہو گئے ہوں گے۔ یعنی یہ کہ میں بھوکی ہوں۔ یعنی انسان میں بھوک برداشت کرنے کی کافی صلاحیت ہوتی ہے۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ ایک آدھ رات تو نکل ہی جاؤں گی۔ چنانچہ اس کے بعد سب آرام سے جا کر سو گئے۔'' وہ بھی تھے آرام سے اور میں بھی تھی آرام سے......'' میں تو اپنے منصوبے پر مکمل طور سے عمل کر رہی تھی۔ رات کو آرام سے سوئی، ویسے دشمن سے ہوشیار رہنا ضروری تھا۔ چنانچہ اپنے طور پر جس حد تک ممکن ہو سکا۔ انتظامات کر لئے۔

دن کو دس بجے پھر ان ہی تفریحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ یعنی دروازے پر بجائے جانے والا میوزک کھڑکیوں کو کھٹکھٹائے جانے والے شیشے، ہر شخص کی اپنی اپنی آواز..........

ابھی تک صدف بھابھی کی کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ باقی تقریباً تمام ہی لوگ مجھے نیکیوں کی تلقین کر چکے تھے۔ غالباً والدہ صاحبہ بہت زیادہ ناراض ہو گئی تھیں۔ چنانچہ ان کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جمال بھائی، کمال بھائی توحید آپا، عرفانہ سب کے سب ہی اپنی اپنی کہانیاں سنا رہے تھے۔ شفق کے بارے میں، میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ جا چکی ہے، ورنہ ضرور آتی۔ صدف بھابھی بہر حال میری ساتھی تھیں۔ اور میں ان کی محبتوں کا خلوص دل سے اعتراف کرتی تھی۔

غرض کہ یہ ہنگامہ بھی دن بھر جاری رہا۔ بسکٹوں، چائے اور پھلوں پر گزارا ہو رہا تھا۔ عیش کی بیت رہی تھی۔ مجھے کیا پڑی تھی کہ دروازہ کھولوں بلکہ اچھا خاصا تفریحی مشغلہ ہاتھ آ گیا تھا۔ ہر ایک کی آمد اور کہانی سن رہی تھی۔ ان سے مذاکرات بھی کر رہی تھی۔ اور کھڑکی پر مذاکرات کرنے والوں کا اچھا خاصا ہجوم تھا وہ سب اس تجسس میں تھے کہ آخر میں ہوں کہاں، اور کہاں سے بول رہی ہوں دوسرے کھڑکی کے شیشے بھی اگر توڑے جاتے، وہ ڈائریکشن انہیں نہیں مل سکتی تھی، جس پر میں نے، اپنے آپ کو محفوظ کیا تھا، دن کے بعد رات بھی بیت گئی، اور اس کے بعد شدید تشویش پیدا ہو گئی، باہر والوں میں ڈیڈی صاحب یعنی ہمارے والد بزرگوار قبلہ نے بھی اس دوران کھڑکی کی جانب رخ نہیں کیا تھا۔ لیکن میں اس بات کی متوقع رہی تھی کہ ہو سکتا ہے جیسے ہی میں کھڑکی کی طرف آؤں، غازی صاحب قبلہ مجھ پر گولی داغ دیں۔

جب یہ دن بھی گزر گیا تو باہر والوں کو غالباً اس بات کا احساس ہو گیا کہ صورتحال اب تشویش ناک حدوں میں داخل ہو گئی ہے اور میں عنقریب موت کا نوالہ بننے والی ہوں، کیونکہ رزق کا کوئی نوالہ میرے حلق سے نیچے نہیں اترا ہے، تب اس کے

بعد صدف بھابھی کی خدمات حاصل کی گئیں، اور وہ کھڑکی پر آئیں......''''

''شائل میں صدف ہوں، مجھ سے بات کرو شائل......''

''ہیلو صدف بھابھی کیسی ہیں آپ؟ کیسے مزاج ہیں......؟''

''شائل دروازہ کھول دو......'' صدف بھابھی نے کہا......''

''صدف بھابھی'' آپ......آپ......آپ......''

''ہاں شائل میں تم جانتی ہو...... میں تمہیں دھوکا نہیں دے سکتی......

''آپ تو دھوکا نہیں دے سکتیں صدف بھابھی لیکن یہ دھوکے بازوں کا اڈہ ہے یہاں دھوکا ہو سکتا ہے......''

''پلیز شائل تم نے کچھ نہیں کھایا پیا ہے، کچھ کھا ہی لو، چلو دروازہ کھولو......''

''ساتھ کون کون ہیں......؟''

''سب ہیں......''

''سوری صدف بھابھی، معافی چاہتی ہوں، اس وقت آپ سے بھی تعاون نہیں کر سکتی......

''دیکھو شائل میں تم سے بڑی امید رکھتی ہوں اور اس وقت اگر تم نے مجھے بھی دوسروں کے ساتھ ہی جگہ دی تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ کیا تم میرے لیے اپنی زندگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتیں......؟ صدف بھابھی نے ایسے الفاظ کہہ دیئے تھے کہ میں سوچ میں ڈوب گئی۔ ان کے یہ الفاظ بڑی گہرائیوں کی جانب اشارہ کرتے تھے، کہہ رہی تھیں کہ تم میرے لئے زندگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتیں لیا جا سکتا ہے۔ چند لمحات سوچنے کے بعد میں نے کہا۔

''اچھا آپ یوں کریں کہ دروازے پر پہنچیں، لیکن ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ کوئی اور آپ کے ساتھ نہیں ہوگا، ورنہ میرے پاس ایک دستی بم ہے میں

دروازے پر کھڑے ہو کر اس کا سیفٹی پن ہٹا لوں گی اور اگر آپ کے پیچھے کوئی مجھے نظر آیا تو میں یہ بم پھینک دوں گی، سمجھ رہی ہیں نا آپ، دیکھ لیجیے دستی بم دیکھ لیں......''

دوسری طرف مکمل سکوت چھا گیا تھا۔ پہلے جو جھنجھناہٹ ابھر رہی تھی وہ ختم ہو گئی تھی۔ صدف بھابھی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دستی بم دیکھنے کی کوشش کی ہو گی...... لیکن انہیں کچھ نظر ہی نہ آیا ہو گا، انہوں نے کہا۔

''میں تنہا آ رہی ہوں شائل تو مجھے راستہ دے......''

''آیئے آیئے، لیکن ہوشیار خبردار...... میں نے اپنے لئے یہ آخری فیصلہ کیا ہے، خود بھی تباہ ہو جاؤں گی اور اس کوٹھی کو بھی تباہ کر دوں گی۔ ورنہ ایک ایک سے کہہ دیں کہ اتنا دور چلا جائے کہ مجھے اس کی آواز تک نہ آ سکے......''

غالباً میری اس دھمکی نے صحیح کام کیا تھا دروازے سے کان لگا دیئے میں نے۔ صدف بھابھی اکیلی ہی آ رہی تھیں...... الماری کو بس اتنا کھسکایا کہ دروازے کا ایک پٹ کھل سکے۔ صدف بھابھی دبلی پتلی تھیں، باآسانی اس میں سے اندر آ سکتی تھیں۔ ویسے بھی اتنی جلدی الماری اور صوفے کا کھسکا دینا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن میں نے ان کے لیے محنت کی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد کھلے دروازے سے صدف بھابھی پھنستی پھنساتی اندر داخل ہوئیں۔

''خدا تجھے سمجھے، یہ کیا کیا کباڑ خانہ دروازے کے سامنے جمع کر رکھا ہے......؟''

''آ جایئے آ جایئے اور ہلئے جلئے نہیں ورنہ دستی بم پھٹ جائے گا......'' میں نے ہاتھ میں ایک بڑا سا سیب لے کر رومال ڈال رکھا تھا اور انداز کچھ ایسا تھا جیسے واقعی دستی بم میرے ہاتھ میں موجود ہو......

''خدا تجھے سمجھے شائل۔ یہ دستی بم تو نے کہاں سے حاصل کر لیا......''

''لاہور سے خریدا تھا سستا مل گیا تھا......'' میں نے کھیسیں نکال کر کہا۔

اور صدف بھابھی مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگیں۔

''تین دن کی بھوکی پیاسی ہو اور شرارتوں کا یہ عالم ہے......''

''دروازہ تو بند کر دیں، کس اور نے شرارت کر دی تو آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ کیا ہو جائے گا......''

''دور دور تک کوئی نہیں ہے، سب خوفزدہ ہو گئے ہیں، ان کے خیال میں تجھ سے کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ یہ یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے۔ سیب کی خوشبو لگ رہی ہے......''

''آپ کو نزلہ ہوا ہے۔ شاید ناک ٹھیک کام نہیں کر رہی۔ یہ دستی بم کی خوشبو ہے'' میں نے کہا۔ اور صدف بھابھی نے میرے ہاتھ سے رومال کھینچ لیا۔ سیب نمایاں ہو گیا تھا۔

''خدا کی پناہ، یہ کہاں سے آیا......؟'' صدف بھابھی نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

''ہا...... ہا...... ہا...... کیا سمجھا گیا ہے ہمیں...... ارے ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے، آیئے بتایئے کیا پیئیں گی، کیا کھائیں گی......؟ میں نے دروازہ بند کر کے الماری برابر کرتے ہوئے کہا۔ صدف بھابھی کی عجیب حالت تھی، آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور ہنس رہی تھیں۔ میں نے انہیں بٹھایا......

''منی کچن ہے، اور بسکٹوں کے یہ ڈبے، اور یہ سب تجھے کس نے دیئے......؟''

''کوئی میں پاگل آں! کون دیتا مجھے، میں خود لائی تھی......

''کب......؟''

’’مورچہ بند ہونے سے پہلے اس عقوبت خانے سے نکل کر سیدھی کچن میں گئی تھی...... جو ہاتھ لگا لے آئی...... ابھی کئی دن کی رسد موجود ہے......‘‘ میں نے کہا اور صدف بھابھی ہنس پڑیں......

’’تو زمانے سے لڑنا جانتی ہے۔ خدا کی قسم تو اس جنگ میں ضرور کامیاب ہوگی......‘‘

’’آپ اس وقت صدف بھابھی ہیں یا افسر مذاکرات......؟‘‘

’’جو کچھ بھی ہوں تیرے ساتھ ہوں......‘‘ صدف بھابھی نے کہا......

’’میرے بارے میں عام خیال ہوگا کہ میں بھوک پیاس سے ختم ہو چکی ہوں گی۔

’’بہت سے خیالات تھے، کوئی خودکشی کی پیشن گوئی کر رہا تھا کوئی گھر سے فرار ہو جانے کی، بعد میں کمرہ بند دیکھ کر یہ خیال ترک کر دیا گیا تھا......

’’اب ذرا ابتداء سے ہو جائے......‘‘ میں نے کہا......

’’تیرے آنے کے بعد بحث ہوتی رہی......‘‘ ابا اور تایا جی نے تیری تائید کی اور کہا کہ یہ تیرا حق ہے اور تو نے حق کا صحیح استعمال کیا ہے۔ انہوں نے معذرت کر کے کہا کہ اس وقت چونکہ حالات مختلف ہو گئے ہیں، اس لئے وہ نہیں رکیں گے۔ اور پھر وہ سب چلے گئے۔ غازی صاحب نے خوب ہنگامہ کیا، رائفل لوڈ کر لی، کچھ توڑ پھوڑ کی، اس کے بعد اپنے کمرے میں چلے گئے۔ دوسرے دن انہوں نے آخری فیصلہ کیا کہ تجھے گھر سے نکال دیا جائے۔ اور یہ کہہ کر گھر سے چلے گئے کہ جب تو یہاں سے چلی جائے تو انہیں چک نمبر ایک میں خبر کر دی جائے اگر ایک ہفتے کے اندر اندر تو نے گھر نہ چھوڑا تو وہ واپس آ کر تجھے گولی مار دیں گے۔

’’گڈ...... چھوٹے غازی صاحبان کی کیا رائے ہے......؟‘‘

’’اس وقت تو بوکھلائے ہوئے ہیں، سب کا ایک ہی کہنا ہے......‘‘

’’کیا......؟‘‘

’’سارا الزام ماموں احتشام پر رکھا ہے......‘‘

’’ایسے کیوں......‘‘؟

’’بس کہا جا رہا ہے کہ انہی کی شہہ پر تجھے جرات ہوئی ہے......‘‘

’’ویری ویری گڈ! کوئی فیصلہ ہوا......‘‘‘

’’ہاں......‘‘

’’کیا......؟‘‘

میں نے دلچسپی سے پوچھا......

’’تمہیں ماموں احتشام کے پاس بھیج دیا جائے۔ وہیں رہو وہیں سے تعلیم حاصل کرو، تمہاری خفیہ کفالت کی جائے گی......‘‘

’’کب روانہ کیا جائے گا مجھے......؟‘‘

’’ایک ہفتہ ہونے سے پہلے......‘‘

’’کوئی فراڈ......‘‘

’’نہیں ایسی کوئی بات نہیں......‘‘ صدف بھابھی نے کہا اور میں سوچ میں ڈوب گئی...... پھر میں نے کہا......

’’میرے خیال میں کوئی ہرج نہیں ہے ایسا کیا جا سکتا ہے، میں چھٹیاں صادق آباد میں ماموں احتشام کے پاس گزار لوں گی اور پھر لاہور واپس آ جاؤں گی......‘‘ صدف بھابھی مجھے دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹ گئیں۔

’’مجھے تجھ پر فخر ہے شمائل، تو نے اس حویلی کی بنیادیں ہلا دی ہیں، وہ کیا ہے جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا...... کاش اور بھی لڑکیاں تیرے جیسی بہادر ہوں۔ تو

نے وہ کر ڈالا ہے جو کسی کے تصور میں نہیں آ سکتا تھا...... اور وہ بھی بھری محفل میں......
آہ یقین نہیں آتا، بڑی بات ہے، بہت بڑی۔

''دیکھو پارٹنر، میں نے پورے اعتماد کے ساتھ تمہیں اپنے مفادات کا نگراں مقرر کیا ہے ہوسکتا ہے آئندہ تمہاری ضرورت پیش آئے، فی الحال بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے......''

''اس وقت تمہارا ماموں صاحب کے پاس چلے جانا بہتر ہے......''

''اوکے۔ مورچے سے نکلنا ہے......؟''

''ہاں سب تم سے خوفزدہ ہوگئے ہیں......''

''ٹھیک ہے چلو......'' میں نے کہا، اس کے بعد میں مورچے سے باہر نکل آئی بم کے خوف سے میدان صاف تھا اور خوفزدہ ارکان نے امی کے کمرے میں خندق بنائی ہوئی تھی...... ہم دونوں وہیں پہنچ گئے۔ امی نے مجھے دیکھ کر رخ بدل لیا تھا۔ دونوں بھائی مجھے گھور رہے تھے۔ جلال الدین غازی نے کہا۔

''کیا تو ہماری بہن ہے......؟''

''صدف بھابھی......'' میں نے دھاڑ کر کہا...... '' کیا یہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں ہے......؟''

''ان باتوں میں کیا رکھا ہے جلال بھیا۔ براہ کرم یہ باتیں مت کرو......''
صدف بھابھی نے استدعا کی۔

''دل تو چاہتا ہے کہ تیرے ٹکڑے کر دوں......''

''تم لوگوں کو اور کرنا بھی کیا آتا ہے قصائیو! اور کیا کر سکتے ہو تم بہنوں کے ساتھ...... کر دو یہ بھی کر دو...... کرو اس کے ٹکڑے، کرو یہی تمہارے خاندان کی شان ہے'' امی بپھر گئیں۔

''امی آپ...... آپ اس کی حمایت کر رہی ہیں......''

''مجھ پر بھی چھری چلا دو۔ تمہارے لئے کیا مشکل ہے، اٹھو، دکھاؤ اپنی بہادری آخر غازی ہو......''

''جلال، باہر جاؤ......'' کمال بھائی نے کہا۔ جلال بھائی رکے تو بڑے بھائی نے انہیں دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ پھر بولے......

''صدف اس کی تیاریاں کر دو......''

''ٹرین کا ٹائم کیا ہے......؟'' میں نے اطمینان سے پوچھا......

''بتا دوں گا......''

''اوکے لیڈیز اینڈ جنٹلمین...... میرے لئے ہلکا پھلکا ناشتہ تیار کیا جائے'' سب میری اس جرات پر حیران تھے...... عرفانہ باجی نے کہا۔

''پاگل ہی ہو چکی ہے یہ......''

''غاؤں......'' میں حلق پھاڑ کر غرائی اور وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئیں، صدف بھابھی نے کہا......

''تم میرے ساتھ آؤ، اپنے کپڑے بتاؤ......'' یہی غنیمت تھا، میں صدف بھابھی کے ساتھ دوبارہ اپنے کباڑ خانے میں آ گئی۔ اس وقت یہ کمرہ کباڑ خانہ ہی بنا ہوا تھا...... میں نے اپنے پسندیدہ لباس دو سوٹ کیسوں میں رکھے بھابھی نے کہا......

''یہ کپڑے بڑے سوٹ کیس میں آ جائیں گے......''

''بہت وزنی ہو جائے گا بھابھی......''

''تجھے کونسا اٹھانا پڑے گا......''

نہیں دو میں ٹھیک ہیں......'' میں نے کہا اور صدف بھابھی خاموش کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا......

"چھٹیوں کے بعد جب تو لاہور پہنچ جائے گی تو میں گھر آؤں گی......"

"میں آپ سے ضرور ملاقات کروں گی......"

ناشتہ کیا گیا۔ تیاریاں مکمل ہو گئیں...... امی نے ماموں احتشام کے لیے خط دیا، لوگ زیادہ غیر مطمئن نہیں تھے، ان کا خیال تھا کہ کچھ دن کے بعد حالات بہتر ہو جائیں گے کمال بھائی میرے ساتھ صادق آباد جا رہے تھے۔ کار ڈرائیور نے سنبھالی ہوئی تھی میں نے سب کو خدا حافظ کہا، صدف بھابھی کو آنکھ ماری اور کار آگے بڑھ گئی۔

-----☆☆☆☆☆-----

ریلوے اسٹیشن سے ہم ٹرین میں سوار ہو گئے، میں نے کئی بار کمال بھائی کو دزدیدہ نگاہوں سے اپنی طرف دیکھتے پایا تھا۔ اب ٹرین پٹریوں پر دوڑنے لگی۔ کافی دیر کے بعد میں نے کمال بھائی سے کہا۔

آپ کی تربیت غلط ہوئی ہے کمال بھائی...... وہ چونک پڑے پھر غصیلی نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔

"جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اس پر ضرور غور کریں۔ آج نہ سہی کل اور اگر غور نہ کیا کمال بھائی، تو آپ کا مستقبل ایک ایسے المیے سے دوچار ہو گا کہ آپ تصور نہیں کر سکتے......

"مجھ سے بکواس کرنا اچھا نہ ہو گا......" وہ غرائے۔

"کچھ ایسا برا بھی نہ ہو گا، یہ ٹرین ہے اور میں ایک گھنٹے میں ہی بے شمار ہمدرد تیار کر لوں گی، ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ غازی صاحب کے افکار چھوڑ دیں۔ مرد بے شک گھر کا حکمراں ہوتا ہے لیکن اسے ایک جابر حکمراں نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اگر کسی کی زبان سے کلمہ حق نکل گیا تو انقلاب آ جاتا ہے اور انقلاب تختہ الٹ دیتا ہے......"

"اس بکواس کا مقصد کیا ہے......؟"

"صدف بھابھی کو اماں جیسا نہ بنائیں، ابو حضور نے اس کی شخصیت مسخ

دی ہے وہ صدف ڈمی بن کر جی رہی ہے، کیا یہ مناسب ہے؟ کمال بھائی ہم سب کچھ عرصہ قبل کی پیداوار ہیں اس لئے سب کچھ سہہ گئے۔ نئی نسل اتنی بے بس نہیں ہے، وہ حساب لینا جانتی ہے، اگر آپ نے ابو کی سرشت اپنائی تو آپ کی نسل آپ کو معاف نہیں کرے گی۔ اپنے بچوں کو انسان کی طرح جینے کا حق دیں، انہیں ایب نارمل نہ بنائیں ورنہ آپ کے بچے آپ سے انتقام لیں گے، یہ میری پیشن گوئی ہے......"

"صدف کے ساتھ کون برا سلوک کرتا ہے......؟"

"آپ......" میں نے جواب دیا......

"بکواس کرتی ہو......"

"کبھی غازی سے انسان بن کر تجزیہ کریں اس کی تصدیق ہو جائے گی......"

میں نے تلخی سے کہا......کمال بھائی سوچتے رہے پھر مجھے گھورتے ہوئے بولے......

"تم نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا ہے......"

"ہاں مجھے آپ پر تعجب ہے کمال بھائی، آپ کا اپنا اسٹیٹس ہے، طرز زندگی ہے۔ خدا کی قسم کھا کر کہیں اس موٹر مکینک کو اپنا بہنوئی کہتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی، اس مولانا کو، سب انسان ہیں، سب خدا کے بندے ہیں، لیکن جوڑی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ آپ کے خیال میں توحید آپا نارمل ہیں، عرفانہ باجی خوش ہیں۔ کبھی بس ایک بار موقع نکال کر ان سے ہمدردی کے دو بول کہیں...... سارے چھالے پھوٹ بہیں گے ان کے ایسا نہ کر سکیں تو کم از کم بھائی بہن کے رشتے کے لفظ پر تھوک ضرور دیں......"

"بہت بولنا آ گیا ہے تمہیں......"

"خاموش ہوئی جاتی ہوں۔ جو کہنا تھا کہہ چکی ہوں......"

"ماموں احتشام کی زندگی تلخ نہ کرنا، تمہاری وجہ سے پہلے ہی ان کی بہت تذلیل ہو چکی ہے......"

"بہتر ہے......" میں نے جھٹکے دار لہجے میں کہا......

اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی، ٹرین کا سفر جاری رہا کمال بھائی برتھ پر سو گئے تھے، سونا ان کا مشغلہ تھا۔ میں اطمینان سے انہیں سوتے دیکھتی رہی۔ پھر میرا مطلوبہ اسٹیشن آ گیا۔ میں نے پھرتی سے اپنے دونوں سوٹ کیس سنبھال لئے۔ ٹرین رکی اور میں اطمینان سے نیچے اتر گئی۔ ایک قلی کو اشارہ کیا اور سوٹ کیس اس کے سر پر رکھوا کر اسٹیشن سے باہر جانے والے پل پر چل پڑی۔ یہ سب کچھ میرے پروگرام ہی کا ایک حصہ تھا اور میں نے کبھی غلط پلاننگ نہیں کی تھی۔ اس کے بعد مسز غوری کے گھر کے علاوہ میرا اور کونسا ٹھکانا ہو سکتا تھا میں نے انہیں پوری تفصیل بتا دی۔ یہ حقیقت ہے کہ اب میں اپنے گھر سے باغی تھی اور فیصلہ کر چکی تھی کہ غوری کے ساتھ مل کر رہوں گی غازی خاندان اپنی عزت سنبھالتا رہے یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔

زندگی تجربات کا کھیل ہے۔ شاہانہ غوری الگ داستان تھیں۔ ایک انوکھے جنون کا شکار۔ میرا معاملہ تو خیر تھا ہی الگ، باپ اور بھائی انہیں پسند تھے اور میری ان کے خلاف جنگ تھی معاملہ ہی مختلف تھا۔ وہ اپنے بیٹوں سے شوہر کی بے اعتنائی کا انتقام لے رہی تھیں میں سب کے ساتھ مل کر کام کرنے لگی۔ ان کے دارالامان اور اداروں کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ میں نے برقعہ پہننا شروع کر دیا تھا تاکہ غازی صاحبان مجھے تلاش نہ کر سکیں۔ ایک نئی دنیا مجھ پر منکشف ہوئی تھی۔ بعد میں رخسانہ باجی، ناظمہ اور اس جیسی بے شمار دوسری مظلوم خواتین کی مدد کی جس سے مجھے روحانی خوشی حاصل ہوئی۔ لیکن فطرت

اپنے راستے تلاش کر لیتی ہے۔ بالکل اتفاقیہ طور پر مجھے پتہ چلا کہ مسز شاہانہ غوری کے تینوں صاحبزادے جن کو انہوں نے مالی، باورچی اور ڈرائیور بنا رکھا تھا بظاہر بڑے مسکین سے رہتے تھے لیکن اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر شاندار سوٹوں میں ملبوس اعلیٰ

درجے کے ہوٹلوں میں پائے جاتے تھے ایک سوشل تقریب میں میری ملاقات اچانک فاخر سے ہوئی تو میں حیران رہ گئی، اس نے کہا۔

آپ کا کیا خیال ہے میں آپ کو دیکھ کر ڈر گیا ہوں یا یہ سوچوں گا کہ آپ میری مما کو میرے بارے میں بتائیں گی۔"

آپ واقعی بری طرح ڈر گئے ہیں فاخر صاحب اور خوفزدہ بلی کی طرح مجھ پر جھپٹ رہے ہیں۔ حالانکہ نہ میں نے آپ کے بارے میں سوچا ہے نہ ہی میں آپ کی مما کو کچھ بتانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

فاخر سے میری پہلی ملاقات تھی اور اس کے بعد وہ میری ذات کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا۔ گھر سے تو ایک طرح دور ہو گئی تھی لیکن معلومات حاصل ہوتی رہتی تھیں۔ غازی صاحبان نے میری تلاش میں کنوؤں میں بانس ڈلوا دیئے تھے۔ لیکن ہم لوگ بھی بے وقوف نہیں تھے ہم نے تمام قانونی پہلو محفوظ کر لئے تھے۔

یوں طویل عرصہ گزر گیا۔

پھر ایک دن اخبار میں ماموں احتشام کی اپیل کا اشتہار پڑھا، انہوں نے مجھے مخاطب کر کے لکھا تھا۔

بڑے غازی صاحب موت و حیات کی کشمکش میں گرفتار ہیں اور میں گھر واپس آجاؤں"۔

ساری باتیں اپنی جگہ۔ لیکن وہ میرے باپ تھے۔ میں گھر پہنچ گئی۔

غازی صاحب واقعی بیمار تھے۔ مجھے دیکھ کر رو پڑے بہرحال باپ تھے میں ان سے محبت بھی کرتی تھی۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی۔ انسان سب کچھ کرنے کے بعد آخری عمر میں رو پڑے تو میرے خیال میں یہ تو بس بے بسی ہے۔ اگر اس میں ہمت ہو تو وہ اس وقت بھی باز نہ آئے۔

پتہ چلا کہ گھر کے اقدار بدل گئے ہیں۔ دونوں غازی سدھر گئے ہیں اور خواتین کو بھی عزت مل گئی ہے۔

غازی صاحب چل بسے۔ ماموں احتشام آئے دوسرا المیہ یہ ہوا کہ مسز شاہانہ غوری بھی اچانک اس دنیا سے رخصت ہو گئیں یہ زمانے کے تغیر ہوتے ہیں۔ ساری کہانی بدل گئی۔ فاخر، عامر، شہاب سب آزاد ہو گئے۔ سارا کھیل ماموں کی زندگی تک تھا کہیں وہ اپنی ماں کے حق میں برے ثابت نہ ہوئے تھے اس لئے شاہانہ غوری کی تمام جائیداد، ادارے اور جو کچھ بھی تھا وہ سب ان کے نام ہو گیا۔ اور پھر وہی ہوا جو ہوتا ہے۔ یعنی میری شادی فاخر سے ہو گئی اور مردوں کے خلاف سارے انتقام کے جذبے ختم ہو گئے۔

اب میں فاخر غوری کے تین بچوں کی ماں ہوں۔ یہی ہے عورت کی اصل کہانی۔

-----☆☆☆☆☆-----